ایڈیٹر دیا نرائن نگم بی۔ اے

جلد ۶۲	جنوری ۱۹۳۴ء	نمبر ۱

فہرست مضامین

تصاویر۔ (۱) لطف موسیقی (رنگین) (۲) مولینا محمد علی (۳) ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو (۴) کارٹون۔

زمانہ پریس کانپور سے شایع ہوا

معمولی اڈیشن

قیمت [illegible] سالانہ [illegible] ہندوستان کے لیے [illegible]

زمانہ

(بیالیسوین جلد)

(بابت)

جنوری لغایت جون ۱۹۲۴ع

مرتبہ

دیانراین نگم۔ بی۔ اے

زمانہ پریس کانپور مین چھپکر

دفتر زمانہ کانپور سے شایع ہوا

قیمت سالانہ صر — درجہ اعلےٰ سعہ

فہرست مضامین رسالہ

بابت ماہ جنوری تا جون سنہ ۱۹۲۳ء

تصاویر (۱) لطف موسیقی (۲) مولانا محمد علی (۳) ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو صاحب (۴) آرائش گیسو (۵) مسٹر آئرلینڈ (۶) عروسی [illegible]
(۸) سیتا جی اور انسویا (۹) عبور دریا رامچندر جی گنگا پار کر رہے (۱۰) گر شیم ات (۱۱) راگنی بھیرویں (۱۲) رادھا رنگیلا (۱۳) کارٹون -

زمانہ

جلد ۴۲   جنوری سنہ ۱۹۲۴ء   نمبر ۱

مسلمان اور علوم ہند

ہنوز ہجرت کا پہلا ہی قرن اور خلیفہ ثانی عمرؓ فاروق کا عہد حکومت تھا کہ عربون کو ہندوستان کے ساتھ آمد و رفت و تعلقات پیدا کرنے کی نہ صرف خواہش ہوئی بلکہ عملی کوشش شروع کردی مورخین کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے بصرہ کی بنیاد اسی غرض خاص سے رکھی تھی کہ ہندوستان و ایران کے بحری راستون پر قبضہ ہو۔ اس ملک سے رابطہ پیدا کرنے کی ان کوششون کو اُنکے جانشینون عثمانؓ و علی (رضی اللہ عنہما) اور خاندان بنی اُمیہ کے تاجدارون نے بھی باوجود اندرونی انقلابات و خانہ جنگیون کے برابر جاری رکھا، مگر جبتک کہ ولید اول کے عہد حکومت مین ولایت سندہ کو محمدؒ بن قاسم نے فتح کرلیا اس ملک کی زبان اور ادبیات سیکھنے کا اونہین موقع ملنا ممکن نہوا۔ اسکے بعد بھی تقریبًا نصف صدی تک فاتحین مفتوحین کے خزاین علوم کیطرف توجہ کرتے نہین نظر آتے ہین جسکے سیدھی سادی کھلی وجہ یہی تھی کہ ابتک اونہین انکی قدر و قیمت کا پہچاننا ہی نہ آتا تھا۔ اُنکے خاص علوم کے وہ شعبے بھی جنکی وہ سب سے زیادہ عظمت و وقعت کرتے تھے یعنی تفاسیر قرآن اور احادیث نبوی ہنوز ضبط تحریر مین نہ آئے تھے اور جس طرح ازمنہ قدیم مین ویدون کی تعلیم و تلقین بے وساطت تحریر زبانی ہوا کرتی تھی اُسی طرح ابتک مسلمانون کے یہ علوم بھی محض حافظہ کے زور سے بے مدد کتاب زبانی ہی پڑھائے جاتے تھے۔ جس زمانہ کا یہان ذکر ہے اُس زمانہ مین یہ لوگ لکھنے پڑھنے سے فقط بے اعتنائی ہی نہین برتتے تھے بلکہ اوسے بہت

---

۱۰ اگست سنہ ۱۹۲۳ء کو یہ مضمون ڈھاکہ یونیورسٹی کی انجمن تاریخی کے سامنے پڑھا گیا تھا،

برا سمجھتے تھے اور اپنی مقدس معلومات کے سرمایہ کو کتاب کے حوالہ کرنا خطرناک جانتے تھے۔ اس نفرت و خوف کے اسباب و وجوہ بھی تھے مگر اُن کے بیان کرنے کا یہ محل نہین۔ ہجرت سے تقریبًا ڈیڑھ سو برس تک اُنکے علم بے کتابت ہمپایہ جہالت کی ہی حالت رہی۔ علمائے اسلام کی ہر قسم کے کتابی علم سے سخت نفرت اور برہمنون کے ویسے ہی قوی اور گہرے تعصبات پر نظر رکھی جائے جو غیر ہندو تو غیر ہندو خود نیچ ذات ہندؤن کو بھی اپنے مقدس خزانون کے پاس نہ پھٹکنے دیتے تھے تو فاتحان سندایک عرصہ تک اس دولت سے ناواقف رہنے پر ہدف ملامت نہین بنائے جا سکتے۔

بنی اُمیہ کی حکومت کے خاتمہ اور بنی العباس کی سلطنت کے آغاز کے ساتھ جنہون نے علوم کی پر زور محبت اپنے برگزیدہ و روشن دماغ جد امجد حضرت ابن عباس سے میراث مین پائی تھی جہالت و تعصب کی گھنگھور گھٹائین جلد کافور ہوگیئن، علم و حکمت کا آفتاب چمکنے لگا۔ خاندان عباس کے پہلے فرمان روا ابو العباس سفاح کو صرف قریب ڈھائی سال کے حکومت کرنا نصیب ہوا اور علوم و فنون کی سرپرستی تو رہی ایکطرف اُس عظیم الشان سلطنت کے ضبط و استحکام کی بھی مہلت نہ ملی جو یون اچانک اُسکے ہاتھ لگ گئی تھی۔ مگر اس خاندان کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور دوانقی کے عہد دولت مین جبکہ مسلمانون نے اول اول غیر زبانون کا سیکھنا اور اُنکے ادبیات کا مطالعہ شروع کیا تو یونانی فلسفہ وطب کے ساتھ ہی ساتھ اور اوسی مقدار مین اُنکی توجہ ہندوستانی علوم فنون کیطرف مبذول ہوئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی طب، نجوم، جبر و مقابلہ، اور حساب کا مطالعہ اونہون نے یونان کے علوم مذکورہ سیکھنے سے بہت پہلے ہی شروع کر دیا تھا۔ اور ان کے ہاتھون مین ان علوم نے جونشو و نما پائی اور ترقی کی اُسپر اس واقفیت نے گہرا اثر ڈالا۔ انہین علوم اور دیگر ادبیات ہند کے عربی فارسی اور اردو مین منتقل ہونے کی تاریخ مین اسوقت بہ اختصار آپکے سامنے پیش کرنا چاہتا ہون۔

نجوم | عرب ہندی نجوم اور علوم اعداد سے اس سے بہت پہلے واقف ہوچکے تھے کیونکہ یونانی نجومیون اور ریاضی دانون کی تصانیف اُنکی نظر سے گذرچکی تھین ہندوستان مین جو تین نظام نجومی رائج تھے اُن تینون سے عرب خاندان عباس کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور دوانقی ہی کے زمانہ مین وقوف حاصل کر چکے تھے یعنی اس سے بہت پہلے محمد ابو الوفا بزجانی کی چوتھے صدی ہجری کی لکھی ہوئی شرح

دیوفانتوس اون کی نظر سے گزری تھین ابن الادمی کے نقشجات نجومی کی تمہید مین جنہین القاسم نے ۳۰۸ھ ہجری مطابق ۹۲۰ عیسوی مین شائع کیا لکھا ہے کہ خلیفہ منصور مذکور کے زمانہ مین ایک اپنے فن کا ماہر کامل ہندوستانی جوتشی خلیفہ کے دربار مین پہنچا اور مساوات سیارگان کے نقشے معہ کسوف وخسوف و عروج و بروج کے بیانات کے اپنے ہمراہ لایا اور کہا کہ یہ نقشجات ایک ہندوستانی راجہ کے حسابات سے ماخوذ ہین جسکا نام عربی مصنفون کی رسم خط مین بگڑ بگڑا کر فیغر ہوگیا ہے۔ خلیفہ نے اس موقع کو غنیمت جانکر اور اس اتفاق حسنہ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھکر اس کتاب کے ترجمہ اور اشاعت کا حکم صادر کردیا کہ ستارون کے متعلق تمام امور مین عربون کی رہنما ہو۔ چنانچہ یہ کار بزرگ محمد بن ابراہیم الفزاری کے سپرد کیا گیا جسکا ترجمہ منجمون مین آجتک سندھند یا ہندسند بزرگ کے نام سے معروف ہے۔

ابن الادمی کی رائے مین اسکے معنی الدھر الداھر (گردش کرنیوالا زمانہ) اور مسعودی اور بعض دوسرے لوگون کی رائے مین دھر الدھور (زمانون کا زمانہ) ہین، چونکہ سندھند اور برہمہ گپتا کے پتیمہ یا برہمہ سدھانت کے نظام متحد ہین ہم بے خوف یہ نتیجہ نکال سکتے ہین کہ اول الذکر آخر الذکر پر مبنی ہے۔ یہ برہمہ گپتا ساتوین صدی عیسوی کے نصف اول مین ورا ہمہرا کے بعد سب سے چمکتا ہوا ہندی جوتشی تھا۔ الفزاری کی یہ تصنیف جو ہندی نظام نجومی سے ماخوذ تھی چھٹے عباسی خلیفہ المامون کے زمانہ تک برابر مسلمانون مین متداول رہی۔ اس خلیفہ کے حکم سے محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے اسکا خلاصہ کیا جو اُسوقت سے لیکر آجتک سندھند خرد کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ یہ خلاصہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ مذکور کے واسطے اوسکی شاہزادگی کے زمانہ مین کیا گیا تھا۔ اس مصنف نے اسی قسم کے نقشجات نجومی خود بھی ترتیب دیے، جن مین ہندی نقشجات کی ترمیم واصلاح کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ بڑے نقشجات بھی جنکو زمانۂ مابعد مین ابن الادمی نے مرتب کیا اور القاسم نے تکمیل کو پہنچایا ہندی نجوم ہی کی بنیاد پر قائم کیے گئے تھے۔ نجومی نقشجات کا ایک اور ان سے بیشتر مجموعہ وہ ہے جسے المامون کے زمانہ مین بغداد کے نجومی حبش نے مرتب کیا۔ اسی طرح سندھند پر مبنی متعدد اور نقشجات کی تیسری صدی ہجری مین اشاعت کی گئی جن مین سے فضل بن حاتم ناظری اور ابو الحسن بن مصباح کے مولفات خاص طور پر قابل ذکر ہین۔

ابو ریحان بیرونی نے الآثار الباقیۃ کے دیباچہ مین جو اپنے تصنیفات کی فہرست دی ہے

اُسمین برہمہ گپتا کے سدہانت کے عربی ترجمہ سندہند پر بھی ایک رسالہ کا ذکر کیا ہے۔

ہندوستان کے باقی دو نظامون یعنی آریہ بھٹہ اور ارکہ کے نظامون سے بھی عرب بالکل ناواقف نہ تھے۔ آریہ بھٹہ کی ذرا بگڑی ہوئی عربی شکل ارجبہر سے عرب مصنف نجومی آشنا معلوم ہوتے ہین۔ رہا یہ کہ آریہ بھٹہ سے ارجبہر کیونکر بن گیا تو اسکی توجیہ نہایت آسان ہے۔ آریہ کے الف ممدودہ کو مقصورہ سے اور آخری یائے مفتوح کو جیم ساکن سے بدلا تو ارج ہو گیا۔ یہ تغیر عربون نے نہین کیا بلکہ خود ہندی زبانون مین ارج بجائے آریہ کے کثرت سے آتا ہے۔ بھٹہ کی آخری تائے مفتوح کو ساکن کیا تو بھٹ ہوا۔ (ٹ) اور (ڑ) کا ہندوستانی زبانون مین کثرت سے مبادلہ ہوتا ہے لہذا بھٹ سے بھڑ بنا جیسا کہ مرہٹی لفظ بھڑجی مین یہان تک تو سب کایا پلٹ ہندوستان ہی مین ہوئی۔ ڑے کا رے سے مبادلہ بھی اگرچہ ہندوستان مین ایک عام بات ہو مگر اس لفظ مین یہ تغیر بظاہر عربون ہی نے بہ مجبوری کیا کیونکہ ڑے اُنکی زبان مین ہے ہی نہین۔ ارکہ کو عرب ارکند کہتے ہین اور یہ خرابی ہندی مین ہنوز رائج ہے۔ بیرونی کی تصنیفات مین ہمین پھر ایک رسالہ "قانون ارکند کا جدید نسخہ" "برہمہ گپتا کے کھنڈ کہادیکہ کا عربی ترجمہ" کے نام سے ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سنسکرت کی تصنیف مذکورہ کا عربی ترجمہ بیرونی کے زمانہ تک موجود تھا مگر مترجم کے نام اور زمانہ کے متعلق بیرونی بھی ہمین اوسی طرح تاریکی مین چھوڑتا ہے جس طرح اس سے پہلے تھے۔

آریہ بھٹہ اور برہمہ گپتا کے علاوہ اسی زمانہ مین یعنی منصور، رشید اور مامون اور اوسکے قریبی جانشینون کے زمانہ مین اور بھی بہت سے ہندی منجمون کی تصانیف کے عربی مین ترجمے ہوئے۔ **عیون الانباء فی طبقات الاطباء** مین ایک درجن سے زیادہ ایسے نام موجود ہین مگر اسطرح خراب خستہ، لولے لنگڑے اور عربی خط مین ایسے مسخ شدہ کہ انکی سنسکرت اصلون کا یقینی طور پر کھوج چلانا خصوصًا اوس شخص کے لیے جو زبان سنسکرت اور ہندی نجوم کی تاریخ سے ناواقف ہو قریبًا ناممکن ہے۔ مثلًا اوس ہندی منجم کا نام جس سے ابو معشر جعفر بن محمد بلخی نے وہ معلومات اخذ کی ہین جنھین وہ اپنی تصنیف کتاب **الالوف** مین ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور جنکو وہ ہندی فلسفیون اور ریاضی دانون مین سب سے سربرآوردہ بتاتا ہے عربی رسم الخط سے اکثر ہندی حروف اور کل اعرابون کے مفقود ہونے کے سبب سے بہت سے مختلف طرزون سے پڑھا جا سکتا ہے؛ عربی مصنف اسکا نام کنکمہ لکھتے ہین جسے ہم

کنکہ، کنگہ، گنگہ وغیرہ وغیرہ پڑھ سکتے ہین۔ صاحب عیون الانباء اس گم نام و نشان ہندی فلسفی کو زمانہ قدیم کے سب سے زیادہ ذی علم لوگون مین بتاتا ہے جو اپنے زمانہ مین اجرام سماوی اور حرکات سیارگان کے علم مین اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اوسکی تصنیفات کی نسبت اسی مصنف کا بیان ہے کہ سب کا عربی مین ترجمہ ہو چکا ہے اور یہ کہ ان مین سے اوسکی کتاب النمودار (علم پیدائش کی کتاب) کتاب القرانات الکبیر (سنجوگون کی بڑی کتاب) اور کتاب القرانات الصغیر (سنجوگون کی چھوٹی کتاب) خاصکر سزاوار ذکر ہین۔ اور بھی بہت سے ہندی حکیمون، طبیبون، اور منجمون کے اسی طرح بگڑے ہوئے نام جنکی تصانیف کے زمانۂ زیر بحث مین عربی ترجمے کیے گئے مصنف مذکور نے صنجہل، باکھر، راجہ، داہر، انجر، زنجل، جبہر، جاری، جودر، منکہ وغیرہ بتایا ہے اور کہتا ہے کہ ان مین سے ہر شخص بہت سی کتابون کا مصنف اور نجومی نظریون کا موجد تھا۔

اب ظاہر ہے کہ جبتک انسان ان ترجمون اور اصلی کتابون دونون سے بخوبی واقفیت نہ رکھتا ہو اور یون دونون کے مقابلہ وموازنہ پر قادر نہوا ان مسخ شدہ نفظون کی سنسکرت اصلون کا پتہ چلانا ناممکن ہے۔ مگر ان ظاہر الانجل معمون کی سنسکرت کے ساتھ تطبیق سے ہمارا قاصر رہنا کوئی معقول وجہ اس امر کی نہین ہو سکتی کہ اتنے بہت سے مسلمان مورخون کی شہادت پر شک وشبہہ کیا جاے جو اپنے راستبازی وراستگوئی مین ضرب المثل ہین اور جنکے بیانات کی محرک وہ خواہش بھی نہین ہوسکتی جو ناظرین مین سے بعض حضرات شاید میرے سر تھوپنے پر مائل ہون، علاوہ ازین فہرست مذکورۂ بالا مین آخری نام تو ایک ایسے شخص کا ہے جو مدتون خلیفہ ہارون الرشید کا طبیب خاص تھا اور اسلیے کوئی عاقل اوسکے وجود سے انکار کی جرأت نہین کر سکتا۔

مابعد کے زمانون کیطرف آتے ہین تو ہماری مڈبھیڑ اوس اعجوبۂ روزگار ابوریحان بیرونی سے ہوتی ہے جس نے مثل ابو معشر اور محمد ابن اسمٰعیل تنوخی کے ہندوستان مین رہکر اور برہمنون سے میل جول پیدا کرکے سنسکرت زبان سیکھی۔ سنسکرت کی بہت سی تصانیف کا عربی مین ترجمہ کیا کئی ایک عربی کتابون کا اپنے پنڈت دوستون سے سنسکرت مین ترجمہ کرایا اور خود ہندی علوم خصوصا نجوم پر جسکا وہ سب سے زیادہ دلدادہ تھا متعدد کتابین لکھین۔ اوسکے گل سرسبد یعنی کتاب الہند کا زیادہ تر حصہ نجوم اور حسابات نجومی ہی کے نذر ہے۔

برہمہ سدہانت پر ایک رسالہ کے علاوہ جسکا نام جامع الموجود لخواطر الہنود فی حساب التنجیم ہے اور قانون الادرکند کے سوا جسکا ذکر اوپر آچکا اوس نے وراہمہر اکی مشہور کتاب لگھو جاتکہ (چھوٹا جنم تیرا) کا ترجمہ کیا۔ جرمن عالم سخاؤ نے کتاب الہند کی تمہید مین اس مصنف کی بائیس کتابون کی جو فہرست دی ہے اوس مین بہین کئی رسالے اسی مضمون پر ملتے ہین ۔

دہلی کے متقی بادشاہ سلطان فیروز شاہ تغلق کو سنسکرت اور اُسکے ادبیات سے جو دلچسپی تھی اُسکا حال مولانا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ مین یون تحریر فرمایا ہے ''اس زمانہ (یعنی مدت قیام نگرکوٹ) مین لوگون نے حضور کے کانون تک یہ بات پہنچائی کہ یہان جوالا مکھی (نابندہ روئے) نامی مندر مین پرانے زمانہ کے برہمنون کی لکھی ہوئی ایکہزار تین سو کتابون کا ذخیرہ ہے ۔ اعلحضرت نے ان کتابون کو منگوا کر اکثر کا فارسی مین ترجمہ کرایا ۔ اور منجملہ ان کے نجوم کی ایک کتاب کو دربار کے مشہور شاعر عزالدین خالد خانی نے دلائل فیروز شاہی کے نام سے فارسی مین منظوم بھی کیا ۔ ۱۰۰۰ ہجری مین شہر لاہور مین مینے اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھا مگر اسقدر تحسین و آفرین کے لایق نہ پایا ۔ فیروز شاہ کے حکم سے ترجمہ کی ہوئی دوسری کتابین بھی مینے پڑھی ہین بعض ان مین سے موسیقی پر ہین بعض فن کشتی گیری پر باقی اور مختلف مضامین پر ہین مگر زیادہ تر ردی اور نکمی ہین '' ۔ ملا عبد القادر بدایونی کی اس مذمت کا منشا خشک مغزی و تعصب معلوم ہوتا ہے کیونکہ مصنف سیر المتاخرین لکھتا ہے کہ سلطان فیروز شاہ دلائل فیروز شاہی کو پڑھکر ایسا خوش ہوا کہ اوس نے مصنف کو ایک گران بہا صلہ اور وسیع جاگیر عطا فرمائی ، یہ کتاب اوسے ایسی پسند تھی کہ بار بار پڑھوا کر سنا کرتا تھا ۔ مآثر رحیمی کا مصنف بھی اس کتاب کا ان لفظون مین مداح ہے '' فقیر مطالعہ آن کتاب نمودہ ام ۔ الحق کتابیست مشتمل بر اقسام حکمت علمی و عملی '' ۔

اکبر کے زمانہ کے ترجمون کی جو لانبی فہرست بدایونی نے دی ہے ، اُسمین نجوم کی کسی کتاب کا ذکر نہین پایا جاتا مگر ہمین یقین ہے ، کہ بدایونی نے اُنہین ترجمون کی فہرست دی ہے جن سے اوسے بے واسطہ یا بہ واسطہ ذاتی تعلق تھا ، بخلاف اسکے آئین اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی ، چند ، گنگادھر ، مہیش اور مہانند کی مدد سے ملا شیری نے سنسکرت کی ایک ضخیم کتاب تنجیم کا فارسی مین ترجمہ کیا ۔ اصل کتاب اور مصنف کا نام قلم انداز کر کے فارسی ترجمہ کا نام ابو الفضل نے زیچ جدید میرزائی بتایا ہے ۔ آگے چلکر وہ نجوم کی ایک اور مفید تصنیف کتاب تاجک کی نسبت لکھتا ہے کہ محمد خان گجراتی نے بحکم شاہنشاہ

اسکا فارسی مین ترجمہ کیا۔

کاشمیر مین سلطان زین العابدین نے جو محکمۂ ترجمہ قائم کر رکھا تھا اوس سے شائع ہونیوالی کتابون کی ناقص فہرستون مین بھی علم نجوم کی کسی تصنیف کا ذکر نہین آتا مگر چونکہ یہ دارالترجمہ بہت زمانہ تک برابر ایک بڑے بدیا وان برہن کی زیر نگرانی قائم رہا اور اسکے تمام کارکن بھی بڑے بڑے پنڈت تھے، اسلیے نہایت بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگون نے اپنے ادبیات کی اس بارور شاخ سے سراسر غفلت برتی ہو،

(باقی)　　　فدا علیخان رامپوری ایم اے (علیگ)

ہندوستان کی مستورات بلحاظ تعلیم

نام فرقہ	ناخواندہ	خواندہ	انگریزی دان
ہندو	۱۰۵۹۰۵۹۰۴	۸۱۴۸۱۰	۲۳۶۵۹
سکھ	۲۲۶۲۳۲۷	۱۷۲۸۰	۲۳۸
جینی	۵۸۰۵۰۹	۲۴۱۲۰	۲۰۹
بدھ	۵۱۱۷۷۲۸	۳۱۷۲۳۸	۱۳۸۳
پارسی	۱۷۷۵۵	۳۱۲۱۸	۸۳۴۷
مسلمان	۳۱۷۴۶۰۰۵	۱۳۷۸۰۰	۳۹۴۰
عیسائی	۱۶۱۳۱۷۷	۲۵۲۲۹۵	۱۱۲۶۴۳

جناب نظر لکھنوی مرحوم

مجکو نظر آنجہانی کی قدمبوسی سے فیضیاب ہونے کا موقع اُسوقت نصیب ہوا جبکہ وہ اخیر مرتبہ دفتر زمانہ کانپور مین قیام پذیر تھے اور رسالۂ زمانہ واخبار آزاد کی ادارت مین اپنی بیش بہا دماغی قابلیت کے ذریعہ قرار واقعی مدد دے رہے تھے۔ یہ اگست یا ستمبر ۱۹۱۳ء کی بات ہے۔ وہ محض حُسن اتفاق تھا کہ اڈیٹر صاحب زمانہ سے ملنے کے لیے جانے پر مین مرحوم سے بھی مل سکا۔ ملنا کیا تھا؟ شاید زیادہ سے زیادہ گھنٹہ بھر تک چند ایسے کلمات کا سن لینا جو اُنکی زبان سے وقفہ کے ساتھ ادا ہو جاتے تھے کیونکہ اُسوقت مرحوم اپنے ادارتی کام کی انجام دہی مین حد درجہ منہمک تھے۔ البتہ اُس سرسری ملاقات سے اتنا ضرور ہوا کہ مجکو مرحوم سے روشناس ہونے کے لیے کافی وقت ملگیا اور وہی اک ایسا اثر پڑا جو اہلِ کمال کے قربت سے صرف چند لمحون مین بھی یقیناً پڑجایا کرتا ہے۔ مجھے اسوقت جہانتک خیال ہے۔ نظر مرحوم ایک دُبلے پتلے، گندمی رنگ کے، میانہ قد بزرگ تھے۔ اُنکے بشرہ سے شرافت۔ متانت اور ذہانت کے آثار نمایان طریقہ پر آشکارا تھے اور ساتھ ہی اُسمین مسلسل غور وفکر سے پیدا ہو جانے والی نمود کا بھی شایبہ نظر آتا تھا۔

نظر مرحوم لکھنو کے مردم خیز خطہ مین پیدا ہوئے تھے۔ اُنکا سنہ ولادت ۱۸۶۶ء تھا اور اُنکا تعلق ایک ایسے معزز کایستھ خاندان سے تھا جسکے ممبر لکھنو کے شاہی زمانہ مین اچھے اچھے عہدونپر مامور رہ چکے تھے۔ لیکن جو اعزاز کہ خاندانی عزت وقدامت کے بناؤ پر حاصل ہوتا ہے وہ حقیقی اعزاز نہین ہوتا اور نہ دنیا کی ممتاز ہستیان محض ایسے اعزاز کے حصول پر قانع ہوسکتی ہین وہ اپنے لیے خود ہی عزت وناموری کے ایسے خاص ذرائع پیدا کرلیتی ہین۔ جن سے بالآخر اُنکی خاندانی شہرت کے آسمان کو بھی چار چاند لگ جاتے ہین۔ نظر مرحوم کے نسبت بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے وہ ایسے مقام مین پیدا ہوئے تھے جسکے ساتھ آتش وناسخ، دبیر وانیس،

اسیر و جلال جیسے اُستادانِ سخن کے تعلقات وابستہ رہ چکے ہین اور جو اسوقت بھی "شعر و سخن کی سر زمین" کہلائے جانے کا بڑی حد تک سزاوار ہے۔ مرحوم نے اسی سرزمین کے ادبی آب و ہوا مین پرورش پائی تھی انکو قدرت کی جانب سے ایک اثر پذیر دل عطا ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی نشو و نما کی حالت مین ہوتے ہوئے اُس آب و ہوا کے لطف آگین اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اکتساب علوم کے ساتھ ساتھ اُن کی نکتہ سنج طبیعت نے اپنا قدرتی رنگ دکھلانا شروع کیا۔

جناب آغا مظہر لکھنوی مرحوم بڑے پایہ کے شاعر تھے وہ اسقدر محتاط تھے کہ اُن تلمذ حاصل کرنا ہر شاعر کا کام نہ تھا۔ نظر کی عمر صرف (۱۷) سال کی تھی جبکہ لکھنو کے کسی خاص مشاعرہ مین اُنھون نے بھی اپنی غزل پڑھی۔ یہ غزل منظر صاحب کی دی ہوئی اصلاح سے مزین تھی گویا اُنھون نے اُسی وقت سے ہونہار نوعمر شاعر کو اپنے زمرۂ تلامذہ مین داخل کر لیا تھا قابل اُستاد نے اپنے وسیع تجربے کے رو سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ اُنکی نظرِ انتخاب ایسے نوجوان پر پڑی ہے جو آیندہ کسیوقت اُنکی نیکنامی مین کافی اضافہ کریگا اور حضرت منظر کا یہ خیال کسیطرح بھی غلط ثابت نہین ہوا۔ نظر مرحوم نے اُنھین سے اکتساب فن بھی کیا اور اکتساب کمال بھی حتےٰ کہ اپنی نازک خیالی و پختہ مشقی کے بدولت وہ بالآخر خود ہی ایک کامیاب اُستاد بنگئے۔ ان باتون سے پتہ چلتا ہے کہ مرحوم اوائل عمر ہی کے زمانہ سے کسقدر طباع و ذکی واقع ہوئے تھے اسی طباعی و ذکاوت فطری نے آگے چلکر دنیاے ادب مین وہ وہ کارنمایان کیے کہ آج نظر مرحوم کا شمار لکھنو کے نامی استاتذہ مین یقیناً کیا جاسکتا ہے جسکے وہ بہمہ وجوہ اہل تھے۔

سب سے پہلا علمی کام جسکو نظر آنجہانی نے ایک مستقل صورت مین شایقین علم و ادب کے سامنے پیش کیا وہ "خدنگ نظر" نامی ماہوار رسالہ کا اجرا تھا۔ یہ رسالہ ستمبر ۱۸۹۶ء مین لکھنو شایع ہوا۔ کئی سال ہوئے کہ مجھے اتفاق سے اس پرچہ کی چند پرانی کاپیان مل گئی تھین اور جو میری غفلت سے تھوڑے ہی دنون بعد ضائع بھی ہوگئین۔ یہ رسالہ دراصل اُردو غزلیات کا ایک ماہانہ گلدستہ تھا۔ اُسوقت ملک مین اس قسم کے گلدستون کو نکالنے کا رواج بھی تھا مگر خدنگ نظر مین بعد کو کچھ نثر کے مضامین بھی چھپنے لگے تھے۔ جناب آغا منظر مرحوم نے بھی اس رسالہ کو کامیاب بنانے مین خاصی مدد دی تھی غزلیات کی فراہمی کے لیے اُنھون نے مشاعرون کے انعقاد کا کام

بندوبست کیا تھا۔ غرضکہ اسبات کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ شعرائے وقت کا کلام زیادہ سے زیادہ پیمانہ پر دستیاب ہو سکے اور "خدنگ نظر" ایک چوٹی کا رسالہ ہو۔ وقت کے لحاظ سے پرچہ بھی واقعی شاندار تھا۔ لیکن ان سب باتون کے باوجود بھی وہ چند سالون سے زیادہ نہ رہ سکا نظر مرحوم کو اسکے بند ہو جاتے کا رنج تمام عمر رہا۔ خیر زان بعد وہ سنہ ۱۹۰۴ء مین رسالہ زمانہ (کانپور) کے سب اڈیٹر مقرر ہو گئے اور میری ناچیز رائے کے موافق نظر صاحب کے علمی مساعی سے جبقدر زمانہ کی ابتدائی شہرت مین اضافہ ہوا اُسی نسبت سے اُنکی ذاتی شہرت کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

جنوری سنہ ۱۹۱۰ء مین انڈین پریس الہ آباد سے اُردو کا مشہور ماہوار رسالہ "ادیب" بڑی آب و تاب کے ساتھ نکلا۔ نظر مرحوم اُسکے اول اڈیٹر تھے ادیب کی یاد سے دل مین ابتک کسی قدر بیچینی ضرور ہو جاتی ہے اسکو اُردو زبان کی بدنصیبی ہی کہنا چاہئے کہ ایسا اچھا اور ہونہار پرچہ ساڑھے تین سال سے زیادہ جاری نہ رہ سکا اور اُس سے نظر صاحب کا تعلق تو صرف ڈیڑھ سال کے قریب رہا۔ اُنھون نے جس غیر معمولی قابلیت کے ساتھ رسالہ کو ایڈٹ کیا تھا اُسکی شہادت ادیب کے اوراقِ کہنہ سے آج بھی مل سکتی ہے۔ بہرحال یہ کہنا بیجا نہو گا کہ نظر مرحوم کی جس ادبی شہرت کا آغاز "خدنگ نظر" کے اجرا سے ہوا تھا اور بعدہ جسکی ترقی مین رسالہ زمانہ کی سب اڈیٹری نے معقول مدد دی تھی۔ وہ بالآخر ادیب کے زمانۂ ادارت مین قریب قریب اپنی حد تکمیل کو پہونچ گئی تھی ادیب سے الگ ہو جانے کے کچھ دنون بعد یعنی سنہ ۱۹۱۲ء مین وہ پھر زمانہ کے دفتر مین چلے گئے اور اس مرتبہ اُنکا قیام وہان تقریباً دو سال تک رہا۔ اُنکی موجودگی سے پرچہ مین ایک قابل قدر دلکشی پیدا ہو گئی تھی۔ اڈیٹر صاحب زمانہ کی ندرت آفرینیون کی شمولیت سے ایسا ہونا بالکل ایک قدرتی امر تھا۔ اُسوقت رسالہ زمانہ مین دو ایک نئے عنوانون کا اضافہ بھی کیا گیا تھا۔

سنہ ۱۹۱۴ء مین نظر صاحب بسلسلۂ ملازمت نولکشور پریس لکھنو مین چلے گئے اور وہان سے نکلنے والے روزانہ اودھ اخبار کو ایڈٹ کرنے لگے۔ اس اخبار سے مرحوم کا تعلق سال گذشتہ تک رہا علمی مشاغل مین مصروف رہنے والے اشخاص کی زندگی اور بالخصوص شاعر کی زندگی

بالعموم ایک سخت محنت کی زندگی ہوتی ہے۔ شاعر کے لیے ایک نامور شاعر بنجانا کوئی آسان کام نہین ہے اسکے لیے اُسے اپنا لہو پسینہ ایک کر دینا پڑتا ہے۔ شاعر کی مثال اُس چیز سے دیجاسکتی ہے۔ جو جلنے پر ہی خوشبو دیتی ہے۔ شہرہ آفاق انگریز مصنف اسمائلز کا بھی قول ہے۔
"شاعر کا تاج، شہید کا تاج ہوا کرتا ہے" اسکے علاوہ اگر اُسے کسب معاش کی فکر دامنگیر ہو تو پھر اُسکی جانکاہیون کا کیا ٹھکانا؛ نظر صاحب کی حالت مین بھی صرف یہی ساری باتین وقوع پذیر نہین ہوئی تھین بلکہ مزید برآن انکو اپنے عزیز ترین اقربا کی بیوقت موت کا غم بھی برداشت کرنا پڑا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر دو ڈھائی برس سے مرحوم کی صحت زیادہ خراب رہنے لگی۔ اس خرابی نے ضیق النفس کی صورت اختیار کی اور وہ بالآخر اس عارضہ کے سبب ۱۰ اپریل ۱۹۲۳ء کو آٹھ بجے صبح صرف ۵۶ سال کی عمر مین یکایک انتقال فرما گئے۔ اُردو کے موجودہ انحطاط کے زمانہ مین یہ اُمید نہین کی جاسکتی کہ نظر صاحب کی قبل از وقت وفات سے جو مخصوص جگہ بزم ادب مین خالی ہو گئی ہے وہ جلد ہی پُر ہو سکے۔ جناب محشر لکھنوی نے ذیل کے دلچسپ شعر مین مرحوم کی تاریخ وفات لکھی ہے۔

کلک محشر نے لکھا سالِ وفات   شاعرِ کامل نظر سے چھُپ گیا ۱۹۲۳

مجھ ہیچمدان کی یہ بساط نہین کہ نظر جیسے فاضل ادیب و مایۂ ناز سخنور کے علمی کارنامون پر تبصرہ کر سکون۔ مرحوم سے میرا کوئی خاص تعارف نہین تھا۔ البتہ مجھے اُنکی ذات بابرکات سے ایک غائبانہ عقیدت ضرور تھی۔ ایسی عقیدت کی اقتضا سے مجبور ہو کر مین اپنی رائے کا اظہار کیے بغیر نہین رہ سکتا مرحوم کی زندگی کا بیشتر حصہ ایک ایسے زمانہ سے تعلق رکھتا تھا جبکہ اُردو شاعری کی دنیا مین غزل گوئی کا عام رواج تھا اور جبکہ کسی شاعر کا صاحبِ دیوان ہونا ہی ایک بہت بڑی بات خیال کیجاتی تھی۔* غزل کی صنف فی الواقع ایسی صنف ہے جو اپنی معنوی خصوصیت کے اعتبار سے عشقِ حقیقی یا عشقِ مجازی دونکے مختلف جذبات کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتی ہے، عشق کا خاصہ سوز و درد ہے۔ بس ظاہر ہے کہ ایک غزل گو شاعر کے دل مین سوز و درد کا مادہ

* یہ نہین کہا جاسکتا کہ ایسا رواج یا خیال اسوقت بالکل مفقود ہو گیا ہے لیکن دنیائے ادب فی الجملہ شعرائے نامدار سے اب کچھ اور زیادہ باتون کی اُمید رکھتی ہے۔ — سحر

جسقدر زیادہ ہوگا اُسی قدر شاعر کے کامیابی بھی یقینی ہے ان باتون کے لحاظ سے نظر مرحوم کی طبیعت خاص طور پر موزون واقع ہوئی تھی وہ ازل ہی سے ایک دردمند دل لیکر آئے تھے، وقت کی ناگوار بالاخصوصیت نے بھی اُنکے دلپر اپنا اثر ڈالا تھا وہ غزلگوئی کیطرف رجوع ہوئے اور کہنہ مشقی کے ساتھ ساتھ اُنکے درد و سوز والے دلی جذبات مین بھی یوماً فیوماً اضافہ ہوتا گیا دنیاوی آلام و مشکلات نے بھی اس اضافہ مین کافی حصہ لیا تھا۔ یہانتک کہ ادھر چند سالون سے تو وہ اپنی زندگی کو وبال سمجھنے لگے تھے۔ اسطرف رفتار زمانہ سے متاثر ہوکر مرحوم نے نیچرل رنگ مین بھی طبع آزمائی کرنا شروع کردیا تھا، مگر یہان بھی اُنکا فطرتی رجحان بعض اوقات اپنی انتہائی نمود کی حالت مین نظر آجاتا تھا وہ نسبتاً غزل ہی زیادہ کہتے تھے اور واقعی بات تو یہ ہے کہ اُنکی غزلین ہر پہلو سے دلچسپ ہوا کرتی تھین۔ اُنھین اس صنف مین درجہ کمال حاصل تھا۔ اس لحاظ سے اسوقت انکا ہمسر شاید ہی کوئی قرار دیا جاسکے کم از کم میرا خیال تو یہ ہے کہ نظر مرحوم فن غزل گوئی مین یکتائے عصر تھے۔

ہم ابھی بتلا چکے ہین کہ نظر صاحب کی نیچرل نظمون مین بھی تغزل کا عنصر بیشتر غالب رہتا تھا اور راست گوئی مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ جب کبھی اُنھون نے ایسی نظمون کی تصنیف مین اپنی مقررہ روش سے متجاوز ہونے کی کوشش کی تو نہین وہ تاثیر نہین پیدا ہوسکی جو دل کے پوشیدہ ترین جذبات کو متحرک کرسکے۔ لیکن اس سے مرحوم کے اُستادانہ اقتدار مین کوئی فرق نہین آتا۔ خدائے سخن[۱] مرزا غالب دہلوی سے دبیر یا انیس لکھنوی کے طرز پر مرثیہ گوئی کی فرمائش کی گئی تھی تو آپ نے مشکل سے دو تین بند لکھے اور پھر یہ کہکر معذرت خواہ ہوئے کہ "مجھے ایسی مشق بہم پہونچانے کے لیے اب کسی دوسری عمر کی ضرورت ہے" بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ایک خاص رغبت رکھتا ہے اور اُسی کے مطابق لگاتار سعی و محنت کرنے پر اُسکو بالآخر درجہ کمال حاصل ہوجاتا ہے۔ نظر مرحوم مین بھی یہی بات تھی۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہون،

بہار مین ہے یہ ناز آفرین ادائے بہار (۱) قدم زمین پہ رکھتی نہین ہوائے بہار
غضب ہے شعلہ فشان گرمیٔ ادائے بہار جدھر سے آگ لگی لے اُڑی ہوائے بہار

---

[۱] مولانا حالی مرحوم غالب مرحوم کے خطوط کے حوالہ سے اس روایت کی کافی تردید کرچکے ہین۔ اڈیٹر

وہ ایک تم کہ سراپا بہار نازشِ گل — وہ ایک ہین کہ نہین صورت آشنائے بہار
بلا سے پتے ہی پتے چمن مین مرجاؤن — کسے امید ہے پھر آئی یا نہ آئے بہار
زمین پہ لالہ و گل بنکے آشکار ہوا — چھپا نہ خاک مین جب حسنِ خودنمائے بہار
تعلقِ گل و شبنم ہے رازِ الفت بھی — اُنھین ہنسائے جہانتک کہ ہین رُلائے بہار
وہ ایک دل جو کھلا اور کھل کے مُرجھایا — ہے ابتدائے بہار اور انتہائے بہار
جہانمین کسلئے کھلتے ہین اب یہ لالہ و گل — دلِ نظر نہین مدت سے آشنائے بہار

(۲)

کہان ہین جرعہ کش لطفِ ابتدائے بہار — وہ آئے ابر کے ٹکڑے چلی ہوائے بہار
وہ جھوم جھوم کے چار و نطرف گھٹا چھائی — ہوا نے کھولدی وہ زلف مشکسائے بہار
وہ شور رعد سے سارا جہان گونج اُٹھا — ہوئی وہ دھوم سے پھر آج ابتدائے بہار
کڑک رہی ہے وہ بجلی گرج رہا ہے وہ ابر — بجا رہی ہے وہ سازِ طرب ہوائے بہار
پیامِ موسمِ گل لیکے ابر آیا ہے — ترانہ سنج ہین مرغانِ خوشنوائے بہار
چمک رہی ہے یہ ابرِ سیاہ مین بجلی — چڑھا ہوا ہے کسوٹی پہ یا طلائے بہار
رہے نہ تن پہ کسیکے لباس بوسیدہ — نئے لباس درختون کو پھر پنھائے بہار
چمن مین ابر کے چھینٹے کرین مسیحائی — خزان کی فصل کی کشتون کو پھر جلائے بہار

یہ اشعار مرحوم کی دو نظمون سے منتخب کئے گئے ہین۔ یہان اقتباس نمبر ۲ کے اشعار مین بھی کافی شگفتگی موجود ہے اور اُن مین بہار (یا برشگال ؟) کے مناظر کے ایک عمدہ تصویر کھینچی گئی ہے لیکن یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ شاعر نے اپنے زورِ تخیل سے جو تاثیر اقتباس نمبر ۱ کے اشعار مین پیدا کر دی ہے وہ یہان مفقود ہے اسکی وجہ محض یہی نہین کہ نمبر ۲ والے اشعار مین تغزل کا رنگ کم ہے یا تاثیر کا وجود صرف طرزِ تغزل کے ساتھ ہی وابستہ ہوا کرتا ہے۔ بلکہ در اصل مرحوم مین اس خاص بات کا ہونا ہے۔ جو کسی بڑے شاعر کے طبعی خاصہ کے موافق نظم کے کسی خاص شعبہ مین کافی تاثیر و دلکشی پیدا کر سکتی ہے۔ مرحوم کے دو مسدسون کے دو دو منتخب بند

اور ملاحظہ ہون -

(۱)

ہوا تمام اُمیدون کا خاتمہ بتپسر کسی سے اب نہ توقع نہ ہے کسی پہ نظر
جہان مین اپنا ہوا انجام کیا نہین یہ خبر مرے پہ دیکھیے ملتا ہے اب کفن کیونکر
کہان گئے مری بگڑی سنوارنے والے
پکار لو مجھے لالہ پکارنے والے
جھو کہ اس اُجڑے مکان کا تھا یہ چراغ بہار پر تھا اسی تونہال سے یہ باغ
نہ ہوگا اب مجھے حاصل کبھی جہان مین فراغ تمام عمر دل ناتوان ہے اور یہ داغ
فغان بلبل جان دل کے پار ہوتی ہے
نظر کے باغ سے رخصت بہار ہوتی ہے

(۲)

براوران وطن کا پیام غم سن لو حکایت ستم و قصہ الم سن لو
سنے نہ ہون جو زمانہ مین وہ ستم سن لو غریب قوم کا احوال بیش و کم سن لو
جہان سے رخصت بیمار ہے خدا حافظ
جنازہ قوم کا تیار ہے خدا حافظ
یہ تیرے نام کا ہی پاس انکو ای بھارت کہ جان جاے نہ جائے مگر تری عزت
ہے تیری عظمت دیرینہ کی انھین غیرت وطن سے دور ہین لیکن ہے انہین وہ ہمت
مٹینگے آن پہ بگڑی بنا کے اُٹھینگے
مٹانیوالون کو اپنے مٹا کے اُٹھینگے

یہان بھی وہی بات ہے نمبر (۱) والے اشعار کا مضمون مرحوم کے طبعی خاصہ سے مطابقت رکھتا ہے اور بس اُسکو نظم کرنے مین اُنھون نے اپنے غیر معمولی کمال کا زور دکھایا ہے۔ اشعار کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُن کے دُکھ بھرے دل سے خود بخود نکلے پڑتے ہین پس ایسی صورت مین اُنکا اثر مین ڈوب کر نکلنا بالکل لازمی ہے۔ مرحوم کی یہ نظم ایک نوحہ ہے جو اُنھون

نے اپنے نواسہ کی وفات حسرت آیات پر لکھا تھا کوئی اولاد نرینہ نہونے کیحالت مین یہی نواسہ انکا سب کچھ تھا اُسکے مرنے سے شاعر کے دلپر جو کچھ گذری اُسکا اداکرنا اس سے بہتر اور زیادہ موثر طریقہ پر ناممکن معلوم ہوتا ہے نمبر (۲) والے بند اُس نظم سے ماخوذ کیے گئے ہین جو جنوبی افریقہ کی گذشتہ ستیاگرہ کے موقع پر مظالم جنوبی افریقہ کے عنوان سے لکھی گئی تھی۔ اسمین مرحوم نے جذبات نگاری کے غم آمیز پہلوؤن تک محدود نہ رہکر اپنے خاص معیار سے تجاوز کرنے کی کوشش کی ہے اور اسلیے نظم مین وہ زور نہین پیدا ہو سکا جیسے "قومی اسکول" کا کوئی خاص شاعر اُسمین ضرور ہی پیدا کر دکھاتا۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مین نظر مرحوم کو اُنکے انداز خاص و نیز ان کی بیشتر نظمون کی بنیاد پر اُسی طرز سخن کا اُستاد سمجھتا ہون جس کے مقلدین مین اساتذہ قدیم کے اسمائے گرامی شامل کئے جا سکتے ہین یون تو نظر جیسا مانا ہوا سخنور ہر صنف مین طبع آزمائی کرنے اور اپنی فکر رسا کے جوہر دکھانے کی صلاحیت رکھ سکتا ہے درحقیقت مرحوم کے اُستاد فن ہونیکا یہ بھی ایک بیّن ثبوت ہے۔

نظر صاحب کی نظمین اپنا ایک مخصوص طرز رکھتی تھین۔ اُنکی بندش نہایت صاف، چُست، دلکش اور معنی خیز ہوتی تھی۔ اُنکی تشبیہین بالکل عام فہم ہوا کرتی تھین اُنکے ہر ہر شعر کو پختہ مشقی اور قادر الکلامی کا نمونہ کہنا چاہیے۔ سادگی مین متانت پیدا کرنا مرحوم شاعر کے لیے ایک معمولی کام تھا۔ اُنکے جذبات مین پاکیزگی تھی۔ اور خیالات مین بلندی۔ انھون نے اپنی نظمون مین عموماً اور غزلیات مین خصوصاً عامیانہ باتون کو شامل نکر کے شاعری کی عزت کو ہر پہلو سے برقرار رکھا۔ شاعری کا اعلےٰ معیار ہی ہمیشہ اُنکے پیش نظر رہا۔ اور یہ بھی ایک بہت بڑا سبب ہے اُس رنگینی و دلفریبی کا جو اُن کے کلام مین پائی جاتی ہے مین خود غزل نہین کہتا مگر حسنِ اتفاق سے جب کوئی عمدہ غزل سامنے آجاتی ہے تو پھر اُسے مزہ لے لیکر ہی پڑھا کرتا ہون۔ غالب، مومن، شیفتہ، حسرت (موہانی) کی غزلیات میرے لیے مستقل دلچسپی کی چیزین ہین اور مجھے یہ کہنے مین ذرا بھی تامل نہین ہو سکتا کہ نظر مرحوم کی غزلیات بھی مجکو بالکل اُسی طریقہ پر لُطف اندوز کرتی ہین یہان اسقدر عرض کر دینا نہایت ضروری سمجھتا ہون کہ مجھے اپنے اس بیان سے نظر مرحوم کے اُس کلام کی تحقیر اصلا منظور نہین جو اُنھون نے

دیگر اصناف کے شاعری مین ارشاد فرمایا ہے

مرحوم صرف شاعر ہی نہ تھے وہ نثر بھی لکھتے تھے اور خوب لکھتے تھے۔ نظم کیطرح اُنکی نثر بھی نہایت واضح روان اور دلکش ہوتی تھی سلیس فقرات اور عام فہم محاورات کا استعمال نثر مین جان ڈالدیا کرتا ہے۔ نظر کی نثر مین بھی تمام وکمال یہی خوبیان ہین۔ مختصراً اُنکی تحریر کو اُردو زبان کا ایک اچھا خاصہ نمونہ سمجھنا چاہیے۔ تنقید نگاری تو مرحوم کی خصوصیت تھی۔ یہ تنقیدین اُنکی علمی قابلیت، شاعرانہ واقفیت اور مضمون آفرینی کا مرقع ہوا کرتی تھین۔ اور اسمین ذرا بھی کلام نہین کہ وہ اُردو کے خزانۂ ادب مین مستقل قدر و قیمت کی چیزین ہین۔ مجھکو رسالہ زمانہ کے قابل اڈیٹر کی راے سے اس امر مین کلّی اتفاق ہے کہ مرحوم بلا شبہ اپنے طرز کے ایک بہترین تنقید نگار تھے۔

اب ہم معزز ناظرین کے تفنّن طبع کے لیے نظر صاحب کے کلام کا کچھ نمونہ پیش کرتے ہین جس کا انتخاب رسالہ زمانہ کی متعدد جلدون سے کیا گیا ہے۔

درد اُٹھا تھا نہ ایسا قلب شیدا مین کبھی
یہ ہجوم غم ہوا ہمسر نہ دنیا مین کبھی

اشک خونی بارہا ٹپکے تھے آنکھون سے مگر
اس قدر سرخی نہ تھی خون تمنا مین کبھی

خشک ہوتا ہے وہ دریاے محبت آہ آہ
جسکی طغیانی رکی دم بھر نہ دنیا مین کبھی

ہو گیا آغوش مادر بھی جدا آج اے نظر
اب ملیگی ایسی راحت پھر نہ دنیا مین کبھی

یہ اشعار اُس نظم سے لیے گئے ہین جو وفات مادر کے عنوان سے شایع ہوئی تھی تانکی محبت ضرب المثل ہے۔ اُسکی موت سے جو یاس انگیز کیفیت دلپر طاری ہوئی ہے اُسے اِن اشعار مین نہایت سادہ مگر درد آمیز اور موثر طریقہ پر دکھلایا گیا ہے۔ دوسرے شعر مین تغزل کا گہرا رنگ ہے اور آخری شعر کو حسرت و یاس کا ایک جاندار مرقع کہنا بیجا نہو گا۔

گردش دہر بھی اک گردش پیمانہ ہے
ذرّے ذرّے مین ترا جلوۂ مستانہ ہے

اِک طبیعت کی اداسی کا اثر ہے اتنا
ساری دنیا تگم یاس مین ویرانہ ہے

حالت محفل عشرت ہے رقم سب اسمین
ایک دفتر کے برابر پر پروانہ ہے

پرتو مہر کہا ذرّہ ناچیز کہا
کیون یہ دل حسرتی جلوۂ جانانہ ہے

تیرے ملنے کی وہ تقریب جو ہے یاد اب تک
جس سے کہتا ہون وہ کہتا ہون اک افسانہ ہے

جس غزل کے یہ اشعار ہین وہ ۲۵ مارچ ۱۹۱۶ء کو لکھنؤ کے ایک نامی مشاعرہ مین پڑھی گئی تھی حقیقتاً غزل کی غزل مرصع ہے پہلے شعر مین معشوق حقیقی کے جلوۂ مستانہ کی شمولیت کے اعتبار سے گردش دہر کو گردش پیمانہ ثابت کر دکھانے مین شاعر نے غضب کی ندرت آفرینی سے کام لیا ہے تیسرا شعر بھی عدیم المثال ہے محفل عشرت کی واقعی عبرت ناک حالت کا انکشاف کرنے کے لیے پر پروانہ کا دفتر ہی نہایت موزون ہے پانچوین شعر کی سادگی اور اُسکے مفہوم کی دلچسپی قابل غور ہے افسانہ کے استعمال سے تقریب ملاقات کی انتہائی دلکشی کا پتہ چلتا ہے اور اس دلکشی سے اسباب دلکشی کی گونا گونیون کا اظہار ہوتا ہے۔

ہر قدم پر باغ عالم مین بچھا ہے دام حسن
کون ایسا ہے جسے ذوق گرفتاری نہین

میری حالت دیکھکر کیون تمنے ٹھنڈی سانس لی
بیکسون پر رحم آئین ستمگاری نہین

اُسکو رحم آئے کہان یہ نا اُمیدی مین اُمید
دلکو خوش کرتا ہے شغل گریہ وزاری نہین

ہر طرف سے یہ صدا آتی ہے ملک حسن مین
یہ وہ دنیا ہے جہان رسم وفاداری نہین

دوسرا شعر طرز تغزل کی ایک نادر مثال ہے بغم دوست عاشق اپنے معشوق کی ادائے جفا پر مٹا ہوا ہے اور اُسکو آئین ستمگاری کے یاد دلا کر اپنے اوپر رحم کرنے سے باز رکھنا چاہتا ہے آخری شعر کا مضمون اگرچہ فرسودہ ہے۔لیکن حسن بندش نے شعر کو کہین سے کہین پہونچا دیا۔

یاس و ناکامی سے ہمیں قلب مضطر ہو گیا
اب ترا ملنا نہ ملنا سب برابر ہو گیا

آپ کا بیار غم اور ضعف کی مجبوریان
ساری دنیا کا خلاصہ ایک بستر ہو گیا

مذکورۂ بالا ہر شعر مین شان تغزل بھی ہے اور جدت طرازی کی نمود بھی۔

دل کی حالت نہین سنبھلنے کی
اب یہ دنیا نہین بدلنے کی

دیکھ لو سیر دم نکلنے کی
یہ ہوا پھر نہین ہے چلنے کی

دل سوزان کو شمع کیا کہیئے
اُسکو حسرت کہان ہے جلنے کی

دوسرے شعر مین "سانس لینے کی تشبیہ" "ہو چلنے" سے دنیا اور اُسکی کی رعایت سے "دو سیر" کا لفظ لانا کس قدر تناسب آمیز ہے۔ آخری شعر مین حد درجہ کی نازک خیالی سے کام لیا گیا ہے، دل سوزان کو شمع پر فوقیت دی گئی ہے کیونکہ دل مین جلن کے ساتھ ہی جلنے کی حسرت بھی موجود ہے۔

اُمید زیست کیا ہو اُس مریضِ رنج و حرمان کی　　دوا پیدا نہین دنیا مین جسکے دردِ نہان کی
خزان انجام ہے جسکی بہارِ چند روزہ کا　　بہت روتا ہون صورت دیکھکر گلہائے خندان کی
یہ وہ چیزین ہین جنکو ہمنے آنکھین کھولکر دیکھا　　سفیدی صبح محشر کی سیاہی شام ہجران کی
سُنا ہوگا شرارِ عشق سے دوزخ بھی کانپ اُٹھا　　مجھے دیکھو کہ ایسی آگ اپنے دل مین پنہان کی
نظر اب چلکے کرنا چاہیئے آباد مرقد کو　　بہت ہے منتظر اپنی زمین گورِ غریبان کی

سب اشعار تاثیر سے مملو ہین نظر مرحوم نے اپنے دل کی درد انگیز حالت کا نقشہ نہایت کامیابی کے ساتھ کھینچا ہے غزل کیا ہے غم زدہ شاعر کے احساسات باطنی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ مرحوم نے اپنے مخصوص شاعرانہ لہجہ مین بالکل سیدھے سادے الفاظ کے ذریعہ اپنی بپتی کہہ سنائی ہے۔ آخری شعر گویا اپنے اوپر کے چارون اشعار کا خلاصہ ہے جسکے بعد اور کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہین رہتی۔

بے پر و بالی ہوئی ہے باعثِ شادی مجھے　　خانۂ صیاد مین حاصل ہے آزادی مجھے
زندگی کا لطف تھا زندہ دلی تک اے نظر　　مرگیا جب دل تو یکسان ہین غم و شادی مجھے

پہلے شعر مین بے پر و بالی کے تعلق سے قفس مین بھی آزادی کا دکھلانا بالکل اچھوتا خیال ہے دوسرے شعر مین شاعر نے اپنی نسبت سے ایک فلسفیانہ نکتہ کو منظوم کر ڈالا ہے۔ طرز بیان قابل داد و ستایش ہے۔

سوزانِ غمِ جاوید سے دل بھی ہے جگر بھی　　اک آگ کا شعلہ کہ اُدھر بھی ہے ادھر بھی
اپنی شب ہجران مین نہین دخل تغیر　　باطل ہے بیانِ فلسفۂ شام و سحر بھی
وہ شمع نہین ہے کہ ہو اک رات کی مہمان　　جلتے ہین تو بجھتے نہین ہم وقت سحر بھی
اب یاس سے ایسی کہ نہ وہ رنگ نہ تاثیر　　باقی دمِ گریہ ہے نظر خونِ جگر بھی

مذکورۂ بالا اشعار مین شعریت بھی ہے اور مرحوم کی انتہائی معصومیت کا شائبہ بھی پھر سادگی اور صفائی تو اُن کے شاعری کے لیے دو لازم و ملزوم اُمور ہین۔

جن سے پیاسی زمین ہو سیراب | آسمان سے چلے وہ قطرۂ آب
اور پیدا ہون بحر مین گرداب | چمن و سبزہ زار ہون شاداب

ساری دنیا کو پالنے والے
جان مردون مین ڈالنے والے

قطرہ قطرہ تھا گوہرِ نایاب | سخت تھا انتظارِ بارشِ آب
دل تڑپتے تھے صورتِ سیماب | تابشِ مہر تھی جہان کو عذاب

ابر نے کی جو قطرہ افشانی
ساری گرمی پہ پھر گیا پانی

یہ دونون بند قطرات باران والی مسدس سے لیے گئے ہین، اور اس امر کا پتہ دیتے ہین کہ نظر جیسا اوستاد فن اپنے نیچرل رنگ کی نظمون مین بھی کس قدر دل آویزی پیدا کر سکتا تھا اگرچہ ایسی نظمون کا لکھنا شاعر کے فطرتی خاصہ کے خلاف تھا۔

مجھے باوجود تلاش کوئی ایسی نظم نہین ملی جسکو ہر پہلو سے "سیاسی" کہہ سکین لیکن مرحوم کی طبیعت کے اصلی رنگ کو دیکھتے ہوئے مجکو اس امر پر کوئی تعجب بھی نہین ہوتا اُنکو قومی شاعری کے اس شعبہ سے کوئی طبعی مناسبت نہ تھی اور نہ اُنھون نے اس طرز مین نظم کہنا مناسب سمجھا لیکن یہان پر مجھے مشہور فرانسیسی عالم رینن (Raenan) کا قول بے اختیار یاد آجاتا ہے وہ کہتا ہے کہ "فرنیکو جرمن جنگ مین جرمنی کو فتح دلانیوالا نہ تو مالٹکے تھا اور نہ بسمارک، بلکہ اس فتح کا سہرا لوتھر، کینٹ، ہیگل، وغیرہ کے سر ہے جھون نے اہلِ جرمن کی دماغی حالت کو ترقی دی تھی" اس لحاظ سے نظر مرحوم کی نظمون کا مطالعہ قومی خیالات کو بلند بنانے مین فی الواقع مدد دے سکتا ہے، اگر نگاہ تعمق سے دیکھا جائے تو کسی قوم کی ادبی ترقی ہی اُس کی دیگر انواع و اقسام کے ترقیون کی بنیاد قرار دیجا سکے گی اور نظر جیسے مستند ادیب کے علمی کارنامے قدرتاً ادب آموز ہین۔

مجکو افسوس ہے کہ ابھی یہ کارنامے یکجائی صورت مین دستیاب نہین ہو سکتے مرحوم کی وفات پر ۱۴ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء کو ایک ماتمی جلسہ لکھنو مین منعقد کیا گیا تھا جسمین مرحوم کے کلام کو چھپوانے کی بھی تجویز پاس کی گئی تھی یہ کام جسقدر جلد تکمیل پذیر ہو سکے بہتر ہے۔ میری رائے مین اسکے ساتھ ہی یقین ہے کہ حامیان اُردو بالعموم اور احبّائے نظر بالخصوص ایسا کرکے اپنے اُس آخری فرض سے جلد ہی سبکدوش ہونے کی کوشش کرین گے جو مرحوم کے تعلق سے اُن پر عائد ہوتا ہے یہی طریقہ ہے اُس قابل قدر صاحب کمال کی تکمیل قدردانی کا جس نے اُردو زبان کے خدمت مین ہمہ تن مشغول رہتے ہوئے اپنی ساری عمر بے سروسامانی کی حالت مین گذار دی۔

اقبال ورما سحر (ہنگامی)

عشق و موت

اک سہانی رات کو چھٹکی ہوئی تھی چاندنی — ماہِ کامل دے رہا تھا اپنی پوری روشنی
خلد کے صحن معطر مین خرامان عشق تھا — دیکھتا تھا ہر طرف پڑتی تھین نظرین جابجا
سامنے ہی صحن مین تھا اک درخت پُربہار — جسکے نیچے پھر رہی تھی موت، تنہا بیقرار
اور یہ کہتی تھی ہردم عشق سے کرکے خطاب — جا یہان سے، یان ترا کیا کام او خانہ خراب
یہ جگہ ہے دو گھڑی میرے ٹہلنے کے لیے — لطف اُٹھانے کے لیے ہے جی بہلنے کیلیے

عشق نے پھیلا دیے پر اُڑنے کو اور رو کر کہا — ابتو ہے تیرا زمانہ جو کہے تو ہے بجا
تیری ہستی اسطرح ہے جسطرح ہے اک شجر — ڈالتا ہے دھوپ کیوقت اپنا سایہ خاک پر
بس یونہی اس غیر فانی روشنی مین عمر بھی — اک شجر ہے، اور تو ہے اُسکا سایہ واقعی
لیکن اس سایہ کو کب ممکن ہے عالم مین بقا — جب شجر گرتا ہے، ہوجاتا ہے سایہ بھی فنا
تو فنا ہوجائیگی، مجکو بقا ہے بیگمان — تاابد ہر چیز پر یونہین رہون گا حکمران

(نظر مرحوم)

(ترجمہ لارڈ ٹنی سن)

مسٹر مانٹیگو کے دور وزارت مین ہندوستان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور اسبات کی اُمید بندھی تھی کہ غالبًا انگریزی حکومت اب ہمارے ملک کے ساتھ انصاف برتے گی لیکن مسٹر مانٹیگو کا وزارت ہند سے مستعفی ہونا تھا کہ یہ روشنی بھی ماند پڑ گئی اور حکومت کی بیڈھنگی رفتار کا سلسلہ پھر قائم ہو گیا اور محصول کا جیطرح اضافہ ہوا اور بالآخر مسئلہ کینا پر برٹش گورنمنٹ نے جو فیصلہ صادر کیا اُس نے ہندوستان کی آنکھین کھولدین۔

کینیا جسکا دوسرا نام برٹش ایسٹ افریقہ ہے بحر عرب کے ساحل پر واقع ہے اُسکا مشرقی حصہ محض ریگستان ہے جو اس تذکرہ سے خارج ہے جنوبی حصہ سرسبز و شاداب ہے۔ لبِ ساحل تقریبًا دس میل کی چوڑائی تک ہموار میدان ہے اسکے بعد جون جون مغرب کی جانب آپ جائین ملک کی شکل بدلنی شروع ہوتی ہے اور آپ پہاڑی حصہ پر چڑھتے ہین پہاڑی حصہ بتدریج بلند ہوتا جاتا ہے۔ کینا کا دارالحکومت سمندر سے ۵ ہزار فیٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اس حصہ کا سب سے بلند مقام سمندر سے ۹ ہزار فیٹ کی اونچائی پر ہے۔ اسکی مغربی حد وکٹوریا نیانزا ہے اسکا کل رقبہ ۲۴۶۰۰۰ مربع میل ہے ملک کا پہاڑی حصہ جو یورپین اقوام کیلئے مخصوص کیا گیا ہے رقبہ مین تقریبًا ۵۰ ہزار میل ہے یعنی کل ملک کا ۱/۶ حصہ (یہ حصہ سب سے زیادہ سرسبز و شاداب موسم کے لحاظ سے نہایت خوشگوار اور آب و ہوا کے خیال سے بہت اچھا ہے بخلاف اسکے لب ساحل کا میدان ہر طرح سے اس سے کمتر درجہ کا ہے۔ نہ اسکا موسم اسقدر اچھا نہ پیداوار اعلیٰ قسم کی ہے۔ پہاڑی حصہ مین گیہون آلو، پھلیان، قہوہ، سن وغیرہ کافی مقدار مین پیدا ہوتا ہے، ترائی مین اور لب ساحل بجز ادنےٰ درجہ کی جوار اور تلون کے کچھ پیداوار نہین ہوتی۔ سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے کینا کے اصلی افریقی باشندون کی آبادی ۲۴۰۳۰۰۰ ہے۔ ہندوستانیون کی آبادی ۲۲۸۳۱ اور

یوروپین آبادی ۹۰۲۵ ہے تقریبًا ۱۰ ہزار عرب بھی کینیا مین بستے ہین، انگریزون کی آبادی ہر طبقہ پر مشتمل ہے۔ یعنی اعلےٰ حکام۔ عیسائی مشنری۔ تجار۔ ڈاکٹر اور بیرسٹر وغیرہ زراعت پیشہ لوگون کی تعداد بھی کافی ہے ہندوستانی بالعموم ادنےٰ مرتبہ کے حکام عملہ والے۔ کاریگر سوداگر وغیرہ ہین بعض اچھے مرتبہ کے تاجر اور آزاد پیشہ لوگ بھی ہین اصلی افریقی باشندے بالعموم کسان اور چرواہے ہین اور ان کی حالت نیم وحشی لوگون کی سی ہے ہندوستانی جو کینیا مین جاکر بسے ہین زیادہ تر گجراتی کاٹھیاواڑ اور بمبئی کے مسلمان بوہرے ہین۔

ہندوستانیون کا سلسلہ تجارت کینیا سے صدیون سے چلا آتا ہے۔ انگریزون کا کینیا مین جسوقت نام ونشان بھی نہ تھا اسوقت سے ہندوستانی اس ملک مین آباد تھے۔ بلکہ خود انگریز محقق ومدبر اسبات کا اعتراف کرتے ہین کہ اگر ہندوستانی کینیا مین پہلے سے نہ بسے ہوتے تو انگریزون کے لیے اس ملک مین قدم جمانا غیر ممکن ہوتا تقریبًا ۴۰ سال ہوئے جب انگریزون نے وہان اپنا دخل کیا اور حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اُسوقت سے ہندوستانیون نے اس نیم وحشی ملک مین تہذیب وتمدن کی راہین کھولنے مین انگریزون کا کافی ہاتھ بٹایا سٹر ونسٹن چرچل جیسا مدبر اسبات کا اعتراف کرتا ہے کہ بغیر ہندوستانیون کی امداد کے یوگانڈا ریلوے کا بنانا یا مختلف موقعون پر افریقی باشندون کی بغاوت کا دبانا بغیر ہندوستانیون کی امداد کے غیر ممکن ہوتا۔ گذشتہ زمانہ کے جنگ مین بھی جرمنون کے مقابلے مین ہندوستانی فوج کا کافی خون بہا اور سامان حرب وسامان رسد سب برابر زمانہ مین ہندوستان سے ہی مہیا ہوتا تھا۔ شروع شروع مین جب انگریزی عملداری مشرقی افریقہ مین قائم ہوئی تو اسوقت برابر یہی خیال تھا کہ اس ملک کی حکومت ومعاشرت کو ہندوستان کے ہی سانچے مین ڈھالا جاوے اور اسکو ہندوستان کی وافر آبادی کی گنجایش کے لیے مخصوص رکھا جاوے۔ چنانچہ حکومت کی باگ زیادہ تر ہندوستان ہی کی سول سروس کے حکام کے ہاتھون مین دیجاتی تھی انڈین پینل کوڈ وہان جاری کیا گیا تھا۔ سکہ بھی ہندوستانی ہی رائج تھا۔ لیکن جب حکومت کا تسلط جانے کی دشواریان باقی نہین تہذیب وآئین کا دور قائم ہوگیا تو انگریزون کو وہان کی آب وہوا موافق آنے لگی اور کینیا کے سرد اور پہاڑی حصے کے دلفریب مناظر انکی طبیعتون کو لبھانے لگے۔ یعنی نیت مین فتور آگیا۔

اور یہ خیال پیدا ہوا کہ کینیا کو بھی مثل دوسری انگریزی نوآبادیون کے فرنگی سانچے مین ہی ڈھالنا چاہیے اسے بھی یوروپین قومون کے لیے ہی مخصوص رکھنا چاہیے نیت بدلنے کے ساتھ ہی حکومت کی پالیسی بھی بدل گئی اور ہندوستانیون کی تذلیل وتحقیر کا سلسلہ شروع ہوگیا ۱۹۰۵ء مین کینیا کی حکومت کی نگرانی صیغہ خارجہ کے ہاتھون سے نکالکر وزیر نوآبادیات کے سپرد کیگئی اور اسی وقت سے ہندوستانیون کے مصائب کا دکھڑا شروع ہوا۔

پہلا وار ہندوستانیون پر یہ ہوا کہ ان کو کینیا کے سرد اور پہاڑی حصہ مین بسنے اور ملکیت خریدنے سے باز رکھا گیا گو قانوناً نہین تاہم انتظاماً یہ طے پایا کہ سرکاری زمین صرف یورپین لوگون کے ہاتھ فروخت کیجاوے۔ اسوقت تک یہ موقع ہندوستانیون کو حاصل تھا کہ اگر کوئی یورپین اس زمین کو ہندوستانی کے ہاتھ نقل وبیع کرنا چاہے تو ہندوستانی اُسے خرید کرسکتا تھا ۱۹۱۹ء مین یہ دروازہ ہندوستانیون پر بند کردیا گیا۔ ۱۹۲۰ء مین لارڈ ملنر وزیر نوآبادیات نے ایک مکمل اسکیم ایسی پیش کی جسکی روسے کالے اور گورے کی پوری پوری تفریق قائم ہوسکے مثلاً ہر یورپین فرد بالغ کو انتخاب کونسل مین ووٹ کا حق دیا گیا۔ لیکن ہندوستانی اس سے قطعی محروم رکھے گئے یہ بھی تجویز کیا گیا کہ ہندوستانیون کو شہرون اور قصبون کی عام یورپین آبادی سے قطعی علیحدہ کردیا جائے ہندوستانی آیندہ اس آزادی کیساتھ کینیا مین داخل نہونے پائین جسطرح کہ ابتک ہوتے رہے بلکہ ان کے داخلے پر قیود اور پابندیان عائد کردیجائین سرد اور پہاڑی حصہ کینیا مین وہ کسی حالت مین نہ لینے پائین بلکہ یہ محض یورپین اصحاب کے لئے مخصوص رکھا جائے۔ قانونی کونسل مین دو ہندوستانی بھی بھیجے جاسکین۔ لیکن رجسٹر انتخاب جداگانہ ہو غنیمت سمجھنا چاہیے کہ گورنمنٹ ہند نے بذریعہ ایک سرکاری مراسلے کے ان تمام تجاویز کی پوری مخالفت کی جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ برائے چندے ان تجاویز پر عمل نہ کیا گیا اور یہ داخل دفتر کردی گئین۔ اس عرصہ مین لارڈ ملنر کی جگہ مسٹر ونسٹن چرچل نے لی اور اُنھون نے اس مسئلہ کو ازسرنو چھیڑا انکی تجاویز بمقابلہ لارڈ ملنر کی تجاویز کے پھر غنیمت تھین بجز کینیا کے سرد اور پہاڑی حصہ کو یورپین اصحاب کے لیے مخصوص رکھنے کے اُنھون نے اور تمام معاملون مین فیصلہ ہندوستانیون کے موافق کیا لیکن لارڈ ملنر کی

دیگر تجاویز کو رد کر دیا۔ اسی عرصہ مین امپیریل کانفرنس کا وہ یادگار ریزولیوشن منظور ہوا جسمین بجز جنوبی افریقہ کے تمام نو آبادیون مین ہندوستانیون کے ساتھ قطعی برابری کی سلوک کا وعدہ کیا گیا تھا ان تمام باتون پر غور کرتے ہوئے ہندوستانیون کو اس امر کی اُمید بندھی تھی کہ مسئلہ کینیا مین فیصلہ ان کے موافق ہوگا۔ اسی سال کے شروع مین جب مسٹر ونسٹن چرچل بھی وزارت سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ اور وزارت نو آبادیات مین نیا ڈیوک تھا وہ ڈونشر ٹن کے نام سے ایک سمجھوتہ طے ہوا جسمین اُنھین تجاویز کو منظور کیا گیا تھا جو مسٹر چرچل نے پہلے پیش کی تھین جب یہ خبر کینیا کو یوروپین باشندون کو پہنچی تو انھون نے برٹش حکومت پر طرح طرح سے دباؤ ڈالنا شروع کیا حتی کہ علم بغاوت برپا کرنیکی بھی صاف صاف دھمکی دی۔ یہ صورت دیکھکر ہماری سرکار کے ہوش وحواس بجا نہ رہے اور یہ کوشش شروع ہوئی کہ کینیا مین اپنے ہم قومون کو کسطرح راضی کیا جائے چنانچہ ان نمایندون کو ولایت بلایا گیا کینیا کے ہندوستانیون نے بھی اپنا ایک ڈیپوٹیشن پیش کرنے کی اجازت چاہی ان لوگون کو بھی وہان پہونچنے اور عرض ومعروض کرنے کی اجازت ملگئی ہندوستان سے بھی ایک ڈیپوٹیشن جسکے رکن مسٹر شاستری مسٹر کامت مسٹر جمنا داس دوار کا داس تھے ولایت پہونچا۔ تقریباً ۳ ہفتہ تک گفت وشنید اور غور ومباحثہ ہوتا رہا بالآخر ۲۳ جولائی کو برٹش گورنمنٹ نے اپنا فیصلہ صادر کیا اور دو روز بعد پارلیمنٹ نے بھی اسپر مہر منظوری ثبت کر دی۔ برٹش گورنمنٹ کے فیصلہ کی قرار دادین حسب ذیل ہین۔

(۱) کینیا مین برطانوی حکومت کی غرض اور مقصد اور اُسکی پالیسی کا منشا مشرقی افریقہ کے اصلی باشندون کی بہبودی اور ترقی کے ساتھ وابستہ ہوگا چونکہ انگریزی حکومت یقین کرتی ہے کہ مشرقی افریقہ کے بیکس اور نادان اصلی باشندون کی سرپرستی اور ولایت کا اہم فرض اسپر عائد کیا گیا ہے لہذا اولین فرض حکومت کا یہ ہوگا کہ تمام معاملات مین وہ سب سے پہلے افریقی باشندون کی بہبودی اور ترقی کا خیال کو مد نظر رکھے اور اسکے بعد ان قومون اور لوگون کے حقوق کی نگہداشت کرے جو وہان جا کر بسے ہین۔

(۲) چونکہ ابھی افریقی باشندون مین اسیاسیات کی اہلیت موجود نہین ہے کہ وہ اپنے برے بھلے کو سمجھ سکین اور اپنے حقوق کی نگہداشت کر سکین اور چونکہ انکی نگہداشت اور سرپرستی منصفانہ اور بے غرضانہ طریق سے صرف برطانوی حکومت ہی کر سکتی ہے لہذا وہ اس اہم فرض کی ذمہ داری ان لوگون کے اختیار مین جو وہان جاکر بسے تھے خواہ وہ انگریز ہون یا ہندوستانی نہین دے سکتی لہذا کینا کو حکومت خوداختیاری عطا کرنے کا سوال موجودہ حالت مین نہین اٹھتا اور آیندہ خاص صورتین پیدا ہونے کی حالت مین طے کیا جا سکتا ہے۔

ان دو بنیادی اصولون کے طے کرنے کے بعد انگریز اور ہندوستانی کے قضیہ کے متعلق حکومت برطانیہ حسب ذیل فیصلہ صادر کرتی ہے۔

(۱) کینا کی قانونی کونسل مین انگریزی حکام کی کثرت رکھی جاویگی یورپین باشندون کے ۸ نمایندے منتخب ہوکر بھیجے جاوینگے ہندوستانیون کے ۵ نمایندے ہونگے۔ عربون کو ایک جگہ دیجاویگی اور اصلی افریقی باشندون کی نیابت کے لیے ایک عیسائی پادری نامزد کیا جاویگا۔ طریق انتخاب جداگانہ ہوگا اور یورپین اور ہندوستانی ووٹرون کے رجسٹر علیحدہ علیحدہ رکھے جاوین گے۔

(۲) کینیا کا پہاڑی اور سرد حصہ یوروپین اصحاب کے لیے مخصوص رکھا جاویگا حتی کہ نقل و بیع آراضی بھی انگریز اور ہندوستانیون کے درمیان ممنوع رکھی جاویگی۔

(۳) بالفعل ہندوستانیون کا داخلہ فوراً مسدود کیا جاویگا لیکن تجاویز پیش کیجاوینگی جنکی رو سے افریقی باشندون کی بہبودی اور ترقی کے خیال سے ہندوستانیون کے بلا روک ٹوک داخل ہونے کی روک تھام کیجاویگی۔

(۴) شہری آبادیون مین ہندوستانیون کو انگریزون سے قطعی علیحدہ نہ بسایا جاویگا۔ لیکن حفظان صحت کے خیال سے ایسے قاعدے بنائے جاوین گے کہ جنسے دونون قومون کے مخلوط ہونے سے جو اندیشے ذہن مین آتے ہین ان کا انسداد ہوسکے۔

اس فیصلہ کا تمام دارومدار بیچارے افریقی باشندون کی بہبودی کے سر تھوپا گیا ہے لیکن

یہ راز اب طشت ازبام ہو چکا ہے کہ آسٹریلیا نیوزیلینڈ وغیرہ مین جہان جہان انگریز صاحبان
نے نوآبادیان قائم کین وہان کے اصلی باشندون کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس قدر دور
جانے کی بھی ضرورت نہین خود انھین مشرقی افریقہ کے اصلی باشندون کے ساتھ جو زیادتیان
کیگئی ہین جسطرح انکا رزق یعنی زمین چھینی گئی ان کو جبریہ مزدوری پر مجبور کیا گیا انپر ٹیکس کا بار بڑھایا
گیا اور اسکی آمدنی کو انکی بہبودی کے لیے نہین بلکہ یورپین آبادی کے آسائش اور آرام
پر صرف کیا گیا اسکی رام کہانی طویل اور دردناک ہے سر رابرٹ ہملٹن سابق چیف جسٹس کینیا
نے دوران مباحثہ پارلیمنٹ مین تقریر فرماتے ہوئے اسکا پردہ کافی طور سے فاش کیا تھا
لیکن پھر بھی اس دیدہ دلیری کو دیکھیے کہ ہندوستانیون پر زیادتیان اور کالے گورے کی
تفریق ان مظلوم افریقی اصلی باشندون کے نام سے کی جاتی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ مشرقی
افریقہ کے یورپین آبادی کو حکومت خود مختاری نہین دیگئی بھلا پوچھیے کہ اس سے ہندوستانیون
کو کیا تسکین ہوسکتی ہے۔ اگر ان کو حکومت خود مختاری دی بھی دیگئی ہوتی تو وہ اس فیصلہ سے
اور زیادہ غیر منصفانہ فیصلہ کیا کرسکتے تھے سمجھ مین نہین آتا کہ ایسی حالت مین ہندوستانیون
کو باوصف ان کی کثرت تعداد کے کونسل مین کم جگہین دینی اور یوروپین لوگون کو باوصف
انکی قلت تعداد کے زیادہ جگہین دینی اور پہاڑی اور سرد حصے کو یورپین آبادی کے لیے
مخصوص کرنے مین بیچارے اصلی باشندون کی بہتری اور بہبودی کا کونسا راز مضمر ہے۔
گو قانوناً محض ہندوستانیون کا داخلہ مسدود نہین کیا جاویگا لیکن عملاً یہ تمام نوآبادیون
مین تجربہ ہو چکا ہے کہ قواعد اسطرح سے عمل مین لائے جاتے ہین کہ ہندوستانیون اور ایشیائیون
پر دروازہ بند کیا جاتا ہے اور یوروپین آسانی سے داخل ہوجاتے ہین اسیطرح ہندوستانیون
کے علیحدہ بسانے کے معاملے مین گو قانوناً اور اصولاً یہ فیصلہ ہمارے موافق سہی لیکن حفظان
صحت کے قواعد غالباً ایسے بنائے جاوینگے کہ جنسے وہی نتائج نکلین گے جو مد نظر تھے۔
قصہ مختصر یہ کہ باوجود اسکے کہ ہندوستانی کینیا مین بہ نسبت انگریزون کے بیشتر سے آباد
ہین انہون نے اسے سرسبز اور شاداب بنانے اور نیم وحشی ملک مین تہذیب و تمدن کی راہین
نکالنے مین انگریزون سے کم حصہ نہین لیا باوجود اسکے کہ شروع شروع مین خیال بھی تھا کہ کینیا

کو ہندوستانی سانچے مین ڈھالا جاویگا اور اسکو ہندوستان کی وافر آبادی کی گنجائش کے لیے
مخصوص رکھا جاویگا جیپ ملک کے سرد اور پہاڑی حصہ کی پرفضا آب وہوا دلفریب مناظر نے
یوروپین طبیعتون کو لبھایا اُن کی نیتین بدل گئین خود غرضی نے انصاف کی آنکھون پر پٹی باندھ
دی لارڈ ایلگن اور لارڈ ملنر کے زمانہ مین ہندوستانیون پر قیود اور پابندیان لازم کرنے کا
سلسلہ شروع ہوا گورنمنٹ ہند کی کوششون کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ مسٹر ونسٹن چرچل کی تجاویز
نے اُس سمجھوتہ کی راہ نکالی جو لارڈ ونسٹرٹن کے نام سے مشہور ہے لیکن کینیا کے یوروپین آبادی
کی شورش نے حکومت برطانیہ کے ہوش وحواس بجا نہ رہنے دیئے۔ بالآخر وہ فیصلہ صادر ہوا۔
جسکی بے انصافی اور حق ناشناسی کو گو طرح طرح کے فریب انداز عصمت وپاکدامانی کی تہ
مین چھپایا جاتا ہے لیکن حقیقت حال پکار پکار کر افشائے راز کر رہی ہے۔

ابتک ان مظالم کی فریاد کی شنوائی نہ ہونے کا عذر کہ جو آئے دن ہندوستانیون پر خود مختار
انگریزی نو آبادیون مین ڈھائے جاتے رہے حکومت برطانیہ کی جانب سے یہ پیش ہوتا رہا کہ نو
آبادیان خود مختار ہین اور ہم مداخلت کے مجاز نہین مگر کینیا کے فیصلہ کی حیاسوز دیدہ دلیری نے
کم از کم اس کفر کو تو توڑ دیا کیونکہ نہ کینیا خود مختار ہے اور نہ بیجا مداخلت کا عذر پیش کیا جا
سکتا ہے۔

سوال اب یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرنا کیا چاہیے۔ یہ تو اب کافی طور سے ظاہر ہو گیا کہ محض عرض
معروض دلیل وبحث کا طریقہ باوجود کافی کوشش کے کامیاب نہین ہوا مشرقی افریقہ کے
انگریزون کی بغاوت کی ایک دھمکی نے تمام گفت وشنید اور دلیل وبحث کو بالائے طاق رکھد
اور گورنمنٹ نے مشکلون کا سامنا دیکھکر انصاف کا خون کرنے مین تکلف نہین کیا۔ یہ بھی ظا
ہے کہ ہم ایسی دھمکی کہ جیسی یوروپین فرقے نے دی نہین دے سکتے تاہم یہ خارج از بحث نہین
کہ اگر ہم بھی حکومت برطانیہ کے راستہ مین مشکلات پیدا کرین تو غالبًا مشکلات کا وزن برا
دیکھکر سرکار انصاف کرنے پر آمادہ ہو جاوے اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا مشکلات اسکے راستہ
مین پیدا کر سکتے ہین اس سلسلے مین جو تجاویز ابتک پیش کی گئی ہین اور جن پر تمام پارٹیون
اور مختلف خیال کے لوگون مین اتفاق رائے ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) برٹش امپائر کی آیندہ نمائش مین حصہ لینے سے انکار کیا جائے۔

(۲) نو آبادیون مین ہندوستان سے مزدورون کا جانا قطعی ممنوع ہوجائے

(۳) جیسا سلوک نو آبادیون مین ہندوستانیون کے ساتھ کیا جاتا ہے بعینہ ویسا ہی سلوک نو آبادیون کے یوروپینون کے ساتھ ہندوستان مین برتا جائے۔

(۴) انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔

ان تجاویز کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ آئینی جد و جہد کے دائرے کے باہر نہین اور اسلیے گورنمنٹ یہ نہین کہہ سکتی کہ چونکہ ان سے خلاف ورزی قانون ہوتی ہے اور امن و امان مین خلل پڑتا ہے۔ لہذا اس تحریک کا دبانا لازمی ہے۔ اول الذکر تین تجاویز کا عمل در آمد تو کونسلون اور اسمبلی کے ذریعہ سے ہوگا۔

آخر الذکر البتہ ان کے دائرے سے باہر ہے اسکے علاوہ اسمین ایک اندیشہ یہ بھی ہے کہ ہم اسکو پوری طور سے کامیاب نہ بنا سکے تو الٹا نقصان پہنچ جانیکا اندیشہ ہے پچھلے دو مرتبہ کا تجربہ بتاتا ہے کہ باوجود عظیم کوشش کے اسمین پوری کامیابی نہین ہوئی تاہم اگر وہ تین شرطین پوری نہ ہو سکین تو ایک مرتبہ پھر اسکا ارادہ کرنا بے معنی نہ ہوگا۔ اول شرط تو یہ ہے کہ بجائے اسکے کہ ہر انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا جائے صرف چند چیزون کا بائیکاٹ ہو لیکن بائیکاٹ پورا ہو۔ دوسرے یہ کہ ہم اپنے دیسی کارخانہ جات اور تجار سے اسبات کا عہد و پیمان لے لین کہ وہ موقع کو غنیمت جانکر انہین دیسی اشیاء کی قیمت زیادہ نہ کرین گے اور اسبات کی کوشش نہ کرینگے کہ لامحدود فائدہ اٹھائین تیسرے یہ کہ بائیکاٹ کی تحریک کے کامیاب بنانے کے دھن مین لوگون کے ساتھ زبردستی نہ کیجاوے اگر یہ شرطین پوری ہو سکین اور ان کا پورا ہونا دشوار سہی لیکن غیر ممکن نہین تو انگریزی قوم کو ہوش مین لانے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہین ہو سکتا کہ انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔ رہا یہ امر کہ یہ تجاویز مشکل العمل ہین اور کوئی گارنٹی اسبات کی نہین دیجا سکتی کہ انمین کامیابی ہوگی سو اس قسم کا اعتراض تو جب آپ آگے قدم بڑھائین گے اور کوئی نیا راستہ اختیار کرینگے ہمیشہ کیا جا سکتا ہے اگر اسکا کوئی جواب ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ جب عرض معروض کا طریقہ قطعی ناکام ہو گیا تو اب کیا کیا جاوے خاموش ہوجانے اور ساکت کھڑے رہنے کے تو کوئی

حق ہین اور نہ قوم اسکے لیے تیار ہے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ معاملہ اہم اور دشوار ہے پہلی شرط کامیابی
ی یہ ہے کہ تمام اندرونی اختلافات دور کیے جاوین اور ملک کی سب پارٹیان اور گروہ یکدل
ور متحد ہوکر اس کام کا بیڑا اٹھائین اور اس امر کو پوری طور سے ذہین نشین کرلین کہ کسی ایک
فریق کی انفرادی کوشش کارگر نہین ثابت ہوگی اور اگر ایسا ہوسکے تو وثوق سے کہا
جاسکتا ہے کہ آیندہ تین سال مین ملک مین ایسی سیاسی صورت پیدا ہوجائے گی کہ گورنمنٹ کو
لیے مصالحت کرنا اور انصاف برتنا لازمی ہوجائے گا۔

پھر نہ صرف مسئلہ کینیا اور انگریزی نوآبادیات کے ہندوستانیون کے مشکلات کا سوال
ل ہوجائیگا بلکہ سوراج کی منزل ہمسے نہایت قریب تر ہوجائے گی۔ ضرورت صرف اس
رکی ہے کہ ہم متفق و متحد ہوکر خطرے اور دشواریون سے قطع نظر کرکے آگے قدم بڑھانے کے
ے تیار ہوجائین۔

کشن پرشاد کول

لارڈ ہارسے مرحوم لیبرل ممبر نے جو گزشتہ ایام مین فوت ہوئے تھے اپنی وصیت
مین جو اب شائع ہوئی ہے ایک قابل ذکر درخواست کی ہے۔ انھون نے اپنی تمام
خط وکتابت اور ڈائریان اور نوٹ اپنے بھتیجے کے نام چھوڑے ہین۔ آپنے خواہش
ظاہر کی ہے کہ اگر کوئی شخص میری یا کسی اور شخص کی سوانحعمری لکھنے لگے تو اسکو
ان کے استعمال کی اجازت نہ دیجائے۔ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ لارڈ مارلے خود مسٹر
گلیڈاسٹون اور رچرڈ کوبڈن کی سوانحعمریون کے مصنف تھے تو ان کی اس خواہش
سے حیرانی پیدا ہوتی ہے۔

انگلستان کے مشہور انشا پرداز بیکن کے مضامین کا ایک مجموعہ جو ۳۲۵ سال قبل کا
چھپا ہوا اور دوسرا اڈیشن تھا گزشتہ ماہ مین ۲۰۰، پونڈ مین فروخت
ہوا ہے۔

دُنیاوی بہشت

جس دنیا میں ہم رہتے ہین اُسکی بابت لوگون کے دو خیال ہین۔ کچھ لوگ اس دنیا کو بہشت نظیر کہتے ہین اور کچھ اسکو دوزخ نما تصور کرتے ہین لیکن درحقیقت یہ نہ بہشت ہے اور نہ دوزخ بلکہ جیسا ہم اسے بناتے ہین ویسی بنجاتی ہے۔ جو لوگ اس مین لطف ڈھونڈھتے اور دلچسپی پیدا کرتے ہین اُنکے لیے یہ بہشت ہے اور جو یہان جیون تیون زندگی کاٹتے اور موت کے منتظر رہتے ہین اُنکے لیے دوزخ ہے۔

وہ قومین جو دنیا کو عشرت گاہ سمجھتی ہین اور اسمین اپنے لطف اور دلچسپی والے سامان مہیا کرتی ہین خوشحال ہوتی ہین اور جس سرزمین پر انکی بود و باش ہوتی ہے آراستہ بارونق بن جاتی ہے۔ برخلاف اسکے وہ قومین خوشحال نہین ہین جو دنیا سے دلچسپی نہین رکھتین اور زندگی کو زندگی نہین سمجھتین۔ اُنکے گھرون اور ملکون مین بھی رونق نہین ہوتی۔ ہندوستان کسی زمانہ مین نہایت سرسبز زرخیز اور خوشحال تھا۔ یہان بیشمار دولت تھی اور خوردنی اشیا کی افراط تھی۔ سارا ملک دلچسپ مناظر و سبزہ زار سے پر تھا یہانتک کہ کچھ لوگ اُسکو بہشت نظیر کہتے تھے۔ سبب یہ تھا کہ یہان کے باشندے اُن اُصولون پر چلتے رہے جنکا مدعا زندگی کا بہترین استعمال کرنا اور دنیا کو دلچسپ بنانا تھا لیکن جسوقت سے اس خیال مین کمی آنے لگی، ترقی اور آرایش کے سامانون سے دلچسپی نرہی اور مایوسی اور مردہ دلی نے زندہ دلی کی جگہ لینی شروع کردی اُسیوقت سے وہ جنت بھی دوسرونکے حصے مین آگئی یہانتک کہ ساری دولت اور حیرت انگیز چیزون کا ذخیرہ جاتا رہا اور وہی سرزمین جو بہشت تھی دوزخ بن گئی۔ ہندوستان کا انقلاب بتلاتا ہے کہ کسی مُلک کی زرخیزی اور خوشحالی قدرت کے فضل اور زمین کی حالت پر منحصر نہین ہے بلکہ اُسکا دارومدار لوگونکے خیال اور طرز عمل اور حُسن کوشش ہے۔

قدرت کی رحمت کی بارش سب پر یکسان ہوتی ہے اور ہر زمین محنت و توجہ سے زرخیز و سرسبز

ہوسکتی ہے لیکن بے توجہی سے سرسبز زمین بھی اوسر بنجاتی ہے۔

"فردوس برین" (نام کتاب) مین ایک دنیاوی جنت کا حال ہے جو ہو بہو ایسی ہی تھی جیسی آسمانی جنت اور اس دھوکے مین آکر لاکھون آدمی نے اپنے ضمیر اور اخلاق کے خلاف کام کر ڈالے۔

اس بہشت کی نسبت خیال ہے کہ آسمانی بہشت کے نقشہ پر تعمیر کی گئی تھی (جسکا بیان حدیث مین ہے) وہان ویسے ہی محلات تھے جیسے آسمانی بہشت مین ہین اور کوثر اور شراب طہور کے حوض بھی موجود تھے، یہانتک کہ لوز الٰہی بھی پیدا کر دیا گیا تھا اور طیور کو خدا کا نام لینا اور بہشتیون کو پھل وغیرہ وغیرہ لاکر دینا بھی سکھا دیا گیا تھا۔ حسین عورتین حورون کے لباس مین پیش کی گئین تھین، غرض وہ تمام باتین تھین جو آسمانی بہشت کے لیے مخصوص سمجھی جاتی ہین

اگرچہ یہ سب چیزین ایک بدکردار بادشاہ کی خواہشات نفسانی کے لیئے جمع کی گئی تھین اور وہ طرح طرح کے نامہذب افعال (زنا کردی گناہون کا ذمہ دار تھا لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا بہشت نظیر بن سکتی ہے اور یہان وہ سب لطف اور دلچسپیان پیدا کی جا سکتی ہین جنکو ہم بہشت مین پانے کی امید کرتے ہین۔ یہ مصنوعی بہشت، لوگون کو گمراہ کرنے اور دھوکا دینے کے لیے بنائی گئی تھی اور اس کا مقصد چند آدمیون کی خواہشات پورا کرنا اور دوسرون کو غارت اور برباد کرنا تھا اس لیے وہ برباد ہوگئی اور اُسکے باشندے دوزخ مین پہونچے لیکن اگر کسی مُلک یا شہر کو امن وامان قائم کرنے، زندگی کو پُر لطف بنانے اور مذہب کے مقصد پورا کرنے کے لیئے بہشت نظیر بنایا جائے تو امید ہے کہ وہ دراصل جنت بن جائیگا۔ اور وہان کے باشندے زندگی کا بہترین استعمال کرکے آرام و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرسکین گے مگر ایسی حالت صرف اسوقت حاصل ہوسکتی ہے جب لوگ ایمانداری، مساوات اور حُسن سلوک کے قائل ہون سب کے ساتھ برادرانہ اور مساویانہ سلوک کرین۔ کسی کو کسی کی حق تلفی گوارا ہو کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔ سب ایک دوسرے کی ہمدردی کرنے اور رحمدلی سے پیش آنے کے عادی ہون

دنیا کو بہشت بنانا زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد ہے۔ اور اسکو بہشت بنانا کوئی مشکل کام نہین،، یہان تمام چیزین موجود ہین جو بہشت مین بتائی جاتی ہین۔ صرف لوگونکی مردہ دلی دور کرکے اُنکو زندہ دل بنانا ہے۔ اگر لوگون کی مردہ دلی دور ہوجائے اور وہ دنیا مین دلچسپی لینے لگین اور انکو اس بات کا یقین ہوجائے کہ چند اصولون پر چلنے سے انکا سارا دکھ دور ہوجائیگا اور وہ بیماری مفلسی، تفکرات،

اور غم سے نجات حاصل کر کے لطف حاصل کرنے کے لیے کافی وقت اور موقعہ پا سکین گے تو ایسا کون شخص ہے جو دنیا کو بہشت بنانے کے لیے کوشان نہ ہوگا۔ مین سمجھتا ہون کہ کوئی شخص تفکرات اور مصائب کو پسند نہین کرتا لیکن وہ سمجھتا ہے کہ وہ لاچار ہے اور ان دکھون کا دور کرنا قدرت کے ہاتھ مین ہے۔ یا کم از کم اسکی قدرت سے باہر ہے۔ اگر ہم چھوٹے ہی پیمانہ پر بہشت کا نمونہ دکھاوین اور زندگانی مسرور کی علی تمثیل پیش کر سکین تو جا بجا انکی نقل ہونے لگے گی اور ہمارا مطلب پورا ہو جائیگا ہم دیکھتے ہین کہ جب کوئی نیا فیشن چلتا ہے تو وہ مقبول عام ہو جاتا ہے اور اسکی بخوبی تقلید ہونے لگتی ہے اور چونکہ ہماری تحریک بھی دلچسپی سے خالی نہین اسلیئے وہ بھی مقبول عام ہوگی۔

شاید یہ بتلانا غیر دلچسپ نہ ہوگا کہ بہشت کیسی جگہ ہے اسمین کیا لطف ہین اور یہ کہ ہماری دنیا کسطرح بہشت نظیر بن سکتی ہے۔ ناظرین اس بات کو جانتے ہونگے کہ بہشت کا تعلق مذہبی روایتون سے ہے اور چونکہ ہر مذہب کی روایتین جداگانہ ہین اسلیئے ہر مذہب مین بہشت کا بیان مختلف ہے۔ تاہم یہ بیانات ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ہین اور ان سے تین نقشے تیار کئے جا سکتے ہین۔

نقشہ اول مین بہشت کو ایک دنیا سمجھنا چاہیئے صرف اسقدر خیال رکھنا چاہیئے کہ بہشت کے باشندے خوش اور صابر ہین اور اس دنیا کے باشندے غیر مطمئن اور دکھی بہشت مین تمام چیزین عمدہ اور خوبصورت ہین اور یہان کی ہر چیز اسکے مقابلے مین بدصورت اور ناپائیدار۔ خاص بات بہشت کے اندر یہ ہے کہ وہان کاروبار، شور و غل نہین ہے۔ وہان سکون اور اطمینان کی حکومت ہے۔ ضرورت کی ہر چیزین بغیر محنت کے حاصل ہوتی ہین۔ وہان ترددات و تفکرات کا نام نہین اور وہان کے رہنے والے تمام وقت لطف اور دلچسپی مین گذارتے ہین۔ کوئی جھگڑا ہے نہ فساد، اور سب لوگ رتبہ مین برابر ہین اور سب کے لیے سب کچھ میسر و موجود ہے۔ نہ کوئی بیمار پڑتا ہے اور نہ مرتا ہے۔ وہان ہر ایک چیز سے مسرت و اطمینان حاصل ہوتا ہے اور یہی سب چیزون کا ماحصل ہے۔

اگرچہ بہشت کے متعلق مختلف مذاہب مین کچھ نہ کچھ اختلاف ہے لیکن بہشت کے مسرت انگیز وجود کے متعلق سب کا اتفاق ہے، اور ہر مذہب کا قول ہے کہ موت کے بعد بہشت مین صرف وہی لوگ داخل ہوتے ہین جو اس دنیا مین نیک زندگی بسر کرتے ہین اور خدا کی عبادت کر کے اسکے احکام بجالاتے ہین۔

دوسرے نقشہ مین بہشت پہلے نقشہ سے مختلف ہے۔ یہ بہشت ایک سادہ خطہ ہے جہان کی عمارتین

اور تمام ساز و سامان سادہ ہین۔ اور بہت تھوڑی چیزین ہین اور وہ صرف ایسی ہین جنکی خدا پرست یا تارک الدنیا لوگون کو ضرورت ہوتی ہے۔ یہان کے باشندے پہاڑی سبزہ زار اور خوبصورت جھونپڑون مین رہتے ہین، یہان کا منظر قدرت کی بہار ہے جسکا تصور پہاڑی مقام۔ سبزہ زار۔ بہتے دریا اور سہانے وقت سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ لوگ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہین اور زیادہ تر وقت خدا کی عبادت اور غور خوض مین صرف کرتے ہین لیکن کبھی کبھی وہ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہین اور دلچسپ تقریرین اور دوستانہ مباحثات کرتے ہین۔

تیسری بہشت کا نقشہ پہلے دونون سے مختلف ہے۔ یہان بجز لطف کے دریا کے اور کچھ نہین ہے نہ زمین ہے نہ آسمان ہے۔ صرف ایک پگھلا ہوا مادہ ہے جو پانی کی طرح بہتا ہے اور جسمین ہر شخص جاکر دریا کا ایک قطرہ بنجاتا ہے اور آنند کے ساتھ موجزن رہتا ہے۔ یہان کی زندگی اسقدر مگن ہوتی ہے کہ آدمی کبھی نہین اکتاتا اور اسکو کسی اور چیز کی خواہش نہین ہوتی۔

یہ تین نقشے جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہین اُس بہشت کی نقل ہین جو آسمان پر ہے، جہان خدا رہتا ہے اور جہان دنیا کے لوگ مرکر اپنے افعال و اعمال کا حساب دینے جاتے ہین۔ لیکن مین دنیا سے علیحدہ بہشت کی ہستی کی بابت کوئی سچا اعتقاد نہین رکھتا، تاہم مین بہشت کے خیال کو پسند ضرور کرتا ہون اور چاہتا ہون کہ دنیا مین اس کا نمونہ دیکھنے مین آئے۔

میرا خیال ہے کہ یہ ساری باتین یہان بھی میسر آسکتی ہین) اور اسی دنیا مین تینون قسم کی بہشت بن سکتی ہے اور ہر شخص زندگی کے حصے مقرر کرکے تینون بہشتون کا لطف اُٹھا سکتا ہے۔ ہان اسکے لیے ہم کو اپنے مکانات پاک صاف رکھنا ہونگے، ہر چیز آراستگی و سہولیت کے لحاظ سے قرینے سے رکھی جائے اور ہر کام مین خوبصورتی اور محبت مدنظر ہو زندگی، سکون۔ اطمینان و آزادی کے ساتھ بسر کیجائے تو ہماری دنیا کی حالت بہت کچھ بدل سکتی ہے۔ اگر ہم مین سے ہر ایک ان باتون کا خیال رکھے اور اپنے دوست احباب سے خلوص دل سے ملے اور اپنی پرائیویٹ اور پبلک زندگی مین اعلیٰ معیار زیست کو پیش نظر رکھے تو دنیا مین ایک عجیب قسم کی رونق ہو جائے اور روحانیت برسنے لگے۔

صفائی۔ خوبصورتی۔ سکون۔ محبت۔ استقلال۔ زندگی اور اخلاق پر بہت گہرا اثر ڈالتے ہین اور وہ آدمیون کو پاکبازی کی طرف راغب کرکے دنیا کو بہشت جیسا دلچسپ بنانے مین بہت کچھ مدد دیسکتے

ہین۔ دنیاکے بہشت بنتے کے لیے کچھ ضرورت نہین کہ وہان زروجواہر کے محلات ہی ہون بلکہ وہان امن و چین کی ضرورت ہے۔ ہر جگہ جہان جھگڑا فساد۔ بیماری بغض ہو بہشت کا نمونہ دیکھنے مین آسکتا ہی بہشت اسوجہ سے بہشت ہے کہ وہان محبت۔ لطف اور امن وچین ہے۔ اگر یہ چیزین وہان سے ہٹادی جائین تو وہی بہشت دوزخ ہوجائے۔ مذہبی پیشواؤن کا قول ہے کہ پاک زندگی بسر کرنے سے ہکو موت کے بعد بہشت نصیب ہوگی۔ مین کہتا ہون زندگی ہی مین پاکبازی سے بہشت میسر ہوسکتی ہین اسلیئے جو بہشت کے خواہان ہین انکو چاہیئے کہ اپنے زندگی کے مقصد اور مدعا کو ادنیٰ دولت یا ہیچ شہرت یا ناپایدار لذت نفسانی پر قائم نہ کرین بلکہ علم اور اعلیٰ قوتین حاصل کرنے کی فکر کرین اور ہر گھر کو اپنا گھر سمجھکر بارونق اور خوشحال بنانے کی کوشش کرین۔ ہکو اپنی دنیا ایسی بنانی چاہیئے جو بہشت کے مانند ہو اور جہان اُن قواعد اور قوانین کی بخوبی پیروی ہوتی ہو جو بہشت کے قائم رہنے کیلیئے ضروری ہین۔

ہریرام

نصائح کبیر

میرے دل اپنے دیار محبت کے رازون کو نہ پایا تو جہالت مین آیا اور جہالت مین ہی گیا۔

اے میرے دوست تمنے اس زندگی کے ساتھ کیا کیا۔ تمنے اپنے سر پر پتھرون کے بھاری بوجھ کو اُٹھالیا ہے۔ مگر تم جانتے ہو کہ کون اسے ہلکا کریگا؟

تمہارا دوست دریا کے دوسرے کنارے پر تمہارا منتظر ہے۔ مگر تم خیال نہین کرتے کہ اس تک کسطرح پہنچ سکوگے کشتی ٹوٹ گئی ہے۔ لیکن پھر بھی تم کنارے پر بیٹھے ہوئے ہو اور لہرین تمہین برباد کررہی ہین۔

تم اکیلے ہو تمہارا کوئی مونس نہین، تمہین اپنے اعمال کی سزا بھگتنی پڑیگی۔

کبیر اُسکی مدد ڈھونڈ جو تجھے ہمیشہ مدد دینے کے لیے تیار ہے۔

کبیر

افتخار رسول بدر

بھاشا اور اُسکے نورتن

(از منظور الحق کلیم اعظم گڈھی)

بکرماجیت اور اکبر کی نورتن کیطرح بھاشا شاعری کی بھی نورتن ہے۔ اِس نورتن مین چند بردائی (۱)
(۲) سورداس (۳) تلسی داس (۴) کیشوداس (۵) بھوشن گوئی (۶) بہاری لال (۷) متی رام (۸)
دیودت (۹) بھارتیند وہرشچند شامل ہین۔

یہ وہ باکمال ہستیان تھین جو آسمان ادب پر پُرنور ستارون کیطرح چمکین اور اپنی ضیاباریون سے ہندوستان کے گوشے گوشے کو چمکا دیا۔

ہم ناظرین کی دلچسپی کے لیے چند شعرا کے مختصر حالات اور نمونۂ کلام پیش کرتے ہین اور انشاءاللہ آیندہ بھی اِس سلسلے کے قائم رکھنے کی کوشش کرینگے،

۱۔ چند بردائی

جسطرح اُردو شاعری کے باباآدم ولی مانے جاتے ہین اُسی طرح بھاشا شاعری مین یہ سہرا چند بردائی کے باندھا گیا ہے۔ پرتھی راج راسو ان کی معرکتہ الآرا تصنیف ہے ان کی پیدایش سنہ ۱۱۲۶ء مین بمقام لاہور[۱] ہوئی یہ قوم کے بھاٹ تھے لڑکپن ہی مین اجمیر گئے اور اپنی ذہانت اور لیاقت کی وجہ سے پرتھی راج کے درباریون مین شامل ہوگئے۔ ابتدأ ایک معمولی درباری کی حیثیت تھی لیکن رفتہ رفتہ تقدیر نے درجۂ وزارت تک پہنچادیا۔

جب پرتھی راج کو دہلی کا راج ملا تو اسیکے ساتھ ساتھ دہلی چلے آئے اور آخر دم تک دہلی ہی مین رہے۔ انجام کار محمد غوری کی قید مین گرفتار ہوئے۔ سنہ ۱۱۹۴ء مین یہی قید قید حیات سے نجات کا ذریعہ بنی۔

اِن کی تصنیفات مین سے پرتھی راج راسو جو تقریبًا ۲۵۰۰ صفحہ کی کتاب ہے مشہور ہے اسمین جنگ

---

[۱] بموجب تحقیقات راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند کا نگڑہ۔

کار - آئین حکومت - بسنت - جنگل - سواری - برسات - شادی - راج تلک اور پرتھی راج کی ستایش
کے مقامات خاص طور پر دیکھنے کے قابل ہین انکی زبان پر پراکرت کا اثر زیادہ ہے ملاحظہ ہو -

کبی کت چندن سو ما دھو نر ندم — कवी कव्वि चन्दंसुमाधौनीरदंम
سرتان بھٹ مدھو ما او ایندم — सुरंतान भद मधू माद हूंद कवीएक भंडी
کبی ایک بھنڈی بھی ڈمبھی پرمانم — कवी एक भंडी भि डिंभी प्रमान
کتی تار جھنکار بدیا سو جانم — किती तार झंकार विदया सुजानम
بتھم منتر پتری پڑھے وید بانی — बिथं मंत्र पत्री पढ़े वेद वानी
تنم بھٹ کونم جو پوجو گیانی — तिनं भट कोनं जुपुज्जै गियानी
پڑھے ترک بترک چونسٹھ بدیا — पढ़े तर्क वित्तर्क चौंसदि विदया
تنم روپ کے بھید چوراس ستدیا — तिनं रुप के भेद चौरस सदया

چند بردائی اسمین دھوراج کا حال بیان کرتا ہے کہ یہ شہاب الدین محمد غوری کا ایک بھانٹ
تھا جو شراب کے نشہ کا ماہتاب تھا یعنی باوجود اہل کمال ہونے کے بدنام بھی تھا وہ ایک بھانڈ کے مانند
تھا اور خرافاتی بھی - وہ تارون کی جھنکار یعنی ستار بجانے کے فن مین ہوشیار تھا - سنسکرت پر عبور تھا اور
آسانی سے پڑھتا تھا - ان صورتون مین ایسا کون ہوسکتا ہے جو اسکی پوجا نکرے علم کے چونسٹھ اقسام مین سے
ہر ایک کا ماہر تھا اور سنیکڑون طریقہ سے پڑھتا تھا اور انکی چوراسی قسمون کو فوراً جان جاتا تھا یعنی ہر علم پر کامل عبور تھا

سرس کاویہ رچنا رچون کھل جن ہنسنت — सरस काव्य रचना रचूं खल जन सुनन हंसन्त
جیسے سیندھور دیکھ مگ سوان سو بھاؤ بھوسنت — जैसे सेंधुर देरव मग स्वान सो भाय भुसन्त
تاہی سو جن بت گن لیجئے تن من پھول — तोपाति सुजन निमिन्त गुन रचिये तन मनफूल
جوکا بھیجے جان کے کیون ڈارئے دوکول — जूका भेजिय जान के क्यों डारिये दु कुल

... رسے خصائل کی بابت لکھتے ہین کہ مین پرمعنی شاعری کرتا ہون اور نیچ خیال والے سنکر ہنستے ہین جس طرح
ہاتھی کو راستہ مین دیکھکر قدرتاً کتے بھونکتے ہین اس صورت مین اچھے لوگون کو چاہیے کہ اوصاف حمیدہ مین خوشی

۱- نام شاعر ۲- سلطان ۳- بھانٹ ۴- شراب ۵- نشہ ۶- ماہتاب ۷- خرافات ۸- مشہور ۹- کیطرح ۱۰- پرمعنی
۱۱- شاعری ۱۲- سنتے ہین ۱۳- ہاتھی ۱۴- کتا

کے ساتھ ترقی کرتے رہین کیا کوئی جون کے خوف سے اپنے ریشمی ڈوپٹہ کو پھینکدیا ہے۔

تشبیہات اور تمثیلات نے اسمین جان ڈالدی ہے اس قسم کے مضامین جتنے بھاشا شاعری مین ہین اور کسی زبان مین نہین ہین۔ ایک موقع پر پرتھی راج کے لڑکپن کی حالت دکھاتے ہین

پاگ براجت سیس پر جر کش جوت نہائے
पाग विराजत सीस पर जर कसजोत निहय

مانو میرو کے سکھر پر رہیو اہش پت آئے
मान्नो मेरु के शिखर पर रहयो अहिपत आय

تا پر طرّہ سوبھت ات کہت سوبھ کوئی ناتھ
तापर तुर्रा सूभत अस्त कहत सोभ कवि नाथ

منو سورج کی سیس پر ڈھکن دھر یو دھنو ہاتھ
मान्नो सूर्ज के सीस पर धनिन धरे धन हाथ

شرون براجت سوات ست کرت نہ بنے بکھان
शर्वन विराजत स्वात सुत करत नबने बखान

کمل پتر اگرج رہے اوس اڈگگن آن
कमल पत्र अग्रज रहे ओस उड्डगन आन

کنٹھ مال موتین کی سوبھت سوبھ بشال
कंठ माल मोतीन की सो भत सोभ विशाल

میرو سکھر پارس بھرت جان نچھترن مال
मेरु शिखर पारस फिरत जान नछत्रिन माल

مس بھینے سوبھنک مکھ نپٹ براجت نور
मिस भनने स भबन्क मुख निपट ब्राजत नूर

منو بیر اور کام کے اوگے آن انکور
मन्नो बोर अरु काम के उगे आन अंकूर

پرتھی راج کے سر پر زربفت کی پگڑی نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہے اور اُسمین ایسی روشنی معلوم ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ میرو پہاڑ کی چوٹی پر ناگ کنڈلی مار کر بیٹھا ہوا ہے۔ اسکے اوپر طرّہ خوبصورتی پیدا کر رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ برہسپت جو تمام ستارون کے گرو ہین سورج کے سر پر ہاتھ مین کمان لیے ہین کان مین موتی کے آویزے ایسی خوشنمائی پیدا کرتے ہین کہ جیسے کنول کے پہلے نکلے ہوئے پتے پر شبنم کے ستارے جڑے ہون گلے مین موتیون کا مالا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اسکو چھتریون کا مالا نہ سمجھو بلکہ میرو پہاڑ کی چوٹی پر پارس پھیر رہا ہے سبزۂ آغاز ہونیکی وجہ سے چہرے پر عجیب نور برس رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ بہادری اور جذبات کی انکور نکل رہے ہین۔

غور کیجیے تشبیہ و تمثیل کی قوت سے نفس مضمون مین کس قدر دلکشی پیدا ہو گئی یہی دلکشی ہے جسکی بدولت چند بردائی آج بھی بھاشا شاعری کا مسلم الثبوت اُستاد تسلیم کیا جاتا ہے۔

منظور الحق کلیم اعظمگڈھی

جواہرات عالم

(۴)

(کوہ طور)

۱۶۵۸ء مین شاہ جہان نے اپنے لیے ایک عجیب و غریب تخت شاہی تیار کرایا۔ جسکا نام تختِ طاؤس رکھا گیا۔ یہ تخت اسم با مسمےٰ تھا کیونکہ شکل و شباہت مین یہ بالکل مور کی صورت کا بنا ہوا تھا۔ ایک عظیم الشان طلائی پر ند قیمتی جواہرات سے مرصع تیار کیا گیا تھا اور مور کے اصلی قدرتی رنگ نہایت موزون طریقے سے میناکاری سے قائم کئے گئے تھے۔ اسکی گردن بلند اور اسکا سر نشست کی جگہ سے کچھ ہی نیچے تھا۔ پشت کے جانب مصنوعی دم کے رنگین پر پھیلے ہوئے تھے۔ بعینہ اس طرح جیسے کہ ناچتے وقت مور اپنے پر پھیلا دیتا ہے۔ اور بہت بڑے جواہرات کو نقش و نگار مین وسط مین لگائے گئے تھے۔ اس کے متعلق یہ ایک عام روایت ہے کہ ایک ہیرا مشہور عالم کوہ نور تھا۔ مگر وثوق سے اسکے بارے مین کچھ نہین کہا جا سکتا ہے اور دوسرے ہیرے کا نام "کوہ طور" تھا یہ کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ اسکا رنگ نہایت شوخ چمکدار اور زرد تھا قریب ایک صدی کے یہ نادر و نایاب ہیرا تخت طاؤس مین جڑا رہا۔ اسنے بڑے بڑے دربار اور عظیم القدر جشن دیکھے اور اسکی شہرت چار دانگ عالم مین پھیل گئی۔ کہتے ہین کہ منجملہ اور زر و مال کے اسکے حصول کے حرص کیوجہ سے بھی نادر شاہ درانی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب ہوئی تھی۔ آخر حملہ ہوا اور سلطنت مغلیہ پر زوال آگیا۔ اور نادر شاہ فاتح و کامیاب ہوکر دہلی مین داخل ہوا۔ بہت سے اور بیش بہا جواہرات کے ساتھ کوہ طور کو بھی اپنے ساتھ ایران لیگیا۔

اپنے تمام مال غنیمت مین نادر شاہ تخت طاؤس کو سب سے زیادہ بیش قیمت اور قابل قدر

سلہ اس سلسلہ کے اول مین مضامین زمانہ بابت اکتوبر۔ نومبر و دسمبر ۱۹۲۳ء مین شائع ہو چکے ہین۔

سمجھتا تھا اور اسے وہ اپنے احباب اور معزز مہمانون کو نہایت فخر و مباہات کے ساتھ دکھاتا تھا۔ مشہور فرانسیسی سیاح ٹیورنیر بھی اسکی آب و تاب چمک دمک اور عجیب و غریب ساخت دیکھکر محو حیرت ہوگیا تھا اور تمام عالم مین اس تخت کی اسقدر شہرت ہوگئی تھی کہ دور و دراز ممالک سے سیاح اسکے دیکھنے کے لیے ہندوستان آیا کرتے تھے۔

فرانس کے کئی سیاحون نے اسکا تذکرہ بھی اپنے سفرنامون مین لکھا ہے۔ لیکن تخت طاؤس کی عجیب و غریب داستان اُسیوقت سے شروع ہوتی ہے جب یہ نادرشاہ کے ہاتھ آیا۔ جب نادر قتل ہوا ہے تو اُسوقت ایک فرانسیسی سپاہی جو اپنی فوج سے بھاگ آیا تھا اُسکے قریب تھا۔ تخت طاؤس اور اسکا بیش بہا کوہ طور اسکی نظر سے بھی گذر چکا تھا اور اسکو اس تخت کا کل حال معلوم تھا۔ نادر کے قتل کے بعد ملک مین بدامنی و بدنظمی پھیل گئی ہر طرف ایک ہلچل مچگئی اور بغاوت کا دور دورا ہوگیا۔ اس طوایف الملوکی کو دیکھکر یہ سپاہی ایک روز رات کو جبکہ بارش کی وجہ سے ساری فضا طوفانی ہورہی تھی فقیرانہ بھیس بدلکر شاہی محل مین پہنچگیا اور تخت کے کمرے مین جاکر کوہ طور کو تخت سے نکال لایا اور رفتہ رفتہ اس ہیرے کو لیکر مدراس پہونچا جہان اسنے کوہ طور کو ایک انگریز بحری کپتان کے ہاتھ بتیس ہزار روپیہ مین فروخت کرڈالا۔ اس انگریز کو اس قیمتی پتھر کی قدر معلوم تھی۔ اور اسنے فرانسیسی سپاہی کو سرقہ کے الزام کی دھمکی دیکر اسکو بہت ہی کم قیمت پر خرید لیا اور پھر اسے لندن لے گیا جہان ایک یہودی جوہری کے ہاتھ بارہ ہزار پاونڈ (ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ) کو فروخت کیا۔ حسن اتفاق سے اُنھین دنون مین انگلستان مین خواجہ رفیع نامی آرمینہ کا ایک مشہور و مالدار جوہری آیا ہوا تھا یہ اصفہان مین رہتا تھا اور وہین اسنے کوہ طور کا ذکر سنا تھا اور اب اسکے خریداری کا شایق تھا چنانچہ اسنے فروخت کی بات چیت کرکے اسکو خرید لیا۔ کس قیمت پر یہ سودا ہوا اسکی تحقیق نہین ہوسکی ہان اتنا معلوم ہے کہ یہودی جوہری نے کوہ طور کو ترشوا ڈالا تھا اس تراش کے بعد اسکا وزن ۱۹۴ قیراط رہگیا تھا۔ بہرحال خواجہ رفیع اسکو انگلستان سے ایمسٹرڈم لیگیا جہان عشق و محبت کے جھگڑون مین مبتلا ہوگیا۔ ایمسٹرڈم مین اس زمانہ مین اُسکا شاہزادہ آرلف ORLOFF اپنے ملک سے جلا وطن ہوکر آیا تھا۔ شاہزادہ موصوف ۱۷۳۴ء مین پیدا ہوا تھا اور بہت ہی شکیل و خوبصورت بہت توانا اور جوانمرد تھا۔ ملکہ کیتھ

دوم اُسکے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہونے سے پیشتر ہی شاہزادہ آرلف کے دام محبت مین گرفتار ہو چکی تھی اور ایک عرصہ سے یہ محبت قایم بھی رہی چنانچہ ایک مدت دراز تک ملکہ کے دل اور سلطنت کا اصلی حکمران یہی شاہزادہ رہا ملکہ کے لڑکے کاونٹ ابن سری BOE.ASHARICUNT کا باپ بھی یہی شاہزادہ آرلف تھا۔ مگر آخر کار ملکہ کا دل شاہزادہ موصوف سے پھر گیا اور دو شاہزادہ پاٹم کن POTEMKIN کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس رقیب نے ملکہ کے دل سے آرلف کی دیرینہ محبت کا نقش مٹا دیا اور اس سے طرح طرح کی پیچیدگیان پیدا ہوگئین ان دونون عشاق مین سلطنت عشق کے واسطے جنگ و جدل ہونے لگی ۱۷۷۳ء مین آرلف ایک سازش کا شکار ہوگیا اور ملکہ نے اسکے واسطے کریمیا مین رہنے کا حکم دیا۔ بالفاظ دیگر یہ اسکے جلاوطنی کا حکم تھا شاہزادہ آرلف کو قدرتاً یہ ذلت گوارا نہوئی اور وہ اپنے وطن مالوفہ کو خیرباد کہکر کئی سال تک ممالک یورپ کی سیر کرتا رہا کہ شاید اسی طرح اسکا غم غلط ہوجائے مگر ملکہ سے عشق حقیقی تھا اسلیے اسکے محبت مین کمی ہونے کے بجائے آتش عشق و شوق اور بھی تیز ہوگئی۔ گو ہر طرف مایوسی کا سامنا تھا لیکن دل مین ہنوز یہ امید باقی تھی کہ شاید ملکہ کا جوش محبت پھر کسی وقت تازہ ہوجائے اور اُسکو پھر سرفرازی کا موقعہ ملے۔ یہی آرزو اور یہی ارمان اسکی زیست قایم رکھے ہوئے تھا بہر حال وہ ہر وقت ملکہ کی نظر نوازش کا منتظر اور متلاشی رہتا۔ اور اسی فکر مین غلطان و پیچان رہتا کہ کسی طرح اسکی معشوقہ دلنواز کی توجہ پھر اسکے حال پر مبذول ہو۔ غرض اسی حال مین وہ ایک جلاوطن اور معزول و معتوب شخص کے حیثیت سے اسٹرڈلم پہونچا اس شہر مین مشہور و معروف جوہری خواجہ رفیع سے اسکی ملاقات ہوئی خواجہ نے اسکی درد و الم کی داستان سنکر کوہ طور کے طلسماتی اثرات کا مبالغہ آمیز تذکرہ کیا اور مشرق کے عمل تسخیر کی جو یورپ مین ناپید ہے اسقدر تعریف کی کہ آرلف بصد شوق کوہ طور کی خریداری پر آمادہ ہوگیا۔ آرلف اہل غرض تھا وہ اپنے گم گشتہ عشق کے تجدید کے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھنا چاہتا تھا اور اسکے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھا آرلف کو معلوم تھا کہ ملکہ کو جواہرات و زیورات کی بڑی شوقین ہے اسکو یہ موقعہ غنیمت معلوم ہوا اور اس خیال سے کہ شاید اس بیش بہا تحفہ کے ذریعہ سے اسکو اپنی کھوئی ہوئی دولت ... ۱۷۷۶ء ... کو خرید لیا اسکا تذکرہ سگ کے ایک مراسلہ مورخہ ۲ جنوری

مین بھی موجود ہے۔

خواجہ نے آرلف سے کوہ طور کے نوے ہزار پاونڈ (ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ) نقد لئے اور یہ معاہدہ بھی کرلیا کہ اگر آرلف کی مراد بر آئی تو وہ تمام زندگی خواجہ کو چار ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ دیتا رہے گا۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ آرلف ملکہ کے عشق مین کس درجہ دیوانہ ہو رہا تھا۔

بہرحال مشتاق آرلف کوہ طور کو لیکر امید و بیم کی حالت مین روس واپس آیا۔ دربار شاہی مین ملکہ کی باریابی کا مستدعی ہوا حسنِ اتفاق دیکھئے کہ کیتھرین کے دل مین اسوقت بائم کن کی طرف سے کچھ شکر رنجی ہوگئی تھی بائم کن کے مزاج مین غصہ بہت تھا جسکے باعث ملکہ سے کبھی کبھی ان بن ہوجاتی تھی۔ غرض اس عارضی شکر رنجی کا فائدہ آرلف کو پہونچا اور ملکہ نے اپنے قدیم عاشقِ زار کو شرف ملاقات بخشا اور اس بیش بہا تحفہ سے بہت خوش ہوئی کوہ طور نے واقعی جادو کا کام کیا اور آرلف پھر اپنے پرانے ممتاز منصب پر عزت و حرمت کے ساتھ بحال ہوگیا اور اور بائم کن گمنامی مین جا گرا۔ اس تاریخ سے کوہ طور کا نام "آرلف" قرار پایا اور یہ روس کے شاہی جواہرات مین شامل ہوگیا۔ اسکی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور عصائے شاہی کے موٹھ پر اسکو لگایا گیا اسکے اوپر ایک خوبصورت طلائی عقاب بنایا گیا تھا اسی مین یہ ہیرا جڑا دیا گیا۔

غرض اسوقت سے اسکا شمار یورپ کے بیش قیمت پتھروں مین ہوگیا افسوس ملکہ کی محبت آرلف کے ساتھ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ اور چند ہی سال بعد شاہزادہ بائم کن نے پھر اسکے دل پر اپنا سکہ جمادیا۔ اسمرتبہ آرلف ہمیشہ کے لیے معتوب ہوگیا مگر اس معزولی کا اثر اسکے قلب پر ایسا گہرا پڑا کہ ملکہ کے عشق مین متوالا ہوکر دیوانہ ہوگیا۔ اور آخر کار اسی حالت مین ۱۷۸۳ء مین فوت ہوگیا۔

یہ پتھر ایک عرصہ دراز تک اسی نام سے موسوم رہا اور روس کا عصائے شاہی اسکا مسکن رہا بڑے بڑے جشن سلاطین متعلیہ و شاہان روس اسکی نظروں سے گذرے اور دونون نے اسے بہین فخر و مباہات کی جگہ دی روس کے کئی شہنشاہ قتل بھی ہوئے مگر یہ ہیرا یکے بعد دیگرے بادشاہون ہی کے ہاتھ مین رہا۔ بد نصیب زار نکولس آخری شہنشاہ روس کے تخت نشینی کے وقت بھی یہ موجود تھا اور اسکے قتل کے بعد جب بغاوت و بد امنی نے روس کے تخت شاہی کو خون کے

دریا مین غرق کر دیا

خزانہ شاہی کے جواہرات مین کوہ نور بھی شامل تھا۔ اب یہ کہان ہے؟ اور کس کے قبضے مین ہے؟ ہم اسکا جواب دینے سے قاصر ہین۔ خدا معلوم انقلاب روس مین یہ عجیب و غریب تاریخی ہیرا کس کے ہاتھ لگا۔ مگر ایسا بیش بہا جواہر مستقل طور پر چھپا ہوا نہین رہ سکتا ہے۔ آیندہ کبھی نہ کبھی پھر نمودار ہوگا۔ دیکھئے اُسوقت اسکی گذشتہ تاریخ کا لوگون کو پتہ لگتا ہے یا نہین؟

رام سرن نگم

لازم ہے سوچئے اغور کرے پیش و پس کرے جو ہو سکے نہ اکیون بشر اسکی ہوس کرے (میرانیس)

" دنیا مین عزت سے زیادہ نازک کوئی چیز نہین۔ یہ وہ شیشہ ہے جو سنگ اندازی سے نہین بلکہ سنگ اندازی کے ارادہ سے بھی چور چور ہو جاتا ہے!

(مصنف سیرۃ عائشہ رض)

محتاجی سے کم رتبۂ عالی نہین ہوتا عزّت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہین ہوتا (انیس)

" خوشامد چھوٹے موتیون کا ایک چمکتا ہوا ہار ہے "

" وہ آنسو بے بہا ہین جو دوسرون کی مصیبت پر نکلین۔

" کسی کام مین ناکامی فتح کی تیاری ہے "

" ایک انسان کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ جان دیکر بھی قرض سے سبکدوش ہو "

حقیقت عشق

کسی نے جو بیگانۂ عاشقی تھا — باصرار وامق سے اِک بار پوچھا
تجھے شوق عزات گزینی کا کیون ہے — تجھے ذوق صحرا نشینی کا کیون ہے
یہ کیا ہے کہ اسدرجہ بیتاب ہے تو — شرارہ ہے یا برق و سیماب ہے تو
سسکتا کبھی ہے تڑپتا کبھی ہے — تری زندگی روکشِ جانکنی ہے
کوئی تیرا مونس نہ کوئی ہے ہمدم — فقط ایک دل ہے سو وہ کشتۂ غم
ہمیشہ تجھے آبدیدہ ہی دیکھا — ترے رنگ رُخ کو پریدہ ہی دیکھا

کہا اُس سے وامق نے کیا پوچھتا ہے — مرے دردِ دل کا عجب ماجرا ہے
مین پہرون یہ بیٹھا ہوا سوچتا ہون — کہ عذرا کو ایسی جگہ لیکے پہونچون
جہان آدمی زاد ہو مثلِ عنقا — وہ ایسا لق و دق ہو سنسان صحرا
وہان اسطرح محوِ نظارہ مین ہون — کہ عذرا ہو موجود لیکن نہ دیکھون
یہانتک کہ عذرا سے "عذرا" جدا ہو — تصوّر مین صورت گری کا مزا ہو
مِٹے اسطرح امتیازِ من و تو — کہ دونون کا جلوہ بھی واحد عیاں ہو

طبیعت مین جبتک دوئی کا اثر ہے — ہے سامان جنگ اور جدائی کا ڈر ہے
محبّت اُسی وقت ہوتی ہے کامل — محبّت کا حب خود محبّت ہو حاصل
محبّت ذریعہ ہو ترکِ خودی کا — وسیلہ ہو بے نفسی کی زندگی کا
تعیّن کا پردہ اُٹھے درمیان سے — تعلق رہے جسم سے اور نہ جان سے
پھر اُس ذات مطلق سے ہو جائے واصل — جہان وصل و ہجران ہین اوہام باطل

جعفر علیخان اثر لکھنوی

آئی بہار پھر نئے ساماں کئے ہوئے
یعنی متاعِ حسن کو ارزاں کیئے ہوئے

اُترا ہے صحنِ باغ میں پھولوں کا قافلہ
پھر جنتِ نگاہ کا ساماں کئے ہوئے

ہے دستیاب غازۂ رُوئے شباب پھر
گُل جلوہ گر ہے "چہرہ گلستاں کئے ہوئے"

پھر ضبط آزما ہے کلی کا نمودِ حسن
وارفتۂ تبسّم پنہاں کئے ہوئے

غنچوں کی طرفہ چاک گریبانیاں ہیں پھر
کیفیتِ جنوں کو نمایاں کئے ہوئے

پھر امتحانِ صبر پہ نرگس ہے مستعد
تیغِ نگاہِ تیز کو عریاں کئے ہوئے

پھر شعلہ بار ہے نفسِ برقِ بیقرار
سطحِ فلک کو بزم چراغاں کئے ہوئے

کیفِ نشاطِ فصل سے، پھر ذوقِ عشق ہے
دلکش، نوائے مرغِ خوش الحاں کئے ہوئے

سوزِ دروں سے ہے تپش اندوز لالہ پھر
داغوں کو اپنے شعلۂ عریاں کئے ہوئے

مشعل بدست جگنوؤں کا ہے ہجوم پھر
سروِ چمن کو سرو چراغاں کئے ہوئے

پھر درسِ معرفت ہے زبانِ طیور پر
پتّوں پہ شرحِ معنئ قرآں کئے ہوئے

لذت شناس آہ مگر میں نہیں، کہ ہوں
افتادگی سے عیش کا ارماں کئے ہوئے

یہ جوشِ فصلِ گل، یہ مرا گوشۂ خمول
بیٹھا ہوں اپنے گھر کو بیاباں کئے ہوئے

اب ولولے کہاں کہ ترنم نواز ہوں
غالب کو اپنے ساتھ غزلخواں کئے ہوئے

وہ ہی نہیں کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
"سر زیر بارِ منتِ درباں کئے ہوئے"

وہ نو بہارِ ناز ہی جاتا رہا کہ تھا
ظلمت کدے کو میرے شبستاں کئے ہوئے

کیا لطفِ دلفریبیِ فصلِ بہار اگر
ہو صیدِ دل کو ناوکِ حرماں کئے ہوئے

سید محمد فاروق (شاہپوری)

سکونِ عدم

وہ ہجوم آرزو، وہ اضطرابِ دلخراش
عمر بھر منت کشِ صد کاہشِ بے جا رہا

زندگی بھر جستجوئے مدعائے دل رہی
مدعائے دل مگر میرا سدا عنقا رہا

نامرادِ آرزو رہ کر گذاری زندگی
کامیابِ آرزو ہونیکا اک سودا رہا

ایک مدت تک رہا مین شکوہ سنجِ عقل و ہوش
اک زمانہ تک مجھے تقدیر کا شکوا رہا

ہر قدم میرے لیے تھا اک فریبِ آرزو
اس دورا ہے مین ہمیشہ ٹھوکرین کھاتا رہا

عمر بھر یونہی رہا واماندۂ مقصود مین
فکرِ لاحاصل مین جانِ ناتوان کھوتا رہا

نامرادی نے بہت مجکو جھنجوڑا بار بار
مین مگر اک خوابِ غفلت مین پڑا سوتا رہا

لاکھ تدبیرون پہ بھی حاصل سکونِ دل نہ تھا
الغرض مضطر رہا جبتک کہ مین جیتا رہا

ہان بہت ممنون ہون مین تیرا مرگِ ناگہان!
تیری غمخواری سے اطمینان اب حاصل ہوا

اب نہین دلکو مرے وہ اضطرابِ مستقل
گوشۂ مرقد مین اب حاصل سکونِ دل ہوا

موجِ حرمان سر سے جب گذری تو بیڑا پار تھا
ڈوب کر ابھرا تو مین آسودۂ ساحل ہوا

تشنگئین وہ اضطرابِ شوق کی کیفیتین
اب دلِ مضطر سکونِ عیش کا حامل ہوا

اب نہین دلمین طلسمِ شوق کی نیرنگیان
کھل گئی اب آنکھ سحرِ آرزو باطل ہوا

اب نہین جوشِ تمنا باعثِ سرگشتگی
خاک مین ملکر مین گویا فائزِ منزل ہوا

آ مین رکھ لون تجھکو اپنے دلمین اے کنجِ عدم!
تیری خلوت مین مجھے حاصل سکونِ دل ہوا

سید راز چاندپوری

کلام حسرت

آنکھو نمین نور جلوۂ بے کیف وکم ہے خاص
جیسے نظر یہ اُنکی نگاہِ کرم ہے خاص

کچھ ہمکو بھی عطا ہو، کہ اے حضرتِ کرشن
اقلیمِ عشق آپکے زیرِ قدم ہے خاص

حسرت کی بھی قبول ہو متھرا مین حاضری
سُنتے ہین عاشقو نپہ تمہارا کرم ہے خاص

نغمہ و مے کا حکم عام نہین
عاشقون پر یہ کچھ حرام نہین

ظرفِ رندان کی آزمایش ہے
بزمِ ساقی مین دورِ جام نہین

فتنۂ عشوہ گفتگو ہے تری
محشرِ ناز ہے خرام نہین

جلوہ فرما وہ اب، ہوے بھی تو کیا
کوئی مشتاق زیرِ بام نہین

کبھی اقرار ہے کبھی انکار
کچھ تری بات کو قیام نہین

ہم بھی رکھتے ہین کس سے چشمِ کرم!
رحم کا ان کے دلمین نام نہین

کاٹ دی اُسنے سب کی قیدِ حیات
ایک نخچیر زیرِ دام نہین

کردیا تونے پختہ کارِ ستم
اب کوئی شوق دلمین خام نہین

دلکے جامِ زمردین کے لیے
کیا مئے شوقِ لالہ فام نہین

عید مین بھی شراب سے انکار
کچھ یہ حسرت ماہِ صیام نہین

نوٹ جن جن بزرگون سے فقیر کو فیض پہنچا ہے ان مین سے اکثر کی جانب دیوان ہفتم مین کہین نہ کہین اشارہ موجود ہے (جو زیر طبع ہے) بزرگانِ دین کے علاوہ ایک نوع پر سر کرشن کا بھی نام آیا ہے حضرت کرشن علیہ الرحمۃ کے باب مین فقیر اپنے پیرا در پیرون کے پیر حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ و نورہ کی مسلکِ عاشقی کا پیرو ہے ۔ مسلکِ عشق ہے پرستشِ حُسن ؛ ہم نہین جانتے عذاب و ثواب (حسرت)

بزم سخن

اس نمبر سے ہم اپنے معزز ناظرین کی تفریح طبع کے لیے اس نئے باب کا افتتاح کرتے ہین اور انشاء اللہ اسی عنوان کے تحت مین ہر ماہ خاص خاص مشاعرون کے انتخابات پیش کرتے رہینگے۔

اُردو شاعری ہمیشہ سے مشاعرون کی ممنون احسان ہے، اور آج بھی انہین ادبی محفلون کی بدولت ہندوستان مین شعر و سخن کا مذاق روبہ ترقی ہے اسلئے اُنکی سعی عمل کی داد نہ دینا، ایک ادبی گناہ ہے۔

ہمکو امید ہے کہ شائقین ادب اس، ادبی اضافہ، کو پسند فرمائینگے۔ اور اس عنوان کے قائم رکھنے مین، اپنی حوصلہ افزا اعانت سے دریغ نہ فرمائین گے،

ایڈیٹر

انتخاب مشاعرہ حلقۂ ادبیہ کانپور

ہمارے مکرم دوست جناب احسن کے زیر نگرانی کانپور کا حلقۂ ادبیہ ملک کی ادبی خدمت مین معقول حصہ لے رہا ہے، ہر ماہ ایک مناظرہ اور ایک مشاعرہ ہوا کرتا ہے، ماہ نومبر کے مشاعرہ کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے۔

حضرت احسن سنبھلی ناظم حلقۂ ادبیہ کانپور

وداعِ زندگی مین کیون یہ شرطِ جانستان رکھدی ۔ کہ بعد مرگ بھی قیدِ حیاتِ جاودان رکھدی

مری امید سے رونق تھی ظلمتخانۂ دل کی ۔ شبِ غم تونے آخر شمع اس گھر کی کہان رکھدی

مرا ہر ہر نفس اک داستانِ درد بنجاتا ۔ مگر تقدیر نے قیدِ زبانِ بے فغان رکھدی

کرون کیون شکوۂ غم اُنسے یہ احسان کیا کم ہے ۔ کہ میرے دل کے آئینے مین اک تصویرِ جان رکھدی

مری ہستی مری صیاد ٹھیری باغِ عالم مین ۔ کہ آزادی مین بھی ظالم نے قیدِ آشیان رکھدی

فریبِ حسنِ باطل نے ہمین بے خانمان رکھا کہین دو پھول دیکھے اور طرح آشیان رکھدی

جناب حافظ اشرف علی صاحب حافظ کانپوری

نہین مخصوص کچھ دیر و حرم پر جلوہ فرمائی خدا نے حسن کی دولت جہان چاہی وہان رکھدی

رہ فریاد جب مسدود کرنا تھی مرے مالک تو بیکار کیون تو نے مرے منہ مین زبان رکھدی

جناب جگر کانپوری

نالۂ الحق کیطرح رگ رگ مین تاثیر فغان رکھدی یہ کسنے دل کے ہر ذرہ مین غم کی داستان رکھدی

جناب ثاقب کانپوری

ہمین تو بیخودی عشق مین مقصود سجدہ تھا یہان یہ ہوش تھا کسکو کہ پیشانی کہان رکھدی

رہ الفت مین ثاقب پختہ کاری کا یہ عالم تھا نہ اُٹھی عمر بھر اس در سے پیشانی جہان رکھدی

جناب زکی صاحب کچھوچھوی

محبت نے خموشی مین بھی تاثیر فغان رکھدی سکوت بے سبب نے کھولکر سب داستان رکھدی

الٰہی قلب مین کیون گرمی سوز نہان رکھدی جلی جاتی ہے جان تو نے یہ چنگاری کہان رکھدی

اجل ہنستی ہے مجھپر زندگانی اسکو کہتے ہین گھلا کر جان میری تو نے ادسوز نہان رکھدی

یہ سرگردانی غم اور یہ سرگشتگی یا رب مری تقدیر مین کیا گردش ہفت آسمان رکھدی

جناب راز صاحب چاندپوری

تماکیون بزم رسوائی مین میری داستان رکھدی ارے او داستان گو تو نے یہ دولت کہان رکھدی

بقدر لذتِ غم طاقتِ فریاد بھی بخشی خدا نے شکر نعمت کے لیے منہ مین زبان رکھدی

الٰہی تیری رحمت کیا مین اس شہرت کے قابل تھا مری قسمت مین کیون رسوائی کون و مکان رکھدی

مری خود رفتگی دیکھے تو کوئی اُنکے کوچے مین جبینِ شوق سجدہ مین یہان رکھدی وہان رکھدی

جناب ہادی دیلوری

مری ہر آہ مین الفت نے وہ طرز فغان رکھدی کہ جسکو سنکے سب نے اپنی اپنی داستان رکھدی

دو روزہ زندگی اور سوز غم اتنا مرے مالک اس آئینہ مین کیون تصویر مرگ ناگہان رکھدی

نہ طاقت ضبط کی ہے اور نہ مین فریاد کے قابل خدا نے کیون مرے منہ مین زبانِ بے فغان رکھدی

تصور میں رہیگی حشر تک تصویر ناکامی :: محبت نے مرے حق میں یہ قیدِ جاودان کھدی

جناب روحی اڈیٹر شگوفہ

دعا جب بے اثر ٹھیری تو پھر حکم دعا کیون تھا :: مری باتون سے نفرت ہو تو کیون منھ میں زبان کھدی

پہنچنے والے آخر منزلِ مقصود تک پہونچے :: مرے حصے میں ناکامی نے گردِ کاروان کھدی

عجب عالم تھا اپنی بیخودی شوق کا روحی :: وہین قبلہ نظر آیا جبین ہمنے جہان رکھدی

۱۲ دسمبر کو بابو کرشن سہلے صاحب اہلکاری وکیل کانپور کے دولتخانہ پر ایک بزم شاعرہ منعقد ہوئی تھی ہم اُسی مشاعرے کی دو بہتر غزلین ناظرین زمانہ کی تفریح طبع کے لیے شایع کرتے ہین۔

جناب مولانا سعید رزمی بھوپالی

کب تک خیال کوششِ اخفا راز کا :: پردہ اُلٹ بھی دے کہین بزمِ مجاز کا

پردہ سمجھ رہے تھے جسے تیرے راز کا :: آئینہ تھا وہ جلوۂ حیرت نواز کا

حیرانیون میں کٹ گئی اپنی تمام عمر :: سمجھے نہ ہم فریب طلسمِ مجاز کا

ہر ذرّہ دے رہا ہے مجھے درس زندگی :: ممنون ہو نہین ذوق حقیقت طراز کا

خاموشیون کو موت سمجھتے ہین اہل ہوش :: ہے نام زندگی دلِ ہنگامہ ساز کا

رزمی خدا کے واسطے خاموش بھی ہو اب
کچھ بھی خیال ہے تجھے افشائے راز کا

جناب جگر مرادآبادی

آخر کھلا یہ رازِ طلسمِ مجاز کا :: اک شعبدہ تھا غفلت بیگانہ ساز کا

اللہ رے اوج عشق کی شانِ نیاز کا :: کونین ایک ذرہ ہے خاک نیاز کا

عالم نہ پوچھ کشمکش ضبط راز کا :: ہر سانس ہے پیام غمِ جانگداز کا

دھوکا قدم قدم پہ تری بزمِ ناز کا :: کیا سخت مرحلہ تھا طلسمِ مجاز کا

اللہ رے اثر نگہِ مست ناز کا :: ہر پردہ ارتعاش مین ہے دل کے ساز کا

دل کیا ہے؟ نقش، حسن حقیقت طراز کا
آئینہ کیا ہے؟ عکس ہے آئینہ ساز کا

صوفی نے جسکو شاہد مطلق سمجھ لیا
اک پرتو لطیف تھا حسن مجاز کا

محشر میں سب حقیقت اعمال کھل گئی
دھوکا چلا نہ بندگی بے نیاز کا

نکلا نہ ایک لفظ بھی ہمشکل وہم محل
دیکھو تو اختلاف سخن ہائے راز کا

تنہائی فراق میں کیوں گریہ کیجیے
اے دل یہ وقت خاص ہے راز و نیاز کا

کیف شباب و سرخوشی! وہ حیات
کیا دور تھا تری نگہ مست ناز کا

خود جلوۂ جمال تھا اپنا نگاہبان
بیکار ہی تو خوف تھا افشائے راز کا

اسمیں بھی ہے لگی ہوئی، اک شرط بیخودی
اے وائے بر نیاز جو حسن ہو نیاز کا

کس لطف سے کٹیں شب غم کی مصیبتیں
مشکور ہوں محبت افسانہ ساز کا

ناگاہ سامنے نظر آیا جمال دوست
میں شکوہ سنج تھا غم ہستی گداز کا

تو محو بیخودی ہی رہا ورنہ بیخبر
پنہاں تھا ناز حسن میں عالم نیاز کا

پیراہن جنوں سے، تن عشق ڈھک لیا
یہ اک طریق خاص ہے اخفائے راز کا

تصویر یار سامنے سر میں ہوائے شوق
ایسے میں کسکو ہوش نشیب و فراز کا

کتنی حقیقتیں ہیں نہاں تجھ میں بیخبر
پردہ اٹھاکے دیکھ حریم مجاز کا

کب تک اٹھاتے رہیے حجابات تو بتو
ایک ایک راز عشق میں محشر ہے راز کا

ہر شے کو تیرے سامنے پاتا ہوں سجدہ ریز
کیا فیض ہے بلندی ذوق نیاز کا

مجھ سے گنہگار پہ یہ بارش کرم
منھ دیکھتا ہوں رحمت عاجز نواز کا

مجھکو وصال و ہجر سے کیا واسطہ جگر
عاشق ہوں، اک تبسم دیوانہ ساز کا

رفتار زمانہ

لبرلونکی شکست

پچھلے ماہ ہندوستان کا سب سے اہم واقعہ کونسل انتخابات مین لبرلون کی شکست ہے، اس مرتبہ سوراج پارٹی نے کانگریس کے نام اور مہاتما گاندھی کی آڑ لیکر پبلک سے اپیل کی اور ہر صوبہ مین اس پارٹی کو غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی۔ مدراس و پنجاب کے علاوہ باقی ہر صوبہ مین سوراجیہ پارٹی کی بہت کافی تعداد صوبہ واری کونسلون مین موجود ہوگئی ہے۔ اور صوبہ متوسط مین تو انکی قطعی کثرت ہے لیجسلیٹو اسمبلی مین بھی انکی معقول تعداد داخل ہوگئی ہے۔ صوبہ آگرہ و اودھ کے سب نشستین انکے قبضہ مین آگئی ہین۔ بعض جگہ تو لوگون پر انکا اسقدر رعب غالب رہا کہ بہت ہی معمولی لیاقت کے امیدوارون کے سامنے قابل قابل لوگون کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ نامزدگی کے پرچے تک داخل کرتے۔ ہر جگہ لبرل پارٹی کے بڑے سے بڑے شخص سوراجیہ پارٹی کے معمولی سے معمولی امیدواران کے سامنے شکست کھا گئے۔ بنگال مین سر سریندر ناتھ بنرجی، جنکو کانگریس کے بانیون مین سمجھنا چاہیے۔ اور جو کسیوقت بنگال کے بے تلک کے راجہ کہلاتے تھے۔ ایک گمنام امیدوار سے ہار گئے۔ اور بھی بڑے بڑے مدبران کا۔ جنکی لیاقت۔ حب الوطنی اور ایثار کا سکہ جما ہوا تھا۔ یہی حشر ہوا۔ بمبئی مین ڈاکٹر پرانجپے (وزیر تعلیم) صوبہ متوسط مین مسٹر کیلکار۔ پنجاب مین مسٹر منوہر لال۔ صوبہ متحدہ مین، پنڈت گوکرن ناتھ مصرا، پنڈت ہردے ناتھ کنزرو، بابو ایشور سرن وغیرہ سبھی اسمرتبہ معمولی امیدوارون کے مقابلے مین رہ گئے۔

اسمین شک نہین کہ اس مرتبہ ہندوستان کے سیاسی تاریخ مین پہلے مرتبہ عوام الناس نے ووٹ کے حق سے فائدہ اٹھایا، اور کہا جاسکتا ہے کہ ابھی انتخاب کنندگان کو چشم بصیرت حاصل نہین

ہوئی ہے اور نہ انھین کوئی علم و تجربہ ہی ہے کہ جسکے بدولت وہ کھوٹے کھرے کی جانچ کر سکین، یہ بھی سچ ہے کہ سوراج پارٹی نے کامیابی حاصل کرنے کیلیے آسمان سر پر اُٹھا لیا اور اچھی بُری کوئی چال و ترکیب اُٹھا نہ رکھی۔ لیکن اسمین بھی کلام نہین ہے کہ ٹھیک وجہ جو کچھ ہو اعوام الناس کے حوصلہ افزائی سے ہوا اور اہل ملک نے صاف و صریح طور پر لبرل پارٹی سے اپنی بے اعتمادی ظاہر کی اور کہین بھی انکو کامیاب ہونے نہین دیا۔ غیر تعلیم یافتہ طبقون کا کیا ذکر، یونیورسٹی گریجوٹون کا فیصلہ بھی ہر جگہ لبرلون کے خلاف ہی ہوا کیا پنجاب کیا بنگال۔ کیا بمبئی کیا آگرہ و اودھ اور کیا صوبہ متوسط ہر صوبہ مین یونیورسٹی کی نشست پر لبرل امیدوارون کے مقابلے مین سوراجی یا آزاد خیال ممبرونکو ترجیح دی گئی ہے۔ ہم ملک کو اس نتیجہ پر مبارکباد نہین دیسکتے ہین۔ مگر اسپر افسوس کرنا فضول ہے، ہان موجودہ صورت حال پر غور و فکر کرنیکی اشد ضرورت ہے۔ اور ہمکو امید ہے کہ لبرل پارٹی کے رہنمایان اس حالت سے مایوس و بددل ہونیکے بجائے اس پر مناسب غور کرکے آیندہ کے لیے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرین گے۔

یون تو تقسیم بنگال کے وقت ہی سے کانگریس مین نرم و گرم پارٹی کی بنیاد پڑگئی تھی لیکن مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارم سے قبل ملک سیاسی حیثیت سے کانگریس و انٹی کانگریس مین تقسیم تھا۔ تعلیم یافتہ جماعت عموماً کانگریس کی حامی تھی اور صاحبان جائداد و مالکان آراضی زیادہ تر اسکے مخالف تھے۔ لیکن سنہ ۱۹۱۹ء کے ریفارم اسکیم کے سلسلے مین مسٹر مانٹیگو وزیر ہند کی تشریف آوری نے یہ غضب ڈھا دیا کہ انکی اصلاحات سے قبل ہی حامیان کانگریس کے دو ٹکڑے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۹ء مین لارڈ مارلی نے اعتدال پسندون کو رضامند رکھنے کی پالیسی جاری کی لیکن وہ ہندوستان سے ہزارہا کوس دور تھے۔ دس برس بعد مسٹر مانٹیگو نے اسپر مزید ترقی کی اور سات سمندر پار کرکے ہندوستان مین بہ نفس نفیس تشریف لاکر ہندوستانی ممبرون مین باہمی نفاق کا بیج بو گئے۔ ہم اسکو اپنے مدبرون کی ناتجربہ کاری کہین گے کہ اُنھون نے محض فروعات پر جھگڑا برپا کر دیا۔ اور ایک ناقص و نامکمل ریفارم اسکیم پر اسطرح ٹوٹ پڑے۔ جیسے کوئی مہینون کا بھوکا نان شبینہ کے چند ٹکڑون پر جان دیدے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر مانٹیگو خاص خاص رہنمایان ملک سے ریفارم بل کو منظور کرنے اور اسے کامیاب بنانے کا پہلے ہی سے وعدے لے گئے تھے۔ خیر کچھ ہو یہ امر مسلمہ ہے کہ ہمارے

خاص خاص مدبرین اس اسکیم کے جزئیات کے اسدرجہ قائل ہوگئے کہ انھون نے اپنے ساتھیون سے اسکے خلاف ایک حرف بھی شکایت کا سننا گوارا نہ کیا۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اور بعض دیگر لیڈران اسکیم کی توسیع چاہتے تھے۔ مسٹر مانٹیگو کو اسمین مشکلات معلوم ہوئین۔ ہمارے بہت سے رہنمایان ملک انکے ہم نوا ہوگئے اور اس خوف بیجا سے کہ کہین زیادہ مانگنے مین یہ مراعات بھی نہ ملین۔ زیادہ مانگنے کی ہمت ہی نہ کرسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کانگریس کے موقعہ پر ملک سے دو صدائین بلند ہوئین۔ برٹش گورنمنٹ نے پھر وہی پالیسی اختیار کی جسکی بنیاد لارڈ مارلے ڈال گئے تھے۔ اور جس پر

اب مسٹر مانٹیگو نے اپنی عمارت بلند کی۔

کانگریس کے مقابلے مین لارڈ منٹو نے مسلم لیگ کی بیٹھ ٹھونکی۔ مسٹر مانٹیگو نے لبرل فیڈریشن۔ قائم کرادی۔ غرض ملک کے بعض قابل ترین رہنما یہ سمجھ بیٹھے کہ اسوقت ملک کے پولٹیکل نجات حاصل کرنے کے صرف وہی ٹھیکہ دار ہین اور ریفارم کے متعلق اندرونی واصلی حالات صرف انھین کو معلوم ہین۔ اور اگر خدانخواستہ اس اسکیم کو اہل ملک نے رد کردیا۔ تو پھر شاید سالہا سال تک ہندوستان کیلئے ریفارم کا نام ہی انگلستان مین نہ لیا جائیگا۔ وہ سمجھے کہ عام مدبران کانگریس اپنے انتہاپسندی کے دھن مین ریفارم کو غارت و برباد کردینگے اور اس اسکیم کو ہر صورت سے بچانا ان کا فرض مقدم ہے۔ بہرحال ریفارم کی اہلیت ثابت کرنے کے دھن مین ہمارے لبرل مدبرین کا نقطۂ خیال خواہ مخواہ سرکاری ہوگیا۔ ادھر ملک مین مسائل پنجاب وخلافت وغیرہ کا زور ہوا۔ اور مہاتما گاندھی نے اپنی تحریک نان کو اپریشن جاری کی۔ کانگریس نے ریفارم اسکیم سے بالکل کنارہ کشی کرلی۔ اور ملک مین پولٹیکل افراط و تفریط کے نظارے پیش ہونے لگے۔ ملک مین قطعی طور پر دو پارٹیان ہوگئین۔ اور ہر طرف فرقہ بندیون کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اول انتخاب کو کانگریس نے بائیکاٹ کیا سب جگہ زمیندار اور لبرل اصحاب ہی کونسلون مین داخل ہوگئے۔ اکثر صوبون مین خالص لبرلون کی کافی تعداد بھی کونسلون مین منتخب ہوئی لیکن ان کو ہر جگہ وزارت قبول کرنے مین کوئی پس وپیش نہ ہوا۔ بہتر ہوتا کہ جن صوبون مین کونسل کی کثرت انکے ساتھ نہ تھی انمین لبرل مدبرین وزارت قبول نہ کرتے اور گورنمنٹ کے نکتہ چینی کے فرائض انجام دیتے۔ ملک کو اسطرح انکے طرز عمل کا بہترین اندازہ ہوسکتا۔ مگر لبرل حضرات نے صرف یہی نہین کیا کہ ہر جگہ عہدے قبول کئے بلکہ تنخواہون کے متعلق بھی اُنھون نے انگلو انڈین نقطۂ خیال اور سول سروس کے معیار کو اپنا بنالیا

یہی وجہ ہے کہ صوبۂ آگرہ و بمبئی و بنگال وغیرہ کے وزراء نے پانچ ہزار
نہ کیا۔ (بنگال مین مسٹر سریندر ناتھ نے اپنی تنخواہ کے ایک جزکو تعلیمی وظائف
عام نکتہ چینی پر کوئی اثر نہین پڑتا) ہندوستان ایسے غریب ملک
وہ خود اپنے لیے کم تنخواہ مین منظور نہ کرین گے اُسوقت تک وہ اُن عہد
انگریز لوگ اپنی میراث سمجھے ہوئے ہین۔ سفر خرچ کے متعلق بھی یہی قصہ پیش رہا اور یہ افسوسناک نظارہ دیکھنے
مین آیا کہ کونسل ممبران ایک میل چلے ہوئے بغیر ہی ڈیل فرسٹ کلاس چارج کرنے کو تیار رہتے ہین۔
اسمبلی وغیرہ کے ممبرون نے روزانہ الاؤنس وغیرہ کی کمی کی تجویز کو بھی اسی دھن مین پاس نہین ہونے دیا کہ
کہین انکی شان مین فرق نہ آجائے۔ صوبہ آگرہ واودھ مین سر ہارکورٹ بٹلر کا ایسا جادو چل گیا کہ مسٹر چنتامنی
اور پنڈت جگت نراین صاحب بالکل گورنمنٹ کے ہمنوا ہوگئے اور موقعہ بموقعہ گورنمنٹ کا راگ الاپنے لگے
ان خوش عقیدہ حضرات کو "دوعملی" کے بجائے متحدہ گورنمنٹ نظر آنے لگی۔ افسوس بعض خفیف رعایتون
کے صلے مین اُنھون نے لوکل گورنمنٹ کے تشدد دانہ پالیسی کی ذمہ داری بھی اپنے سر اوڑھ لی۔ اب کیا تھا حکام
وقت کی پوری جیت ہوگئی اور ملک اور مدبرین کی درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہوگئی!

عام خیال ہے کہ قائمقامان کونسل رعایا کے نقطۂ خیال ہی کو پیش نظر رکھتے تو حکام بالا کو پھونک پھونک کر
قدم رکھنا ہوتا۔ مگر ہمارے لبرل اصحاب نے ہر معاملے کو حاکمانہ نقطۂ نگاہ ہی سے دیکھا اور عوام الناس کے دلون
سے دور ہوتے گئے۔ اس طرح ہمارے ملکی سورماؤن نے جنکے پولیٹکل فتوحات کے ڈنکے بجے
ہوئے تھے، بالکل ہتھیار ہی ڈال دیے اور جن عہدون پر جو صاحب مقرر یا منتخب ہوئے وہ احساس ذمہ داری
کی نئی روایات قائم کرنے کی فکر مین لگ گئے مثلاً کونسلون کے وائس پریسیڈنٹ اصحاب نے بھی یہ فیصلہ
کر لیا کہ انکو گورنمنٹ کی شکایت مین علانیہ لب کشائی نہ کرنا چاہیئے۔ افسوس کہ جو لوگ ملک کے قائم مقام ہوکر
کونسلون مین داخل ہوئے تھے وہ کونسلون مین پہنچکر ملکی جذبات کے ترجمانی کے فرائض بھول گئے۔ مہاتما گاندھی
کو جنکی عزت اسوقت تمام دنیا مین ہو رہی ہے گورنمنٹ نے قید کر لیا لیکن ہماری کونسلون نے زیادہ تر سکوت
ہی اختیار کیا۔ ہزارہا محبان وطن جیل چلے گئے لیکن کونسلین عرصہ دراز تک اس ہولناک نظارے کو اطمینان
ہی سے دیکھتی رہین۔ بلکہ گورنمنٹ کا ساتھ دینے کے خیال سے پولیٹکل قیدیون کی رہائی کے اکثر تجویزین
بھی رد ہوگئین۔ کونسل اور ملک کے باہر بھی ہمارے بعض مدبرین گورنمنٹ کے ڈھول بجاتے رہے چنانچہ

شرم اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آنریبل مسٹر شاستری جیسے محب وطن سے بھی اس بارے مین سخت غلطیان
ہوئین اور انھون نے ہندوستان کے باہر جاکر تحریک نان کوآپریشن کی فضول تاویلین اور مہاتما گاندھی
وغیرہ پر سراسر غیر ضروری نکتہ چینیان کرنے کی ضرورت محسوس کی - حالانکہ برطانوی نوآبادیون وغیرہ
مین اسکا ہرگز کوئی موقعہ نہ تھا - اگر تحریک نان کوآپریشن کی مخالفت کرنا تھی تو اسکا میدان ملک ہی کے
اندر موجود تھا - باہر جاکر اندرونی اختلاف رائے پر زور دینا سخت معیوب ہونا چاہئے تھا - بہرحال ایسی
ہی بہت سی باتون سے ملک کے عوام الناس ان مدبرون سے قطعی مایوس اور بددل ہوگئے - کانگریس کے
مقابلے مین لبرل حضرات کی یہ ضد کہ ریفارم کے توسیع اور ترقی کے بارے مین کوئی مزید تحریک پارلیمنٹ مین ریفارم مل
گئے ہیں پیش کیوقت نہ کیجائے - اہل ملک کو بہت ہی شاق گذری تھی انکا وقت بیوقت گورنمنٹ کا ساتھ دینا اور بھی
ناگوار ہوا - اسکے ساتھ ہی مالی ایثار کے موقعون پر جو فروگذاشتین لبرل حضرات کیطرف سے ہوئین انھون نے عوام کو اور بھی
بدظن کردیا - انکی قابلیت اور آزاد خیالی کے کارنامے پس پشت پڑ گئے - انکی محنت و جفاکشی اور ایمانداری
بھی نظرانداز ہوگئی اور گورنمنٹ کا ساتھ دینے کے جرم مین اسمرتبہ انتخابات مین عوام الناس نے ہر جگہ انپر
اپنی بے اعتمادی کا علی الاعلان ثبوت دیا ہے - سوراج پارٹی نے اس عام ناراضی کا پورا فائدہ اُٹھایا اور جو تنگ
نظری ریفارم ایکٹ کے آغاز پر لبرل حضرات سے ہوئی تھی اسی تنگ دلی اور کوتاہ اندیشی کے اسمرتبہ یہ اصحاب[1]
مرتکب ہوئے - پولیٹکل جد وجہد کی ابھی ابتدا ہے - ہر طبقہ کے محبان وطن کا ایک ہی نصب العین ہے
اسپر بھی پارٹی بندی کی بدترین خرابیان ملک مین پیدا ہوگئی ہین - حالانکہ حصول مدعا سے قبل ان پارٹیون
کی گنجایش ہی کیا ہے؟ ابھی تو سوراج کی منزل دور ہے - ملک کو یقیناً اسوقت سب رہنماؤن کی متفقہ
کوششون کی ضرورت ہے - مزید حقوق کی لڑائی مین تو سب شریک ہوسکتے ہین - بعد کو جب کامل اختیارات
مل جائینگے اور حکومت خود اختیاری کی نوبت آئیگی اُسوقت البتہ مختلف خیالات اور مختلف طرز عمل
کی کشمکش اور آزمایش کا موقعہ ہوگا - مگر بیان اول تو لبرل حضرات حامیان نان کوآپریشن کو دشمن
ملک سمجھکر ان سے "دور باش" کہتے رہے - اب انکی باری آئی ہے اور انھون نے بھی لبرل اصحاب سے
پورا انتقام لیا اور زمینداروں وغیرہ سے بھی سوا انکی مخالفت ضروری سمجھی! - افسوس!

---

[1] اس طرح کی لبرل مدبرین کے غلط رویہ کی اور بھی کئی مثالین دیجا سکتی ہین

علمی خبرین اور نوٹ

امسال دنیا کا مشہور نوبل انعام آئرلینڈ کے نامور شاعر ایٹس کو ملا ہے۔ پہلے خیال تھا کہ اسمرتبہ پھر یہ اعزاز ہندوستان کے حصے مین آئیگا۔ نوبل سویڈن کا ایک ماہر کمسٹری تھا جس نے ڈایامنٹ کے ایجاد سے بیشمار دولت پیدا کی تھی۔ اور اسکو بنی نوع انسان کیلئے وقف کرگیا۔ اس سے ہر سال چالیس ہزار پاؤنڈ (چھ لاکھ) روپیہ کے پانچ انعامات تقسیم ہوتے ہین۔ انعام پانیوالون کے لیے کسی خاص ملک کی قید نہین ہے۔ ممالک یورپ کے چند علما کی ایک کمیٹی ہے جو انعامات کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کمیٹی کی سفارش پر شاہ سویڈن انعامات تقسیم کرتے ہین۔ انعامات ادبی جذبات۔ علم طبیعات اور کمسٹری کی مفید دریافتون اور دنیا کے امن قائم رکھنے کی سب سے زیادہ کوشش کرنیوالون کو دیے جاتے ہین۔ ہندوستان مین ابھی تک صرف علامہ ٹگور کو یہ انعام ملا ہے جسے اُنھون نے بولپور دار العلوم کو دیدیا ہے۔

اکثر ناظرین نے یورپ کے اخبارون کے ترقی کے افسانے سنے ہونگے۔ انگلستان کا سب سے کثیر الاشاعت اخبار ڈیلی میل ہے جسکی اٹھارہ لاکھ کاپیان روزانہ شایع ہوتی ہین۔ لکھوکھا آدمی اسمین کام کرتے ہین۔ ستر ہزار روپیہ مالیت کا روزانہ کاغذ صرف ہوتا ہے اور تین ہزار روپیہ کی سیاہی روزانہ خرچ ہوجاتی ہے۔ ہندوستان مین گنتی کے چند اخبار ہونگے جنکی اشاعت دس ہزار سے زائد ہو۔

منشی پریم چند صاحب نے حال مین ایک اور طولانی ناول گوشۂ عافیت نامی ختم کیا ہے۔ جو دار الاشاعت لاہور سے شایع ہوگا۔ پریم پچیسی اور پریم بتیسی کے پہلے ایڈیشن بھی قریب الاختتام ہین اور انکے دوسرے ایڈیشن بھی دار الاشاعت لاہور مین زیر طبع ہین۔ ہندی مین منشی صاحب کی آٹھ دس کتابین شایع ہوچکی ہین اور ان کے کئی کئی ایڈیشن ختم ہوچکے ہین۔
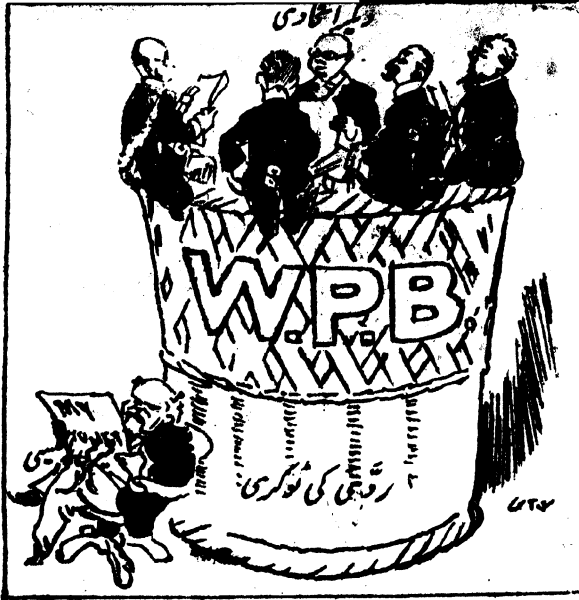
اتحادیون کی کانفرنس

مرقع عالم

دنیا کے خاص خاص واقعات کے متعلق یورپ کے مشہور مشہور اخبارات مین ہر ماہ بڑے بڑے سبق آموز و عبرت انگیز کارٹون شایع ہوا کرتے ہین۔ ہم ناظرین زمانہ کے تفنن طبع کے لیے یہان پر ہم چند تصویرین درج کرتے ہین یہ تصاویر مضحکہ کے پیرایہ مین زبان حال سے دنیا کے بعض اہم واقعات کا مرقع پیش کر رہی ہین۔

پہلے کارٹون مین فرانس اور دیگر اتحادیون کے باہمی تعلقات کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

دوسرے کارٹون مین انگلستان کے مختلف پولٹیکل پارٹیون کے عقائد و اصولون کا اشارہ ہے۔

برطانوی مدبرون کے مشاغل

اسمرتبہ برٹش

پارلیمنٹ مین لبرل
کنسرویٹو اور مزدور پیشہ
سب ہی پارٹیون کے ممبر اس
تعداد مین منتخب ہوئے
ہین۔ کہ کسی پارٹی کی بہت
زیادہ کثرت نہین ہے۔
۸ر جنوری کو پارلیمنٹ کا
افتتاح ہے۔ جب یہ
تینون پارٹیان ایکدوسرے
سے برسر پیکار رہونگی۔ اس
کارٹون مین اسی نظارہ کے
دکھلانے کی کوشش کیگئی ہے
پہلے کارٹون مین سوشلزم
اور سرمایہ دارون کے درمیان
جدوجہد کا خاکہ پیش کیا گیا ہے

سوشلزم (سرمایہ دارون سے) میں آپ تک پہونچ ہی جاؤنگا

انگلستان کا پولٹیکل دنگل

زمانہ

جلد ۴۳ فروری سنہ ۱۹۲۴ء نمبر ۲

ترقی زبان

دنیا مین علم وادب کی ترقی کے لیے چند اسباب کا ہونا ضروری ہے جنمین امن اور اطمینان کا درجہ بہت بلند ہے - قدیم یونانیون نے علم الاصنام فنون لطیفہ علم وادب مین جسطرح ترقی کی تاریخ اسکی شاہد ہے تمام بیرونجات کے رہنے والے کاشت کرتے تھے اور انکی محنت ومشقت کا ثمرہ فقط ایتھنز کے بیس ہزار باشندون کا حق تھا - جو معاش سے بے فکر ہوکر علم وادب طب - تاریخ وجغرافیہ اور علم نجوم کے مسئلون پر بحث ومباحثہ مین منہمک رہتے تھے - اسی طرح رومتہ الکبرے کے باشندے بھی صنعت ودستکاری کے کامون مین اطمینان سے مشغول رہتے تھے اور تمام محصولات کا بار ومحنت شاقہ کی تکلیف غربا (پلیبیئین) کو برداشت کرنی پڑتی تھی - رومتہ الکبریٰ کی تباہی کے بعد جب ملک اٹلی مختلف ریاستون مین منقسم تھا - تو وہان بھی یہی حالت تھی - چنانچہ مائیکل انجلو ڈانٹے - جیسے مصنفین اور شعرا اور لیونارڈو ڈاونچی (LEONARDODAVINCCI جیسے صناع ، اور نقاش نہایت کامیاب اور مشہور ہوے -

ایک بڑی وجہ جس سے علم وفن مین نمایان ترقی ہوتی ہے وہ مصنفین - صناعون اور نقاشون کی سرپرستی ہے - اہل یورپ کی تمدنی ترقی کا راز اسی مین مضمر تھا - اکثر امرا اور رؤسا ایسے لوگونکو ذریعہ معاش سے بے فکر کردیتے تھے - اس فیاضی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسوقت یورپ علم وادب کے میدان مین نہایت جوش وخروش اور سرعت سے گامزن ہے -

گرسے جرمن زبان کا بہت زبردست مصنف۔ شاعر۔ ڈرامانویس اور نقاش تھا۔ اس کی ترقی اور شہرت محض امرا کی سرپرستی سے ہوئی۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہت مسرف واقع ہوا تھا۔ اس کے دوست ہمیشہ اسکا قرض اتارنے مین مصروف رہتے تھے۔ حتیٰ کہ اسکا نہایت عزیز دوست کونٹ لکسمبرگ جب مرگیا تو اس کی بیوہ نے اپنی مالی مشکلات کے باوجود گرسے کا قرض اُتارنا ضروری خیال کیا اور جب تک اسکا فیصلہ نہ ہوگیا، اطمینان سے نہ بیٹھی۔

خلفائے بنی اُمیہ اور بنو عباس کے زمانے مین شاعری اور دیگر علوم و فنون نے بہت عروج حاصل کیا۔ شعرا خراج تحسین وصول کرنے کے علاوہ بڑی بڑی گرانبہا رقمون سے مالا مال کردیے جاتے تھے۔ کوئی شاعر سونے سے تلتا تھا تو کسی کا منھ جواہرات سے بھرا جاتا تھا۔ غرض جتنی فارغ البالی شعرا، مصنفین اور ماہرانِ موسیقی کو بنو عباس خصوصًا ہارون الرشید۔ مامون الرشید اور معتصم باللہ وغیرہ کے عہد حکومت مین نصیب ہوئی۔ اس کی مثال ہندوستان کے مغل شہنشاہون کی فیاضی کے سوا روے زمین پر نہین ملیگی۔ بنو امیہ کے عہد حکومت مین حجاج بن یوسف اگرچہ حد درجہ کا ظالم صوبہ دار تھا۔ تاہم اس نے علما اور فضلا کے ہر طرح کا امن، اطمینان اور دیگر آسایشین بہم پہنچادی تھین۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ مین قرآنِ کریم اور حدیث کا باقاعدہ مطالعہ حجاج ہی کے زیر سایہ تکمیل کو پہونچا۔ حجاج پُرانے استادون کے کلام کو نہایت عزت اور عقیدت مند نگاہون سے دیکھتا تھا۔ اور نئے شعرا کی بے حد حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ خاندان بنو امیہ کے خلفا مین کوئی نہ کوئی خصوصیت ضرور تھی۔ ولید بن عبد الملک کا شوق نغمہ جنون کے درجے تک پہونچ گیا تھا۔ سلیمان بن عبد الملک خوبصورت لونڈیون اور عمدہ اور نفیس غذا کا اسقدر دلدادہ تھا کہ آخر اسکی موت بھی زیادہ کھا جانے ہی کی وجہ سے لاحق ہوئی۔ اسی طرح خلیفہ عبد العزیز علم دین کا بہت بڑا دلدادہ تھا چنانچہ اس کے زمانے مین مذہبی اور علمی ترقی معراج تک پہونچ گئی تھی۔ خلفا چونکہ خود اعلیٰ درجہ کے شاعر ہوتے تھے۔ اسلیئے وہ ہمیشہ دوسرون کے کلام کی خوبیون کو قابل ستایش سمجھتے تھے اور انھین انعام واکرام سے مالا مال کردیتے تھے۔ اور خلفائے بنی عباس کا عہد حکومت تو تمدن کے لحاظ سے "عہد طلائی" شمار ہوتا ہے۔ اس دور مین ادب نوازی اور سخن پروری کا پایہ بڑھا

اہلِ عرب ایک غیر عرب کو عجمی (گونگا) کہتے تھے کیونکہ آنکو اس بات کا زعم ہے کہ غیر ملک کا کوئی شاعر عربی زبان پر قدرت حاصل نہین کرسکتا۔ لیکن اس کے باوجود عباسیون کے زمانے مین مختلف ملکون کے لوگ سرزمین عرب و عراق مین وارد ہوئے اور اپنے علم و فضل کی بدولت بڑی بڑی جاگیرون کے مالک قرار دیے گئے

کیمبرج مین فارسی و عربی کے مشہور پروفیسر نکلسن اپنی کتاب تاریخ ادبیات عرب LITERARY HISTORY OF THE ARABS مین رقمطراز ہین کہ ان خلفا اور سلاطین کے وزرا بھی ادبی مشاغل اور علما اور فضلا، کی سرپرستی پر انبہا چند روپیہ لٹایا کرتے تھے۔مثال کے طور پر ابن الحمید وزیر اعظم سلطان رکن الدولہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ شخص فن زبان دانی اور مراسلہ نگاری مین اپنا ثانی نہین رکھتا تھا۔ لوگون مین یہ عام طور پر مشہور تھا کہ "فن مراسلہ نگاری عبد الحمید سے شروع ہوا اور ابن الحمید پر ختم ہوگیا"، ابن الحمید کے طفیل اسکا ایک دوست اسمٰعیل بن عباد عربی زبان کا ایک بہت زبردست مصنف - عالم جید اور فاضل اجل ہوا۔شا پور بن اردشیر نے جو سلطان ابو نام بہار الدولہ کا وزیر اعظم تھا۔ایک حلقۂ ادبیہ اپنے خرچ پر قائم کیا۔جہان تمام ملک کے علما۔فضلا۔ ادبا اور شعرا باہم مبادلہ خیالات کرتے تھے۔اور ان مین سے ہر ایک کے حقوق اور مناصب کا رتبہ موجودہ زمانے مین کیمبرج یا اکسفورڈ یونیورسٹیون کے کسی کالج کے فیلو[1] کے برابر ہوتا تھا۔

قدیم اور زمانۂ وسطیٰ مین ہندوستان مین بھی یہی حالت تھی۔فنون لطیفہ۔موسیقی۔ناٹک۔ نقاشی۔ اور سنگ تراشی نے اسوقت تک ترقی کی۔جب تک سلاطین۔اور امراء ان لوگون کی سرپرستی کرتے رہے۔مہاراجہ بکرماجیت والیٔ اوجین کے نورتن - اور کالیداس وغیرہ خوب مشہور و معروف ہوئے۔ گپت خاندان کے تمام مہاراجگان فنونِ لطیفہ مین ماہر ہونے کے علاوہ قدرشناس بھی تھے۔اسی طرح ابوالفضل فیضی۔حکیم ہمام وغیرہ اپنے اپنے بادشاہون کے مرہون منت تھے۔اکبر کے زمانے مین عبد الرحیم خان۔ خان اعظم نے لاکھ روپیہ صرف ایک شعر کی قیمت مین شاعر کو دیکر اُسے مالا مال کر دیا تھا۔اسکی علمی سخاوت کے بے شمار فسانے صفحاتِ تاریخ کی زینت ہین۔

ملکون مین زبان کی ترقی ہمیشہ حکومت کی سرپرستی سے ہوتی ہے۔لیکن ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے

---

[1] اِن کی سالانہ آمدنی دوسو پاؤنڈ سے لیکر تین سو پونڈ تک ہوتی ہے۔اس سے علاوہ انکو روٹی کمرہ۔ دودھ اور رہنے کیلئے مکان بھی ملتا ہے۔یہ عہدہ سات سال تک کیلئے ہوتا۔اگر اس عرصہ کے اندر اسکو کوئی تعلیمی ملازمت ملے تو وہ فیلو شپ سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔یہ لوگ کالج کی مجلس انتظامیہ کے رکن ہوتے ہین۔اور ماسٹر بورڈنگ وغیرہ کے مہتمم اور صدر کا انتخاب انہین سے ہوتا ہے۔اور یہی ایک مجلس شوریٰ منتخب کرتے ہین اس تمام کونسل کام کا انتظام ایک عہدیدار کے سپرد ہوتا ہے۔جو برسر (BUYSOR) کہلاتا ہے۔

کہ موجودہ حکومت ہند نے ہندوستانی زبانوں کو کس مپرسی کی حالت مین چھوڑ رکھا ہے - اسکی بڑی وجہ یہ ہے
کہ حکام وقت اس بدبخت ملک کو اپنا وطن نہین سمجھتے - لیکن دوسری طرف جب خیال کیا جائے تو کہنا پڑتا
ہے کہ حکومت کیا کر سکتی ہے - سب سے بڑی مشکل جو حکام اور اکابر قوم کو پیش آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان
کی مشترکہ زبان کونسی ہے - حکومت برطانیہ نے اپنے ابتدائی ایام مین اردو کی طرف توجہ مبذول فرمائی تھی -
لیکن چند ہی سال کے بعد کئی اور زبانین اردو کے مقابلے مین کھڑی ہوگئین یا کھڑی کر دی گئین - آخر حکومت
کس کس زبان کی سرپرستی کرے - اردو - ہندی - پنجابی - بنگالی - گجراتی - سندھی - مارواڑی - مرہٹی - تلنگی - تامل -
کنڑی - وغیرہ وغیرہ سینکڑون زبانین اپنے اپنے روز افزون سرمایہ ادبیات کو ساتھ لیے ہوئے ایک ہی
راستے پر گامزن ہین - سب سے پہلے ایک مشترکہ زبان تسلیم کر لی جائے - اور اسکا سہل طریقہ یہ ہے کہ
ہندی اردو کے جھگڑون کی بجائے جو ایام گزشتہ مین موجودہ ہندو مسلم فساد سے بھی زیادہ خطرناک صورت
اختیار کر رہے تھے - خاموشی سے اکابر قوم کی ایک مجلس عامہ و مخصوصہ مین اس بات کا فیصلہ کر لیا جائے،
اور پھر حکومت سے پر زور طریق پر استدعا کیجائے -

عوام الناس پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی زبان کی سرپرستی کرین - کیونکہ مصنفین اپنی قوم پر احسان کرتے
ہین - اس کے عوض انکو کم از کم ذریعۂ معاش سے تو بے نیاز کر دیا جائے - اسوقت یورپ اور امریکہ کے
لوگ اس امر کو محسوس کرتے ہین کہ ایک انشا پرداز کو نکیلئے تو محتاج نہ ہو یہی وجہ ہے کہ اسوقت مغربی
ممالک مین ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جسے علمی و ادبی مشاغل کے سوا دنیا کے دوسرے جھگڑون سے کوئی سروکار
نہین ہوتا - حتی کہ اکثر مصنفین اپنے عقائد کے اعتبار سے تمام دنیا کے خیر خواہ ہوتے ہین - انکے نزدیک
وطن پرستی تعصب اور بغض پھیلانے کا نام ہے - مشہور و معروف جرمن شاعر گرٹے[1] نے اپنے آپ کو کبھی جرمنی
کا باشندہ نہین بتایا - اس کی رائے تھی کہ مصنفین کو مذہبی تفرقات - نسلی امتیازات - قومی مہمات وغیرہ
سے الگ تھلگ رہ کر نسل انسانی کے اخلاقی - روحانی اور تمدنی سود و بہبود کیطرف متوجہ ہونا چاہیئے
کیونکہ اسطرح ممالک خود بخود سدھر جائینگے - اور یہی وجہ تھی کہ گرٹے کی تصنیفات نے جرمنی کے باشندون
مین حب الوطنی اور قومیت کی زبردست روح پھونکدی کہ آخر تمام المانی ریاستین ایک شہنشاہی کے
زیر اثر منسلک ہوگئین -

[1] JOHANN VOLFGANG WON GOETHE

موجودہ زمانے مین ہندوستان مین جتنے بھی مصنفین۔ شاعر، صناع اور نقاش ہین۔ معدودے چند کے سوا سبھون نے ان کامون کو محض ایک تفریحی شغلہ سمجھ رکھا ہے۔ بہت کم ایسے آزاد ہونگے جنکی بسر اوقات تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے ہوتی ہو۔ مثال کے طور پر آپ اردو کے مشہور عالم ڈاکٹر اقبال ہی کو لیجیے۔ کیا یہ بات ملک کیلئے باعث ننگ و شرم نہین ہے کہ ایسا زبردست شاعر ابتک فکر معاش سے مستغنی نہین ہوا ہے۔ چاہیے تھا کہ اسرار خودی، رموز بیخودی، اور پیام مشرق وغیرہ کے اڈیشن لاکھون کی تعداد مین چھپتے اور فروخت ہوتے تاکہ جو وقت موصوف اپنے قانونی پیشے مین صرف کرتے ہین، شعر شاعری مین صرف کر کے ملک و قوم کیلئے زیادہ مفید ثابت ہو سکتے۔

دوسرے مین ایک اور صاحب کا ذکر کرونگا۔ جنکے نام سے بھی شاید اردو دان جماعت اچھی طرح واقف نہین ہے۔ اگر اردو دان طبقہ کیطرف سے انکی حوصلہ افزائی ہوتی تو ضروریات زندگی سے وہ بے نیاز ہو سکتے اور اسوقت وہ ایک بہت بلند پایہ مصنف و مترجم ہو جاتے۔ اور ادب اردو کا خزانہ بعض بہترین کتابون کے اعلیٰ ترین ترجمے سے مالامال ہو جاتا۔ انھون نے (MOORISH EMPIRE IN SPAIN) کا ترجمہ اخبار الاندلس کے نام سے شایع کیا ہے اور مقری کی نفح الطیب کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

آخر یہ بدبخت ہندوستان کب تک اپنے مصنفین، شعرا وغیرہ سے بے اعتنائی برتے گا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جبتک ہماری علمی وادبی ترقی نہین ہوتی۔ ہمارا ملک حکومتِ خود اختیاری سے ہزارون کوس دور رہیگا ہمارا روئے سخن اسوقت والیانِ ریاست اور ارباب حل وعقد کیطرف ہے۔ ہماری استدعا ہے کہ ایک قومی سرمایہ نہایت عالیشان اور زبردست پیمانے پر جاری کیا جائے جسکا مقصد یہ ہو کہ مختلف صوبون مین ایک ایک علمی وادبی درسگاہ قائم کیجائے جسمین ہونہار نوآموز مصنفین کو تصنیف و تالیف کا کام سکھایا جائے اور پھر انکی دستگیری اور سرپرستی کے لیے ریاستون کے زیر اہتمام صوبہ وار دارالاشاعت بھی قائم کیے جائین جنکے مہتمم علمی وادبی مذاق رکھنے کے علاوہ نقاد فن ہون۔ اور جتنی نئی کتابین اشاعت کے لیے لکھی جائین۔ انکی جانچ پرتال اور خامیون کا موازنہ کر کے حسب لیاقت معقول معاوضے دیئے جائین اسطرح ایک اعلیٰ پیمانے پر قومی کتب خانے کی بنیاد ڈالی جائے۔ اس بارے مین حضور نظام دکن کی فیاضیان ہندوستان کی ادبی تاریخ مین سنہرے حروف سے لکھی جائینگی۔ جتنے مصنفین کی پرورش اس ریاست کی طرف سے ہوتی رہی ان تمام کی فہرست دینے کی ضرورت نہین، محسن الملک۔ وقارالملک

مولینا آزاد علی بلگرامی، مولینا شبلی نعمانی، سب اسی فیاض ریاست کے ممنون التفات تھے اور مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا گرامی وغیرہم، اب بھی اسی ریاست کے ممنون احسان ہین۔

ہندوستان کے ہر صوبہ مین بہت سی ریاستین ہین۔ اگر ہر ایک ریاست سے ایک خاص رقم سالانہ وصول ہوتی رہے۔ اور اس روپیہ کی آمد و خرچ کا اہتمام ایک ذمہ دار کمیٹی کے ماتحت ہو تو ہماری رائے مین کوئی وجہ نہین کہ یہ ملک اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے ترقی نہ کرلے اور باشندون مین ذوق سلیم پیدا نہ ہو جائے اس سے ملک مین صحیح حب الوطنی پیدا ہو جائیگی اور اس ملک کی گذشتہ عظمت اور شان عود کر آئیگی۔

محمد فضل حق معتصم

تجارت کی کساد بازاری سامان طباعت و دیگر ضروریات زندگی کے گرانی کے باوجود انگلستان مین تصنیف و تالیف کے مد مین کوئی تخفیف نہین ہوئی بلکہ ۱۹۲۳ء مین سال ہائے گذشتہ کے بہ نسبت زیادہ کتابین شائع ہوئین، کل چھ ہزار نو سو اکیاسی (۶۹۸۱) نئی تصانیف چھپین اور تین ہزار دو سو انسٹھ (۳۲۵۹) کتابون کے دوسرے اڈیشن شائع ہوئے۔ پہلی مرتبہ چھپنے والی کتابون کی تفصیل یہ ہے۔

ناول اور افسانے	۱۰۵۸	شاعری و ڈرامے	۱۸۵
مذہب و روحانیات	۵۰۵	فن تعمیر و دیگر فنون لطیفہ	۱۸۰
تواریخ و سوانح عمریان	۵۳۰	سیر و سفر وغیرہ	۱۸۰
تعلیمی کتابین	۳۵۹	کتب متعلق حیوانات	۱۲۸
طبی و جراحی	۲۶۰	قدیم ادبیات و ترجمے	۱۱۶
نثر خالص ادبی تصانیف	۲۴۸	مشرقی زبان کی کتابین	۱۰۶
سیاسی، اقتصادی اور پولٹیکل کتابین	۲۳۸		

مسئلۂ سُرخ وسپید

آجکل اخباری دنیا مین فیصلۂ کنیا کے متعلق جس غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے وہ ناظرین زمانہ سے پوشیدہ نہین۔ ہمکو یہان اس سے بحث نہین کہ مشرقی افریقہ کی اس چھوٹی سی نوآبادی مین شہری حقوق کی بنیاد مساوات پر رکھی جانی چاہیے یا قومیت پر اس اصول کے مفاد و مضرت سے کچھ برطانوی مدبرین ہی زیادہ واقف ہونگے۔ مگر ہم اتنا ضرور عرض کرینگے کہ کنیا کے اس تصفیہ سے سفید اقوام کی وہ پالیسی جسکو وہ ایک عرصہ دراز سے سُرخ وسیاہ قومون کے خلاف عمل مین لا رہے ہین آج صیغۂ راز سے نکلکر طشت از بام ہوگئی ہے۔ سُرخ وسیاہ قومون سے ہمارا اشارہ بر اعظم ایشیا اور افریقہ کے قدیم باشندون کی جانب ہے یعنی اس سے وہ لوگ مراد ہین جنکا شمار سفید تمام قومون مین نہین کیا جاتا۔

آج روئے زمین پر سفید لوگون کی عظمت و برتری کا جو سکہ بیٹھا ہوا ہے اگر تحقیق کیا جائے تو اسکی تاریخ کچھ زیادہ پرانی نہین۔ اقوام عالم کا نقشہ عہد وکٹوریہ مین اس سے کہین زیادہ مختلف تھا جو آج ہمارے سامنے ہے، ۱۸۳۷ء مین ملکہ وکٹوریہ کی تاجپوشی ہوئی۔ اور اسی زمانہ مین سفید لوگون کو باہمی افراط و تفریط کے دشوار گذار راستہ سے نکلکر ترقی کی شاہراہ عام پر قدم رکھنا شروع کیا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ انکو اس وقت تک اسکا شمہ بھی اقتدار نصیب نہین ہوا تھا جتنا آج حاصل ہے۔

افریقہ کے شمالی اور جنوبی صوبجات کو اُن کے قبضہ وتحت مین آئے ہوئے کچھ زیادہ مدت نہین گذری ہا آسٹریلیا مین بندرگاہ ملبورن ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی سے کچھ پیشتر وجود مین آیا ورنہ اس سے قبل وہان صرف محدودے چند سفید اور کار آمد بندرگاہین تھین، اور اسی وجہ سے بر اعظم آسٹریلیا عرصہ دراز تک سفید اقوام کے لیے ایک سربمہر کتاب کے مانند رہا۔ دوسری جانب امریکہ کی

یہ کیفیت تھی کہ دریائے مسی سپی کے اندر مغربی اضلاع مین جنگلی بیل اپنا عمل دخل جمائے ہوئے تھے، وکٹوریہ کے جشن جلوس سے دس سال کے بعد کیلی فورنیا مین سونے کی کانون نے مشرقی امریکنون کی توجہ کو اپنے جانب مبذول کرنا شروع کیا درحقیقت سان فرانسسکو، لاس انگلیز، پورٹ لینڈ اور سیٹل جیسے شہرون کا جو آج اسقدر برسر ترقی ہین ایک صدی پیشتر نام و نشان بھی نہ تھا، اور واقعی سفید اقوام بحر الکاہل کی گہرائیون سے قطعی ناآشنا تھین۔ ایک وہ وقت تھا کہ جاپان چین اور ہندوستان غفلت مین پڑے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے قاآزن وتنابی، چوئی کونن اور دادابھائی نوروجی جیسے محب وطن اپنی تصانیف کے ذریعہ اہل ملک کو سفید اقوام کے ایک زبردست حملہ سے متنبہ کرنا چاہتے تھے مگر قوم تھی کہ نیند کے خمار مین ان انمول نصائح کو دھیان مین نہ لاتی تھی، پھر ایک دور ایسا آیا کہ مارکوپولو کے معرکون کے بعد بحیرۂ قلزم سے دیوار چین تک کا تمام علاقہ سفید رنگ والون کے سبز قدم سے بالکل پاک ہوگیا تھا بلکہ کچھ عرصہ تک وسطی ایشیا مین شاید ہی کوئی سیاح آیا ہو۔

اصل مین یہ صرف گذشتہ نوے برس کی شدید جد و جہد کا نتیجہ یہ ہے کہ آج سفید لوگون کی شوکت و عظمت کا ڈنکا دنیا کے ہر گوشہ مین بج رہا ہے۔ چنانچہ وکٹوریہ آنجہانی کی چونسٹھ سال طول طویل مدت حکومت ہی مین انگلستان کے مقبوضات پیشتر سے دوگنے ہوگئے تھے، اسی درمیان مین روس نے بھی متعدد الحاقات کرکے اپنے حدود کو کافی وسعت دیدی تھی، ادھر امریکہ مین بحر الکاہل کا تمام ساحلی علاقہ بجنوبی سمندر، جنوبی امریکہ، اور تمام براعظم افریقہ یک قلم سفید قومون کے زیر اثر آگیا۔

اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہو گا کہ سیاہ و سپید کے مالکون کی اس تیز دستی نے سیاہ و سرخ فام قومون کی ہستی کو معرض خطر مین ڈالدیا۔ جزائر غرب الہند مین کاریب قوم کی تباہی پہلے ہی کامل ہو چکی ہے۔ لوری کنگ، اور طوبان کی نسلین جزائر الکاہل مین روز بروز تنزلی و بربادی کی طرف جا رہی ہین۔ بلکہ وہ بھی جو ابتک فنا نہین ہوئین گمنامی کے قعر مذلت تک پہنچگئی ہین۔ تاریخ عالم سے ثابت ہے کہ یہ "حاملان تہذیب" سطح ارضی کے جس گوشہ مین گئے انھون نے وہان کے قدیم باشندون کو اپنا حلقہ بگوش غلام بنالیا، اسکے بعد یہ انہیں صرف اپنا دست ہوس

ہی دراز کیا - بلکہ انہیں بعض مخرب اخلاق جرائم بھی پیدا کرانے کے مرتکب ہوئے مگر رفتہ رفتہ دنیائے سرخ پر "اس مہذب گروہ" کی حکمت عملیون کا پول کھلنے لگا اور سرخ اقوام مین کچھ بیداری کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے -

اس اثنا مین افق مغرب پر یکایک تمام مطلع غبار آلود نظر آنے لگتا ہے کامل پانچ سال تک "حامیان تہذیب" بنی نوع انسان کو صفحۂ دنیا سے نیست و نابود کرنے کے لیے وہ سر توڑ کوششین کرتے ہین کہ الامان الحفیظ گر دنیا کے اسٹیج کا ایک نظر فریب پردہ ہٹتا ہے اور جنگ عظیم کا ایک دھوان دھار منظر پیش نظر ہو جاتا ہے - جہانتک جسطرف نگاہ اٹھتی ہے سرخ لوگ بقاے حیات کی کشمکش مین مصروف بیکار دکھائی دیتے ہین -

جاپانی تو اسی وقت سے اس جد و جہد مین منہمک تھے جبکہ انھون نے روس کی زبردست اسفید اوبیت کو شکست دیکر مغربیون کے تکبر و غرور کا شیرازہ بکھیر دیا تھا مگر انکی دیکھا دیکھی دوسری قومین بھی کمر ہمت چست کرکے اس میدان مین اتر آئین جنمین ہندوستانی، ترک، مصری، عرب، انامی، سنگالی، جزبی، افریقی اور قدیم چینی خاص طور پر قابل ذکر ہین -

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ گذشتہ جنگ یورپ اپنے اصلی معنی مین "جنگ زنگ" قرار دیجاسکتی ہے یعنی ایشیا یا افریقہ کے نقطہ نگاہ سے ایک طور پر سفید اقوام کی خانہ جنگی تھی گویا "ایک سفید دوسرے سفید سے برتر ہے" یہی وجہ ہے کہ افریقہ اور ایشیا کی غیر متمدن نسلین اس جنگ عظیم کو مہذب درندون کی مسخرانہ دیوانگی پر محمول کرتی ہین - علاوہ ازین دوران جنگ مین اتحادیون نے اس پیغام کو دنیا کی کئی سو زبانون مین ببانگ دہل مشتہر کیا تھا کہ انھون نے یہ لڑائی محض حرمت و ناموس کے مقدس اصول کی پاسداری مین اپنے سر لی ہے - مگر واقعات بتاتے ہین کہ اس اصول کو صلح نامہ وارسلز اور سیوآرے سے صرف اسقدر تعلق تھا کہ جرمن مشرقی افریقہ اور کیمرون کے وحشی باشندے بھی قیصر جرمن کی گرفت سے رہا کرا دیئے جائین اور بس -

اب قابل غور یہ امر ہے کہ کیا ہم خداوندان صلح و جنگ سے بصد ادب دریافت کر سکتے ہین کہ ایسے متبرک اصول کو کسی خاص جغرافیائی حدود اور تک محدود رکھنا قانون کے کن دفعات مین درج ہے، انصاف تو اسکا مقتضی تھا کہ جس وقت افریقہ کی نوآبادیون کی گلو خلاصی کرائی تھی

ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کی بھی رسیان کاٹی ہوتین، جس اصول کا استعمال پولینڈ یا بوہیمیہ کے واسطے جائز تھا وہی مصر و چین پر بھی صادق آنا چاہئے تھا۔ اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ پہلے سفید خام لوگ سرخ اقوام کے ملکون مین گھس آتے اور وہین نوآبادیان بنا کر اپنی بود و باش اختیار کر لیتے تھے، مگر اب سرخ قومین کہتی ہین کہ ہمکو بھی ہر طرح سے سفید انسانون کی بستیون مین جانے اور رہنے سہنے کا حق حاصل ہے۔

اسی بنا پر مجلس بین الاقوامی کی قرارداد مین (جسپر تیس سے زیادہ قومون کے دستخط ہوئے تھے) اس شرط پر بہت زیادہ زور دیا گیا تھا کہ دنیا کا نظام حکومت صرف ان دو اصول کے ماتحت ہونا چاہئے۔ اول اقوام عالم کے مابین اشتراک عمل (اقرارنامہ کا پہلا جملہ اس اعلان کی تائید کرتا ہے)، دوم غیر متمدن قومون کی حفاظت جو کہ "تہذیب و انسانیت کی بزرگ ترین مہم ہے" (ملاحظہ ہو دفعہ ۲۲)

اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ سرخ و سیاہ اقوام مین خودداری اور خوداعتمادی کا عام احساس پیدا ہو گیا اور یہ احساس خود ہی جب اس حد تک پہنچ گیا کہ کسی گوری قوم کا محکوم بنکر رہنا خود قومیت کی سخت توہین ہے، تو کثرت سے نسلی اور قومی تحریکین معرض وجود مین آنے لگین، جنھے فضائے خیال مین ایک طوفان بےتمیزی برپا کر دیا اور زمانۂ حال کی تاریخ سیاست کو آنیوالی نسلون کے لیے نہایت اہم بنا دیا۔

امنین سب سے پہلی تحریک "ایشیا کی بیداری" کے لقب سے موسوم کیجاتی ہے جسکی ایک شاخ ہندوستان کا سودیشی اندولن، ہوم رول یا "سوراج" نامی ہے۔ ۱۹۱۹ء مین مظالم پنجاب نے ملک کے طول و عرض مین ایک آگ سی لگا دی، حق طلبی کی آواز مین تمام ہند ۔۔۔ ان مہاتما گاندھی کا ہم آہنگ ہو گیا۔ برطانوی ارباب حل و عقد کو یہ ہندو مسلم اتحاد کا تپلا ایک آنکھ نہ بھایا اور بالآخر انھون نے گاندھی کے جسم نحیف کو لیجا کر قید و بند کے شکنجون مین جکڑ دیا۔ گو آج واقعات نے بہت کچھ رنگ بدل لیا ہے، مگر وہ روح جو اسوقت تک ہر ہندوستانی کے دل دماغ مین سرایت کر چکی ہے، اسکا کسی صورت نکلنا ممکن نہین،

ہندوستان کے تیس کرور نفوس جنکو گاندھی کے خیالات سے (اصول و طرز عمل کلی طور

نہین ہے، پوری ہمدردی ہے آج بھی بدستور سابق اپنی تحریک کو جاری رکھنے پر آمادہ و مستعد ہین اور ہر قدم آگے ہی اُٹھاتے رہین گے۔ جبتک کہ اپنی منزل مقصود پر نہ پہونچ جائین۔

اُدھر "دلدادگان حریت" کی فتح کے ساتھ ہی ترکون کے رہے سہے ملک پر زبردست توہین ہر طرف سے ٹوٹ پڑین حتی کہ خود ان کا وطن مالوف بھی بلا غل وغش غیرون کے قبضہ و تصرف مین آگیا مگر دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف ترکی کا "جان لب مریض" اپنے ملک کی حمایت کے لیئے از سرنو اُٹھ کھڑا ہوا بلکہ مصطفےٰ کمال کی تلوار نے اتحادی اور یونانی زنجیرون کو یکسر کاٹ ڈالا،

البانیا (جزیرہ نما بلقان) مین وآلونا کی فتح تسخیر سمرنا سے بھی زیادہ حیرت خیز کامیابی ہے، جنگ فرنگ کے ختم ہوتے ہی اس چھوٹے سے ملک کے حصّے بخرے ہو گیے۔ شمالی علاقہ کو سرویہ نے آدبایا، جنوبی یونان کو ملا، اور وسطی حصہ پر اطالیہ نے اپنے قدم جما لیے۔ مگر بایںہمہ البانیا نے صرف آٹھ لاکھ افراد سے متواتر دو برس تک لڑائی کو جاری رکھا اور آخر کار چپہ چپہ زمین دشمنون سے پھر چھین لی۔

افغانستان نے بھی موقع دیکھکر کابل کی پہاڑیون پر "علم خود مختاری" بلند کر دیا اور مختلف ممالک مین اپنے سفیر بھیجے۔

ایران نے بھی روس اور انگلستان کی گرفت سے چھوٹکر کشمکش حیات و ممات سے نجات حاصل کر لی؛

اسی سلسلہ مین زاغلول پاشا نے "آزادی مصر" کا نعرہ بلند کیا، اسپر کچھ عرصہ کے لیے جزیرہ مسراندیپ مین مجبوراً نظر بندی کے ناگوار مناظر کا نظارہ کرنا پڑا۔ مگر اب وہ یوسف مصری اس قید فرنگ سے رہائی پاکر پھر اپنے وطن واپس آگیا ہے جہان پہونچکر اسنے مصریون اور قبطیون کے باہمی ارتباط پر زور دینا شروع کر دیا ہے اور اہل مصر نے بھی بخوبی سمجھ لیا ہے کہ اسی آئینہ مین آزادی کی ملکہ اپنا خوشنما چہرہ دکھائیگی،

ایسے ہی جزائر فلپائن مین انگلینڈ اور فیتزن جیسے وطن پرست اپنے ملک کی آزادی کے واسطے کھڑے ہو گئے ہین باوجودیکہ امریکہ نے ان کے مطالبات کو بے اصل ثابت کرنے مین کوئی ممکن کوشش اُٹھا نہین رکھی مگر یہ بھی اپنی صدائے بے ہنگام پر اسوقت تک

ثابت قدم رہنے کا تہیہ کر چکے ہین جبتک کہ اپنا مقصد حاصل نہ کرلین گے۔

امریکہ کی محکوم اقوام مین سے ایک شخص مسٹر گاردن نامی رونما ہوگیا ہے جو افریقہ کو غیر اقوام کے پنجہ ظلم سے چھڑانے کا دعویدار ہے بلکہ وہ خود امریکہ کو بھی قدیم سرخ اقوام کا مسکن بتاتا ہے اسکا قول ہے کہ یہ سفید لوگ "مہذب غاصب" ہین جو زبردستی امریکہ پر قابض ہوگئے ہین۔

اسوقت جماعت توران، عربی اخوۃ، مسئلہ خلافت، وطن یہود، فلسطینون کا فسطین کے نام سے مختلف النوع تحریکین بھی جاری ہین، دنیا کے پہلو مین علیحدہ ایک ہلچل مچی ہوئی ہے، مجاہدین مراکش جو ڈھائی سال سے سرکیف ہین اور ہسپانیہ کی باقاعدہ فوجون کو پے درپے شکستین دے رہے ہین، کینیا، نٹال، یسوتولینڈ اور فجی مین الگ ہندی نژاد دون نے اپنی مظلومیت کا جھنڈا کھڑا کر رکھا ہے۔ غرض بحالت موجودہ دنیا مین ایک درجن سے زائد تحریکین پھیلی ہوئی ہین، جنمین سے ہرایک کی تاریخ کو اگر مختصر طور پر بھی بیان کیا جائے تو یہ مضمون بہت طویل ہوجائیگا،

اگرچہ ہمکو بوجوہ احسن معلوم ہے کہ ہر ملک مین بعض اس قسم کے نادان بھی موجود ہین جنکو سفید اقوام گربۂ مسکین کے مصداق تصور کرتی ہین۔ بلکہ انکو خود انکے محبان وطن کے خلاف خیالات پھیلانے کا مفید آلہ بنا رکھا ہے۔ مگر پھر بھی اس حقیقت پر پردہ نہین ڈالا جاسکتا کہ واقعات عالم ہر لحظہ سرخ و سیاہ اقوام کی عالمگیر بیداری کا موجب ہوتے جاتے ہین۔ اس امر سے بھی انکار نہین کیا جاسکتا کہ اب کسی قسم کی خفیہ ریشہ دوانیان یا سیاسی سازشین قدرتی رو کو نہین روک سکتین گذشتہ نوّے برس مین سفید اقوام کا دنیا کو مطیع و منقاد کرنے کا دور دورہ تھا مگر اب امید ہے کہ شاید آیندہ نوّے سال کا وہ زمانہ ہوگا جسمین سرخ قومین زندگی کے تباہ کن گرداب سے نکلکر ساحلِ آزادی کی ہوا کھائینگی۔

بہرنوع دعویداران تہذیب نے جن اصول کا چاردانگ عالم مین اعلان کیا تھا وہی آج خود ان کی سلطنت انسانی مین سدراہ ہورہے ہین۔ زمانہ کا رخ دیکھتے ہوئے ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ وہ وقت دور نہین جب غلامی کی تمام زنجیرین ٹوٹ کر گرپڑینگی اور سرخ و سیا

اقوام بھی فضائے آزادی مین خودداری کا دم بھرنے لگین گی درحقیقت یہ سفید اقوام کا پرُ اسٹر
وعظ ہی تھا جسنے سرُخ رنگ کی قومون مین ایک نئی روح پھونکر اپنا فرض منصبی ادا کرنے کی جرأت
وہمت عطا کردی۔ غالباً اب وہ وقت آگیا ہے (اور ہمکو اسکے واسطے تیار ہو جانا چاہیے۔) کہ
انسانیت کی "گول میز" ٹوٹن' گال' امریکن اور برٹن مساوی شرکار کی حیثیت سے' آرین'
منگول' عرب اور حبشی قومون کے دوش بدوش بیٹھے نظر آئین۔

مرزا منظفر حسین (علیگ)

موسیقی

مین اُس نغمہ کا تمنائی ہون جو ایک عطیۂ فطرت ہے۔ میرا دل اُسکے شوق مین ایک افسردہ پھول
کی طرح مرجھایا ہوا ہے

تو ہان اے نغمہ طراز! لبریز خم شراب کی طرح نغمہ پاشی کر۔ اور قطرات سیمین کی طرح اپنی دلنواز
آواز سنا۔ مین اس چٹیل میدان کے مانند موسیقی کا آرزومند ہون جو تھوڑی سی بارش کا منتظر
ہو مجھے نغمۂ خوشگوار کی شراب پینے دو اور بہت زیادہ پینے دو کیونکہ مین ہنوز تشنہ ہون۔ یہ نغمہ
اُس سانپ سے مجھے رہا کر دیگا جسے افکار نے میرے سینہ پر باندھ دیا ہے اور یہ اثر ریز نغمہ رگون
کے ذریعہ میرے دل و دماغ مین تحلیل ہو جائیگا۔ یہ نغمہ اُس گلِ پژمردہ کی خوشبو ہے جو چاندنی کی
جھیل کے کنارے کھلا۔ اور جسکا عطر دوپہر کی تپش نے چوس لیا۔ کہرے کا پتہ نہ تھا کہ اُسکی پیاس
بجھاتا۔ آخر وہ پھول مرجھا گیا اور اُسکی خوشبو ہوا کے پرون پر اُڑکر نیلگون سمندر پر چھا گئی۔

یہ نغمہ اُس شخص کے مانند ہے جو طلسمی ساغر مین، محبت کے بوسون کی اُبلتی،
چمکدار، اور شور مچاتی ہوئی شراب پیتا ہے۔ اور جسے ایک مست ساحرہ نذر عشق کرتی ہے

(پیانہ) ورڈز ورتھ

جاؔن کیٹس

باغ فطرت کے وہ پھول جو اپنی بہارِ جانفزا دو دن دکھلا کر راہی ملکِ بقا ہو جاتے ہین اپنے شیدائیون کو عمر بھر کے لیے تشنہ کام رکھتے ہین، انکے غم مین چمن دہر کے گوشہ گوشہ سے وحشت اور سراسیمگی کے آثار نمایان ہونے لگتے ہین اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کائنات کے بنیادی عناصر مین کوئی تزلزل پیدا ہو گیا ہے کسی ہرے بھرے باغ مین جا کر دیکھو، جہان شاداب اور تر و تازہ پھولونکا جھرمٹ ہوگا وہان کچھ ایسی پژمردہ اور بدنصیب کلیان بھی نظر آئینگی جنکا رشتۂ حیات کسی بلائے ارضی و سماوی نے منقطع کر دیا، اور وہ ناشاد نامراد کھلنے سے پیشتر ہی مرجھا گئین، باغبان اُنکی قسمت پر رویا کرے، لیکن وہ تو اپنی بہار کھو چکین، آج جن کلیون کا تبسم نازِ سرمایۂ گلشن ہے وہ بھی ہنستی ہوئی، ریاضِ دہر سے رخصت ہو جائینگی لیکن اس باغ کی رونق و شادابی مین کوئی فرق نہ آئیگا،

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزارون اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

آج ہم انگلستان کے ایک ایسے نامور شاعر کے حالات قلمبند کرتے ہین جو ایک گوشۂ گمنامی مین پیدا ہوا، لیکن جسنے اپنے حکیمانہ خیالات اور شاعرانہ بلند پروازی کی بدولت ملک کے ہر ممتاز ادیب اور سخن سنج سے خراجِ تحسین وصول کر لیا۔ افسوس کہ عنوانِ شباب ہی مین قزاقِ اجل نے اُسکے متاعِ زندگی پر حملہ کر دیا، اور ادبی دنیا کا ایک گوہرِ شب چراغ جسکی ذات سے بہترین اُمیدین وابستہ تھین فانی نظرون سے روپوش ہو کر اُس فضائے مقدس کو سدھارا جہان ہماری ناکام آرزوئین رہا کرتی ہین، اُن واقعات اور حالات پر ماتم کرنا بیسود ہے جو انسانی قبضہ قدرت کے حدود سے باہر ہون۔ مگر اسکی جوانمرگی کا افسوس ہے۔ اِس قبل از وقت حادثہ سے جو ادبیات کو نقصان

JOHN KEATS - 1795-1821

تعلیم ہو پہنچا ہے اُسکا صحیح صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ کاش کیٹس بڈّھا ہو کر مرتا، اور اُسکے خیالات مین وہ پختگی اور متانت پیدا ہو سکتی جو مدتون کی مشق کے بعد حاصل ہوتی ہے!

پیدائش اور ابتدائی حالات

جان کیٹس ۲۹ اکتوبر ۱۷۹۵ء کو پیدا ہوا اور لندن کی ایک غیر معروف اسٹریٹ کے متصل ایک اصطبل کو (جسکا انتظام اسکے باپ کے سپرد تھا) اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشی، اِس تنگ و تاریک گوشہ مین اس بلبلِ رنگین نوا نے آنکھ کھولی، اور اسی ماحول مین جو کسی عنوان سے شاعرانہ جذبات کو اُبھارنے مین ممد و معاون نہین ہو سکتا تھا اُسکی ابتدائی نشوونما ہوئی، اُسکی اولین درسگاہ آغوشِ مادر تھی جو در اصل اپنے بچے کی حقیقی معنون مین عاشقِ زار تھی، اور جس سے کیٹس بھی بیحد محبت کرتا تھا، وہ خود لکھتا ہے۔

"مجھے اپنی مان خوب یاد ہے، وہ جان سے بہت محبت کرتی تھی، اور صورت شکل مین بھی اُسی سے بہت مشابہ تھی، وہ نہایت غمگسار اور محبت کرنے والی مان تھی، اور مجھے یقین ہے کہ اُسکی لیاقت غیر معمولی تھی"

اسمین شک نہین کہ جان کے مان باپ دونون اپنی اونیٰ حیثیت سے زیادہ تعلیم یافتہ، مہذب، ذہین، اور لایق تھے، وہ فراخ دل حوصلہ مند بھی تھے اور اُنکی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم و تربیت سے مزین کرین، لیکن اُنکے ذرائع محدود اور آمدنی قلیل تھی اسلئے مجبوراً جان کو پادری کلارک کے اسکول مین داخل کر دیا جو این فیلڈ مین واقع تھا، اور جہان اُسکے دو مامون پہلے تعلیم حاصل کر چکے تھے، اسکول کی شہرت اچھی تھی، اور گرد و پیش کے مناظر بھی خوب تھے لیکن ناکامیان، رسوائیان، بدنامیان "روزِ ازل سے کیٹس کے لیے مقدر ہو چکی تھین۔ اسکول مین داخل ہونے کے چند ہی ماہ بعد اُسکو اپنے پدرِ بزرگوار کی اچانک وفات پر صفِ ماتم بچھانا پڑی۔ جسکا وجود اسکی محبت، مسرت اور دنیا کی ضروریات کا کفیل تھا،

اس اسکول کے علاوہ کیٹس کو کسی اور بلند پایہ درسگاہ مین شرکت کی عزت نہین حاصل ہوئی، نہ وہ کسی کالج مین داخل ہوا اور نہ اسکو کوئی علمی یا اعزازی ڈگری نصیب ہوئی لیکن اُسکے دل و دماغ پر شاعری کا ایک ابدی پرتو تھا، اُسکا قلب ادبی ذوق سے معمور تھا، وہ فطرت کیجانب سے اُن اوصاف پسندیدہ کا مالک بنایا گیا تھا جو انسان کو ایک مایۂ ناز

شاعر اور ایک عدیم المثال ادیب بنا سکتے ہین، ڈاکٹر ٹیگور نے کبھی کسی کالج مین تعلیم نہین پائی اور نہ کوئی ڈگری حاصل کی لیکن دنیا کو بخوبی معلوم ہے کہ اُنکی شاعرانہ سحر طرازیون کو زمانہ کا فنا کرنے والا زبردست ہاتھ بھی مٹا نہین سکتا۔ وہ خواہ کتنے ہی رنگ بدلے لیکن ٹیگور کے جواہر ریزیون کا رنگ کبھی پھیکا نہ ہوگا، اسی طرح کیٹس کی شاعری بھی کسی کالج یا کسی ڈگری کی ممنون نہ تھی۔ وہ فطری شاعر تھا، تعلیمی حیثیت سے صرف پادری جان کلارک کیٹس کا اولین اور آخری معلم تھا جسکی خدمت مین اُسکی عمر کی ابتدائی پانچ سال صرف ہوئے" اپنے ہمسنون مین وہ خوش خلق۔ خوش فہم، حسین، تیز مزاج مشہور تھا کبھی کبھی اُسپر رنج و محن کی تاریک گھٹائین بھی چھا جاتی تھین جو اسکے دل پر غم و الم کی بارش کیا کرتی تھین، لیکن وہ ہنس مکھ تھا اور اس پردے مین اسکا دلی انتشار پوشیدہ رہا کرتا تھا۔

کیٹس کو خدا نے تین بھائی اور ایک بہن عنایت کی تھے ان مین باہم نہایت گہری اور مستحکم محبت والفت تھی جو مرتے دم تک قایم رہی، اور جسکو کوئی دنیاوی خود غرضی نقصان نہ پہونچا سکی، کیٹس کے انتقال کے بعد اُسکے چھوٹے بھائی جارج نے کیٹس کے متعلق اپنی ایک تحریر مین اسطرح لکھا ہے،

> "مین اُسکی نیکی اور شرافت کی وجہ سے اُسکا بہت گرویدہ تھا، گو بسا اوقات وہ زیادتی بھی کر گذرتا تھا، اسکول کے زمانہ مین ہم بارہا خوفناک اور خونخوار لڑائیاں لڑے، اور میرے ساتھی شہادت دیسکتے ہین کہ ان فسادات کا بانی اکثر جارج ہوا کرتا تھا لیکن اُسکے خیالات سنہرے اور اُسکا دل صاف تھا"

یون[1] تو کیٹس کی کل زندگی مصائب اور تکالیف کا مجموعہ تھی، لیکن وہ مصیبت جسنے ایک عرصہ کے لیے ہوش و حواس سلب کر لیے اور اُسکو اسقدر رنجیدہ اور مغموم کر دیا کہ اُسکے اعضاء

---

[1] ان سطور کو مرتب کرنے مین مندرجہ ذیل کتابون کی امداد حاصل کی گئی۔

1. ENGYCLOPAEDIA BRITTANNICA
2. THE ENGLISH POET BY WARD.
3. KEETS BYS COL VIN.
4. SHELLEY BY SYMONDS.

اور احباب اُسکی ماتم گساری اور نالہ وزاری دیکھکر کف افسوس ملتے تھے، اُسکی مادر شفقہ کی علالت تھی ماں کی تیمارداری مین کیٹس نے وہ حیرت انگیز سرگرمی اور مستعدی ظاہر کی کہ دیکھنے والے تعجب کرتے تھے۔ شب و روز بستر علالت کے متصل کرسی پر بیٹھا رہتا، اپنے ہاتھ سے ماں کو دوا پلاتا کھانا پکاکر کھلاتا دل بہلنے کے لیے قصے پڑھ پڑھ کر سناتا، لیکن جام حیات لبریز ہو چکا تھا۔ رفتہ رفتہ بیماری مہلک صورت اختیار کرتی گئی انجام کار فروری سنہ ۱۸۱۰ء وہ نیک خاتون اِس دنیا سے کوچ کر گئی

اِس حادثہ جانکاہ کا تلخ ترین نتیجہ یہ ہوا کہ کیٹس کو مدرسہ چھوڑنا پڑا اور ایک ڈاکٹر کی دکان پر ایک معمولی سی ملازمت اختیار کرنی پڑی، فطرت کی یہ ستم ظریفی قابل داد ہے کہ ایک ایسے ہونہار نوجوان کو جو محض شاعری کے لیے خلق کیا گیا تھا اور جسکے دل مین ادب کی ایک مستقل اور نہ مٹنے والی چاٹ موجود تھی، ایک ایسی جگہ پھینکدیا جائے جہان ٹنکچر آیوڈین (TINCTURE IODINE اور کاپر سلفیٹ (COPPER SULPHATE کے علاوہ کوئی مذکور ہی نہو، سلسلہ ملازمت مین بھی کیٹس کا علمی ذوق برابر قایم رہا، وہ اپنے فرصت کے اوقات اسکول مین بسر کرتا رہا۔ اور اپنے مشفق دیرینہ کاوڈن کلارک COWDEN CLARKE کی صحبت مین بیٹھکر اس معصوم مشن مین سرگرم کار رہا جو اُسکی حیات کا مقصد اولین تھا، اسکول کے باغ مین کسی پرسکون کنج مین یہ دونون بیٹھ جاتے اور کتابون کے مطالعہ مین منہمک رہتے کیٹس کی یہ خوش نصیبی ہے کہ پندرہ برس کی عمر مین اسپنسر* سے اُسکا تعارف ہوگیا۔ اُسنے فیری کوئین (FAIRY QUEEN) کا مطالعہ شروع کیا جسنے اُسکی آنکھین کھولدین، اور اُسکے سامنے ایک ایسی وسیع فضا پیش کی جہان وہ دل کھولکر بلند پروازی کر سکتا تھا۔ اسپنسر کے متعلق بعض باخبر سخن سنج حضرات کی رائے ہے کہ اُسکا کلام نہ صرف نوجوانون مین شعر شاعری

---

* E. SPENSER انگلستان کے دور اول کا ایک نہایت ممتاز شاعر جو سنہ ۱۵۵۲ء مین پیدا ہوا، جسنے بی اے کی ڈگری سنہ ۱۵۷۳ء مین اور ایم اے کی ڈگری سنہ ۱۵۷۶ء مین کیمبرج سے حاصل کی، اُسکی تصنیف "فیری کوئین" ایک نہایت مقبول کلاسک ہے جو اتبک نہایت قدر و منزلت کی نگاہون سے دیکھی جاتی ہے سنہ ۱۵۹۹ء مین اسپنسر کا انتقال ہوا۔

کی محبت پیدا کر دیتا ہے بلکہ شاعرانہ حسیات کو ابھار کے غیر شاعر کو شاعر بنا سکتا ہے، چنانچہ کیٹس کے محبوب دوست چارلس براؤن کا قول نہایت مستند ہے کہ "فیری کوئین" ہی وہ کتاب تھی جسنے کیٹس کے خوابیدہ اور پنہان محسوسات مین تلاطم برپا کر دیا اور وہ خود شعر کہنے لگا یہانتک کہ آگے چلکر شاعری اُسکی حیات کا جزو لاینفک بنگئی!

لندن کی زندگی یہان سے کیٹس کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اور یہ وہ دور ہے جسنے گمنام کیٹس کو ایک عالم متبحر اور ایک نغز گو شاعر بنا دیا اور اُسکے سر پر شہرت دوام کا ایسا تاج رکھدیا جسکے جواہرات کی چمک صدیون تک چشم بصیرت کو خیرہ کرتی رہیگی۔ جان کیٹس نے اپنا وقت مطالعہ اور تیاری مین صرف کیا تھا۔ لیکن لندن مین قدم رکھتے ہی اسنے اپنے اندوختہ مواد سے کام لینا شروع کر دیا، اور یکے بادیگرے متعدد نظمین لکھ ڈالین یہ نہین بتایا جا سکتا کہ اُسکی اولین نظم کونسی ہے مگر گمان غالب ہے کہ مسٹر لی ہنٹ LEIGH HUNT کے رہائی کے متعلق اُسنے جو کچھ قلمبند کیا وہی جان کیٹس کا سب سے پہلا ادبی کارنامہ تھا ۳ فروری ۱۸۱۵ء کو لی ہنٹ جب دو سال کی قید سے رہا ہوا تو کاوڈن کلارک نے اِس ادیب اور آزاد منش سردار ملی کا شاندار خیر مقدم کیا، اور یہی شناسائی جلد ایک مستقل دوستانہ صورت مین مبدل ہوگئی اسی درمیان مین کلارک کیٹس سے ملا، اُسوقت اِس نوجوان شاعر نے اپنی اولین فکر منظوم اپنے دوست کیخدمت مین پیش کی جسکی بابت کلارک خود کہتا ہے۔

"مینے خود محسوس کیا کہ شاید یہ اولین موقعہ تھا جب کیٹس نے اپنے خیالات اور جذبات کو نظم کے سپرد کیا) اور مجھے وہ ہوشمند نگاہین اور وہ شرمگین جھجک خوب یاد ہے جو اُسوقت کیٹس پر طاری تھی، محبوب دوستون کی نگاہون مین وہ جاذبیت اور محبت ہوتی ہے جسے صرف موت زائل کرسکتی ہے"

تھوڑے ہی عرصہ بعد کلارک نے بھی این فیلڈ کو خیرباد کہا اور لندن مین آکر آباد ہوا، دونون بچھڑے ہوئے دوست جب ایک جگہہ ہوئے تو مطالعے کا سلسلہ شروع ہوا، سب سے پہلے ہومر* کو مطمح نگاہ بنایا جسکو جیب مین

---

* ہومر۔ HOMER یونانی شاعر جو غالبًا ۸۵۰ قبل مسیح کے درمیان بقید حیات تھا اُسکی دو تصنیفین الیڈ ILLIAD اور اوڈیسی ODYSSEY مشہور ہین ۱۲

CHAPMAN نے اُسی زمانہ میں انگریزی لباس پہناکر اپنے قومی لٹریچر میں ایک گرانقدر اضافہ کیا تھا۔ کیٹس ہومر کی تصنیف دیکھکر دیوانہ ہوگیا، اور چیپ مین کے شان میں اُسنے یہ قصیدہ لکھا جو اصل اُسکی ابتدائی فکر کا نمونہ ہے لیکن نہایت مقبول ہے

"میں زرین ممالک میں بہت سفر کر چکا ہوں،

اور مینے بہت سی عمدہ سلطنتیں، اور شاداب ریاستیں دیکھی ہیں!

~~میں نے بہت سے~~ مغربی جزیروں کے ارد گرد بھی چکر لگایا ہے۔

جنپر شعراء اپالو[1] کے ہم آہنگ ہو کر قابض ہیں۔

میں نے بارہا ایک وسیع مملکت کا ذکر سنا تھا

جسپر گھنی ابروؤں والا ہومر حکمرانی کرتا ہے!

لیکن کبھی اُس پاکیزہ اور لطیف نسیم میں سانس لینا نصیب نہیں ہوا یہانتک کہ

چیپ مین[2] نے آواز بلند تقریر شروع کردی،

تب اُس نجومی کی سی حالت مجھپر طاری ہوگئی جو آسمان کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے اور جسکے دائرہ

نگاہ میں یکایک ایک نیا سیارہ آجاتا ہے!

یا بہادر کارٹیز[3] کی طرح جو اپنی عقابی نما آنکھوں سے

بحر کاہل پر نظریں جمائے ہوے تھا، اور اُسکے تمام ساتھی ایکدوسرے

پر وحشت اور سراسیمگی کی نگاہیں ڈال رہے تھے! اور ڈیرین[4] میں ایک فلک نما چوٹی پر

خاموش و ساکت تھے!!!

کلارک نے یہ خوب کیا کہ لی ہنٹ کا تعارف کیٹس سے کرادیا جسکی وجہ سے اِس ہونہار شاعر کو

---

[1] اپالو - یونانی خدا ئے موسیقی و شاعری - (MEXICO)

[2] چیپ مین = انگلستان کا مستند شاعر جسنے ہومر کی تصانیف کا ترجمہ انگریزی میں کیا -

[3] کارٹیز - یہاں کیٹس ایک غلط فہمی میں مبتلا ہوا ہے، کارٹیز دراصل میکسیکو کا فاتح تھا، اور یہاں شاعر اُسکو بحر کاہل کا دریافت کرنیوالا تصور کررہا ہے!

[4] ڈیرین ایک جزیرے کا نام ہے!

بڑی مدد ملی، اور اُسکی حوصلہ افزائی ہوئی، ہنٹ ایک نہایت خوش خلق اور تعلیم یافتہ نوجوان تھا، اور اپنے دوستون پر پروانہ وار فدا ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے احباب کے وسیع دائرہ مین ایک بت کی طرح پوجا جاتا تھا، اور ہر طبقہ کے لوگ اُسکی بڑی عزت وعظمت کرتے تھے۔ چنانچہ اسیکی معرفت کیٹس کو ہملٹن، شیلی اور ہیڈن سے شناسائی کا موقع حاصل ہوا اور وہ ایک ایسے ادبی حلقہ مین داخل ہو سکا جہان بڑے نامور شعرا موجود تھے، شیلی بھی اسی محفل میں ایک رکن تھا، اور دنیائے شاعری مین اُسکی شہرت اور حشمت آج تک قابلِ رشک ہے، کیٹس بذاتِ خود دوست نواز تھا لیکن یہ امر تعجب خیز ہے کہ شیلی کی اخلاص ومحبت کے باوجود وہ اُسکا سچا اور دلی دوست نہ بن سکا۔ اور ہمیشہ بے تکلفی سے پرہیز کرتا رہا۔ کیٹس نہایت خوددار اور ذکی الحس تھا، وہ یہی سمجھتا رہا کہ میری کم مائگی اور بے بضاعتی مجھکو شیلی کی نگاہون مین ذلیل بنا دیگی، چنانچہ اس غلط فہمی سے کیٹس کا دل کبھی صاف نہو سکا، کیٹس کے خاص دوستون نے اصرار کیا کہ نظمون کا ایک مجموعہ جلد شایع کرایا جائے تاکہ بیرونی دنیا بھی محسوس کر سکے کہ آفتاب شاعری طلوع ہو چکا ہے، اور جلد ممالک قریب وبعید کو اپنی طلعت ریزیون سے جگمگانے والا ہے، پس ایک مجموعہ پریس مین دیدیا گیا۔ جو کیٹس نے لی ہنٹ کے نام نامی پر معنون کیا، اور اپنے جذبات کو ان الفاظ مین ادا کیا،

"شان وشوکت اور حسن وجمال فنا ہو چکے ہین
کیونکہ اگر ہم علی الصباح چہل قدمی کے واسطے نکل کھڑے ہون
تو ہمکو کوئی خوشبودار گجرا نظر نہ پڑیگا
جو مشرق مین تبسم سحر کا استقبال کرے!
نرم آواز والی، نوجوان اور خوش مزاج پریون کا کوئی جھمگٹ نہین جو گندھی ہوئی ٹوکریون
مین غلہ کی بالیان
گلاب و یاسمن کے پھول لائین۔
اور اوائل مئی مین نباتات کی دیوی کے مندر مین چڑھائین۔
لیکن اتنی ہی بلند پایہ خوشیان ابتک موجود ہین
مین اپنی قسمت پر رشک کرتا ہون

کہ ایسے وقت میں جب خوشگوار اشجار کے سایہ میں
پینؔ کا کوئی متلاشی نہیں۔ میں ایک آزادانہ اور سرسبز عشرت و مسرت کی حالت محسوس کر رہا
ہوں کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میں اِس نذرِ حقیر سے تجھ جیسے شخص کو محظوظ کر سکتا ہوں!

لندن کی فضا میں کیٹس کے خیالات مائل بلند پروازی ہوئے، اور یہ اُسکی خوش نصیبی تھی کہ اُسکو ایسے نامور شعرا اور ادبا کی صحبت حاصل ہوئی جسنے اُسکے ذہن رسا اور فکرِ عمیق میں چار چاند لگا دیئے اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کیٹس کو شیلی اور ہنٹ کی صحبت میں ادبی جد وجہد کا بہترین موقع ملا اور اُسکو وہ بات حاصل ہوئی جس سے مدتوں کے مطالعہ کے بعد بھی وہ محروم رہتا ہنٹ کے مکان کو فخر تھا کہ وہاں قرآن سعدین تھا یعنے انگلستان کے دو ایسے بہترین شاعر ادبی نشو ونما حاصل کرتے ایک دن افق یورپ پر نیر تابان کیطرح چمکتے لیکن دونوں جوانی کے عالم میں پیوند خاک بھی ہو گئے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم تونے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

<u>تعلقات اور خطوط</u> کیٹس ایک رقیق القلب شخص تھا جسکے دل میں رحم ہمدردی اور محبت والفت کا دریا موجزن تھا، وہ اپنے بھائیوں اور بہن کا سچا پرستار تھا، اور اُنکی تکلیف دیکھکر تڑپ جاتا تھا، سب سے زیادہ اپنے چھوٹے بھائی جارج کا گرویدہ تھا۔ کیونکہ دونوں نے ایک ہی اسکول میں تسلیم حاصل کی تھی اور ایک ہی آب وہوا میں ابتدائی زندگی بسر کی تھی۔ زندگی کے پُر لطف دور میں داخل ہونے کے چند سال بعد جب جارج نے شادی کی اور امریکہ میں آباد ہونے کی طیاری شروع کر دی تو کیٹس اپنے بھائی سے ملنے آیا، یہ خیال اُسکو مارے ڈالتا تھا کہ اُسکے مختصر سے خاندان میں بھی تفریق ہونے والی ہے، اور اُسکا عزیز بھائی جیتے جی اُس سے جدا ہونے والا ہے ان جذبات نے اُسکے دل ودماغ پر قبضہ کر لیا۔ اِسی زمانہ میں اُسنے اپنے ایک دوست کو خط لکھا جسکا آخری فقرہ یہ تھا "زندگی تو گزار نا ہی ہے لیکن یہ خیال نہایت اطمینان بخش ثابت ہوا کہ میں مرنے سے قبل چند نظمیں لکھ لونگا"۔

کیٹس نے اپنے بھائی بہن کے نام جسقدر خطوط لکھے۔ سب میں ایک قسم کا بے خبر مستانہ پن برادرانہ شفقت اور ہنسی خوشی کی لہر موجود ہے، اور لفظ لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا دل کسقدر خلوص

لہ پین۔ PAN یونان کے عہدِ قدیم کے ایک دیہاتی دیوی جسکو باغات اور صحرا کی ملکہ کہتے ہیں اور جسکی ہیئت کذائی نصف انسانی اور نصف حیوانی مانی گئی ہے۔

اور محبت سے لبریز تھا، اور اُسکی تقریر کسقدر تصنع سے دُور ہوتی تھی، ایک خط مین لکھتا ہے،

"ہمین تمکو معلوم ہے کہ چار ماہ سے ہمکو جارج اور اُسکی چہیتی بیوی کا کچھ حال معلوم نہین ہوا، خدا جانے وہ اُس دور دراز ملک مین کیا کر رہا ہے! اور کیون خاموش ہے؟

مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ جارج گو زندہ ہے، لیکن ہماری نظرون سے عمر بھر کے لیے پوشیدہ ہو گیا، مجھے وہ دن خوب یاد ہین جب مین اُسکے ساتھ مدرسہ مین پڑھتا تھا اور اُسکے تحمل و بردباری سے فائدہ اُٹھایا کرتا تھا"

کاوڈن اُسکا قدیم ترین دوست تھا لیکن تمام عمر کوئی ایسی وجہ پیدا نہوئی کہ انکے باہمی تعلقات مین کچھ بھی فرق نہ آتا۔ کیٹس کی موت کے بعد ہی کلارک نے عمر بھر اُسی کا کلمہ پڑھا۔

ایکمرتبہ اُس دائرہ احباب مین ایک سنگین شکر رنجی ظہور پذیر ہوئی جسکے متعلق کیٹس نے بیلی کو یہ خط لکھا۔

"چند روز کا ذکر ہے کہ نہایت پریشان کن واقعات پیش آئے، تمنے تو سُن لیا ہوگا۔ رینالڈ اور ہیڈن دونون برسرپیکار ہین اور ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔ ہیڈن اور ہنٹ کے درمیان مین بھی یہی غیر خوشگوار حادثہ پیش آیا۔ یہ بُری بات ہے، انسانون کو ایک دوسرے کی کمزوریون کا خیال رکھنا چاہئے، دنیا مین کوئی ایسا شخص نہین جسکی کمزوری اور خامی پر ہم حملہ نہ کرسکین، بہتر سے بہتر انسان مین نیکی کا صرف ایک مختصر سا جز ہوتا ہے۔ ایک قسم کا روحانی خمیر جو حیاتِ انسان مین اُبال پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے انسان حرکت کرسکتا ہے نبرد آزما ہو سکتا ہے اور مصائب کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ بیلی! بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان کی کمزوریان معلوم کی جائین اور بعد مدافعت کیجائے۔ اسکے بعد بھی وہ اگر تمکو اپنی جانب کھینچے تو رشتۂ محبت کو توڑنا آسان نہین ہے لیکن رینالڈ اور ہیڈن سے ملاقات کرنے سے قبل مینے اُنکی خامیان سمجھ لین تھین دونون سے واقف ہونے کی وجہ سے مین دونون مین ملاپ پیدا کر رہا تھا، شاید مین پھر دونون مین محبت پیدا کرسکون اور اس طوفان کے دُور ہونے کے بعد وہ دونون ایک دوسرے کی خوبیان ہی یاد رکھین گے"

آتشِ عشق | عشق اور شاعری ان دو الفاظ مین کیٹس کی تمام دنیا مضمر تھی، اُسنے اِن دونون کی

عمر بھر پرستش کی اور اُن پر جان تک نثار کر دی، لیکن کیٹس کی بدنصیبی تھی کہ نہ شاعری اُسکو راس آئی اور نہ حسن وعشق مین وہ شاد کام و بامراد رہا۔ پبلک نے اسکی کسی کتاب کا خیر مقدم نہ کیا اسلیے وہ ہمیشہ مفلس اور تنگدست رہا "رہا کوچۂ عشق" سو اس بازار مین اُسکے دل پر داغ کا کوئی عاشق نواز گاہک نہ پیدا ہوا، اُسکا درد بھرا دل ایسا مٹا کہ خاک تک باقی نہ رہی اُسکو ایسا روحانی صدمہ پہونچا جسنے اُسکو موت کے گھاٹ اوتار دیا،

اُسنے خود ایک مرتبہ درد آفرین آواز سے کہا تھا۔

"نظم، شہرت، اور حُسن ضرور نہایت سخت ہین۔

لیکن موت سخت تر ہے ——— موت زندگی کا ایک بیش بہا انعام ہے!

کیٹس کی داستان محبت نہایت دلچسپ ہے، اسلیے ہم اس کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے! اسکاٹ لینڈ سے واپس ہونے کے بعد جب کیٹس اپنے بھائی کی تیمارداری مین مصروف تھا۔ تو اُسکے آئینۂ دل مین ایک حسین تصویر نظر آتی تھی جو اسکی تمناؤن کا مرکز بنی ہوئی تھی وہ فینی براؤن کے دامِ محبّت مین اسیر ہو چکا تھا، فینی براؤن ایک مجسمۂ حُسن تھی اور کیٹس پرستار حُسن، فینی براؤن سراپا شعریت تھی، اور کیٹس ایک حسن پرست شاعر؛

غرض کیوپڈ کا تیر، کیٹس کے دل وجگر سے پار ہو چکا تھا، اور وہ پروانہ وار سوز محبت سے بیقرار تھا، اُسنے خود ایک نظم مین اپنی دلی کیفیات کی تصویر کھینچی ہے، لکھتا ہے،

"مین موت کو برداشت کر سکتا ہون، یا خدا! لیکن مین اُس سے کنارہ کشی اختیار نہین کر سکتا، ہر وہ شے جو میرے کمرے مین موجود ہے، اور جو اسکی یاد تازہ کرتی ہے ایک خونخوار بھالے کا کام کر رہی ہے وہ ریشمی استر جو اُسنے میری سفری ٹوپی مین چسپان کیا تھا میرے سر کو جلائے ڈالتا ہے میرا تخیل اُسکے متعلق نہایت خوفناک طریقہ سے صحیح اور روشن ہے، مین اُسکو دیکھ رہا ہون، اُسکی آواز سُن رہا ہون، برآؤن! میرے سینہ مین شعلے دہک رہے ہین، اور مجھے حیرت ہے کہ انسان [illegible]

*

"اسقدر تکلیف برداشت کرنیکا اہل ہے"

لیکن اس تعشق کے باوجود کیٹس کے دوستون کا خیال تھا کہ یہ دوشیزہ کیٹس کے لیے ایک مخلص شریک زندگی ثابت نہین ہو سکتی، اور یہ اچھا ہوا کہ اس ابتدائی محبت نے شادی وخانہ آبادی کی صورت اختیار نہین کی ہان اس دلی تعلق سے اتنا تو ضرور ہوا کہ کیٹس کے جذبات نظم کی صورت مین رونما ہونے لگے لیکن اس درمیان مین اُسنے اپنے بھائی اور دوستون کو جو خطوط لکھے وہ اس چاشنی محبت سے بالکل معرا ہین، اور اگر کہین فینی کا ذکر بھی ہے تو نہایت سرسری اور مختصراً اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ اُسکے احبا، واعزا اس رشتہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے وہ اس دوشیزہ کو کیٹس کے لیے ناموزون خیال کرتے تھے۔ دنیا مین کوئی ایسا ہمدرد نہ تھا جس کو کیٹس اپنی داستان درد سُناتا اور دل کا بخار نکال لیتا۔ اس حالت مین کیٹس کے لیے سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے جذبات آتشین کو دبائے رکھے اور دل ہی دل مین پیچ وتاب کھاتا رہے۔ اس رازداری کا یہ اثر ہوا کہ کیٹس کے بہت سے دوست اس معمہ سے بالکل بے خبر تھے، حتی کہ سیورن SEVER.N جو کیٹس کا ایک نہایت مخلص اور محبوب رفیق تھا مرتے دم تک اس واقعہ سے ناآشنا رہا؛

ناکامی اور موت اس جانگداز ناکامی اور روح فرسا مایوسی کے بعد کیٹس کی حیات کا آخری دور شروع ہوتا ہے جو بدقسمتی سے تاریک ترین ہے اور جسنے اُسکو پیوند خاک ہی کرکے چھوڑا، محبت کے طوفانی جذبات پژمُردہ ہو چکے تھے اور اُسکے بھائی جارج کی جدائی نے اُسکا آبگینہ دل بالکل چورچور کر دیا تھا جو اپنی بیوی کے ساتھ امریکہ مین آباد ہو چکا تھا، یہ وہ عزیز بھائی تھا جسپر کیٹس کو اعتماد کامل تھا اور جسکی ہمدردی اور مدد نے اُسکو بارہا روحانی طمانیت بخشی تھی۔ علاوہ ازین اسکاٹ لینڈ کے طول وطویل سفر نے اُسکی ناتوان صحت کو سخت نقصان پہونچایا، اور تپ دق کی وہ مہلک بیماری جو پوشیدہ طور سے اُسکے نظام عصبی مین پیوست ہو چکی تھی نمایان طور سے ظاہر ہونے لگی اور اُسے خود یقین ہو گیا کہ میری موت کے دن دور نہین۔

براؤن کا بیان ہے کہ۔ " ایک شب گیارہ بجے کے وقت وہ مکان مین داخل ہوا، اُسوقت اُسپر ایک خوفناک نشہ کی سی حالت طاری تھی، ایسی حالت جو اُسپر کبھی طاری نہ ہو سکتی تھی، اسلیے اور زیادہ پُرخطر تھی، مین نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ کیا اسکو بخار آگیا؟

"ہان ہان! مین آج باہر نکل گیا تھا مجھے سخت زکام ہو گیا لیکن اب اچھا ہون، ہان! قدرے بخار ہے۔ پھر مین نے کہا سو رہو، وہ سونے کے کمرے مین چلا گیا، مین بھی اُسکے سونے کے کمرے مین داخل ہوا، تکیہ پر سر رکھنے سے قبل ہی وہ کھانسنے لگا، اور تعجب سے کہنے لگا "یہ خون ہے جو میرے منھ سے نکلا۔ مین اُسکے قریب گیا، وہ چادر پر ایک خون کے قطرے کو دیکھ رہا تھا پھر مجھسے مخاطب ہو کر بولا، براؤن! ذرا شمع لاؤ مین اس خون کو دیکھون، پھر ایک پرسکوت انداز سے مجھے دیکھنے لگا، کیٹس کی اس نگاہ کو مین نہین بھول سکتا۔ مجھے اسکے یہ فقرے بھی یاد رہین گے ....، مین اس خونی رنگ کو خوب پہچانتا ہون، یہ صاف خون ہے، مجھے دہوکا نہین ہو سکتا، یہ خونی قطرہ میری موت کا پیش خیمہ ہے، میری موت آ چکی ہے ...."

کیٹس کا نخل حیات دو شرر بار شعلون کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا، "شعلۂ عشق" جسنے اُسکے قلب اور جگر کو اول مجروح کیا اور بعدہٗ جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا، آتش مرض جو رفتہ رفتہ اُسکے جسد خاکی میں لگ رہی تھی، اور کوئی دنیاوی طاقت اسکو ان سے بچا نہین سکتی تھی، تفریح مزاجی جو کیٹس کی ایک امتیازی خصوصیت تھی فنا ہو چکی تھی، اور اُسکے دل و دماغ پر ایک ابدی پژمردگی اور افسردگی چھا رہی تھی؛ براؤن نے ہر ممکن طریقہ سے اپنے دوست کی مدد کی، اُسکو تسلی اور تشفی دی۔ اُسکو صحت کی اُمید دلائی لیکن کیٹس کے قلبی زخم ان دواؤن سے مندمل نہو سکے، گو ظاہرا وہ خوش خوش نظر آتا تھا لیکن اُسکا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا، اُسکے پہلو مین ایک زہر آلود تیر پیوست ہو چکا تھا، وہ ساکت تھا اور خاموش لیکن اُسکے فضائے تخیل مین صرف فینی کے حسین خط و خال کی حکومت تھی جسکی مفارقت اُسکے قلب مجروح کو پاش پاش کیے ڈالتی تھی،

اُسکی علالت نے اطبا کو اول اول دہوکے مین رکھا جنکی رائے یہ تھی کہ اُسکے پھیپھڑے خراب نہین ہین اور صرف آرام اور دماغی سکون اُسکو صحت یاب کر سکتا ہے،

نامزد فینی اسے روزانہ دیکھنے آتی تھی، اور بظاہر یہی ایک سہارا تھا جسپر اسکی زندگی کا دارومدار تھا، کچھ عرصہ بعد جب مرض نے اُسپر قبضہ کر لیا، اور اُسکی موت قریب نظر آنے لگی تو تقدیر نے یاوری کی اور دونون عاشق و معشوق ایک ہی مکان مین رہنے لگے، اِس قربت سے

کیٹس کو وہ روحانی شادمانی حاصل ہوئی جسکی اُسکو مطلق توقع نہ تھی - وہ ہنٹ کے مکان مین اقامت گزین تھا، تو ایکدن ملازم کی غلطی سے فینی کا ایک محبت نامہ کیٹس کو دو دن بعد کھلا ہوا ملا - اِس ناقابل عفو گستاخی پر وہ نہایت برافروختہ ہوا اور چاہتا تھا کہ اس مکان کو چھوڑ دے - فینی کو معلوم ہوا تو کیٹس کو اپنے گھر لے آئی اور اُسکی تیمار داری مین ہمہ تن مصروف ہوگئی - چنانچہ اس طریقہ سے اِس حرمان نصیب کیٹس کو فینی کی کاکل شکین سے مشام نوازی کا موقعہ حاصل ہوا اور اُس عنبر فشان چاردیواری مین سانس لینا نصیب ہوا جسکو پیاری فینی کے خرام ناز نے رشک ارم بنا رکھا تھا ،

موسم بہار کی طرح یہ عیش و عشرت کا زمانہ بھی جلد ختم ہوگیا ، اور ڈاکٹرون کے مشورے کے مطابق کیٹس کو اٹلی کے سفر کے واسطے طیار ہونا پڑا اسکو یقین تھا کہ براؤن اُسکا شریک سفر ہوگا لیکن اتفاقاً کیٹس کے خطوط براؤن کے پاس اُسوقت پہونچے جب وہ سیورن کے ہمراہ روانہ ہوچکا تھا ، ابتداءً اس نوجوان شاعر کی صحت پر سمندر کی ہوا نے بہت خوشگوار اثر کیا ، اُسکے چہرے پر سرخی آگئی ، اُسکی بھوک بڑھنے لگی اور اُسکی افسردگی خوش طبعی سے مبدل ہوچلی - جنیوا مین ایک ہفتہ تک وہ نہایت تندرست اور بشاش رہا - اور سیورن کو یقین ہو چلا کہ اُسکا دوست جلد صحت کامل حاصل کرکے وطن کو واپس ہوگا لیکن موت گھات مین تھی اور موقع ڈھونڈھتی تھی کہ اسکو اسی زمین مین خاک کا پیوند بنا دون ؛

ایک ہفتہ بعد یہ مختصر سا قافلہ روم پہونچا اور ڈاکٹر کلارک کے گھر مین مقیم ہوا ، ابتک کیٹس کی حالت بہت امید افزا تھی ، اور وہ خود محسوس کر رہا تھا کہ اُسکے وجود مین ایک نمایان اور دل خوش کن تبدیلی پیدا ہو رہی ہے - لیکن اچانک بادِ صرصر کے ایک تیز جھونکے نے اِسکی جھلملاتی ہوئی شمع امید کو گل کردیا ، اور بستر علالت پر ایسا گرا کہ پھر اُٹھنے کی نوبت نہ آئی ، مرض سل اپنے تمام خوفناک اثرات کے موجود تھا اور کرب و بے چینی کی شدت سے اُسکی روح تحلیل ہو رہی تھی سیورن نے اپنے غریب الوطن دوست کی خدمت اور تیمار داری مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا

"سیورن ! .... مین ...... مجھے اُٹھاؤ .... مین مر رہا ہون

.... مین جلد اور آسانی سے مر جاؤن گا .... خوفزدہ مت ہو ....

دل مضبوط کرو .... اور خدا کا شکر ادا کرو کہ وقت آگیا"

یہ تھے اُس آخری نغمے کے اجزا جو اس مرغ خوش الحان کی زبان سے نکلے اور جس کے بعد اسکی زبان ہمیشہ کے لیے بند ہوگئی ؛

دنیائے ادب کے لیے کیٹس کی موت ایک ناگوار سانحہ تھی بشیلی کے جذبات پر اس لدو واقعہ کا ایک خاص اثر پڑا اسنے اپنے دوست کی وفات پر ایک نہایت پر درد مرثیہ* لکھا جو انگریزی لٹریچر مین آج تک عدیم المثال شمار کیا جاتا ہے اور جسکو پڑھکر لوگ مسحور و بیخود ہو جاتے ہین! وہ سرد آہ بھرکر کہتا ہے۔

(۱)

"ایڈونس کا ماتم کرو، وہ مرچکا

رنجیدہ ماں! بیدار ہو، اُٹھو اور گریہ وزاری کرو،

لیکن کیون؟ آتشین آنسوؤں کو اُنکے جلتے ہوئے بسترون مین جذب کرو،

اور اپنے نالہ و شیون کرنیوالے دل کو اُسکی طرح

ایک خاموش اور نہ شکایت کرنے والی نیند مین مبتلا کر دو،

کیونکہ وہ وہان جاچکا جہان سے عقل و حسن کی ریزش ہوتی ہے!

اسکا خواب و خیال بھی دل مین نہ لاؤ کہ محبت آفرین سمندر اُسکو پھر تر و تازہ ہوا کے سپرد کردے گا۔

موت اُسکی صامت آواز سے غذا حاصل کرتی ہے، اور ہمارے پاس پر خندہ وزن ہوتی ہے،

(۲)

تیرا سب سے چھوٹا اور عزیز بچہ فنا ہوچکا،

جو تیری بیوگی کا آرام تھا!

جو ایک مدنہ پھول کی طرح بڑھا، جسکو کسی غمگین دوشیزہ نے پرورش کیا،

اور جسکی غذا بجائے شبنم کے محبت کے آنسو تھے؛

---

* اس مرثیہ کا عنوان (ADONAIS) ہے۔

اے موسیقی سے واقف ماتم دار! پھر نالہ و زاری شروع کر،

تیرا غنچۂ اُمید جو نہایت حسین تھا اور آخری بھی

وہ غنچۂ حیات جسکی پتیاں شگفتہ ہونے سے قبل پریشان ہوگئین

اور جو پھل کے امید مین ہلاک ہوا، تباہ ہوگیا ——

پژمردہ گل نیلوفر پڑا ہے —— طوفان ختم ہو چکا —— !!!

ذاتی خصوصیات — لندن مین آنے سے قبل کیٹس ایک غیر معروف باغ کا پھول تھا جسکی عطر بیزی سے پبلک کو مستفید ہونیکا کبھی موقعہ حاصل نہین ہوا، یہ محض خوش قسمتی تھی کہ وہی نونہال جسکو کامل غور و پرداخت بھی نصیب نہوئی اپنے آپکو ایسے حلقہ مین پاتا ہے جہان اُس دور کے نامور علما و فضلا موجود تھے، اور جہان شب و روز ادب کے خدمت ہوتی تھی۔ بعض خوش عقیدہ احباب یہ بھی کہتے تھے کہ اُس کے خط و خال مین وہ چمک، دمک موجود تھی جو ہر فرد بشر کو اپنی جانب متوجہ کرلیتی تھی، کیٹس کا ایک دوست ہیڈن اسکے متعلق کہتا ہے کہ کسی کھیت مین ہوکر کیٹس مین ایک غیر معمولی شان و شوکت پیدا ہوجاتی ہے، شہد کی مکھیون کی آواز دن خوبصورت پھولون کے نظارون اور آفتاب کی خوبصورت کرنون سے اسکے افسردہ جذبات مین ایک تازگی آجاتی ہے، آنکھون کی طرح رخسار بھی سرخ ہو جاتے ہین۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کی حسین اور معصوم دیوی اسکو عالم بالا مین لیے جا رہی ہے۔

کیٹس عورتون کی صحبت مین کبھی خوش نہ ہوتا تھا حالانکہ شاعری کو عورت سے خاص مناسبت ہے لیکن اسکو صنف لطیف سے نفرت بھی نہ تھی، وہ اپنی مان کا ایک سچا خادم اور مستعد پرستار تھا، اُسنے اپنی اکلوتی بہن کو ہمیشہ محبت اور احترام کی نگاہون سے دیکھا۔ اُسنے اپنے بھائی کی بیوی کی ہمیشہ قدر و منزلت کی، وہ خود ایک نازنین کا فرادا کے تیر نگاہ سے گھائل ہو چکا تھا اور تمام عمر آتش عشق مین مبتلا رہا، لی ہنٹ، براؤنگ، ہیڈن، کلارک یہ چارون کیٹس کے خاص دوست تھے اور اس محدود دائرۂ اخلاص کی روح روان کیٹس تھا جسنے اپنی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی سے ہر فرد کو اپنا شیدا بنا لیا تھا کیٹس ایک غیر معمولی ذکاوت اور فراست لیکر دنیا مین آیا تھا اور اُسکے حکیمانہ نکات اور عالمانہ لطائف اگر شائع کیے جائین تو یقین ہے کہ ادبیات مین قابل قدر اضافہ ہو سکتا ہے۔

تماشائی

بھاشا اور اُسکے نورتن

(۲)

سُورداس

جس طرح تلسی داس کی شاعری نے ہر ایک ہندو کو رام بھگتی کی طرف مائل کر دیا ہے اُسی طرح سورداس کی دلکش شاعری نے عوام کو سری کرشن جی کا گرویدہ بنا رکھا ہے، سورداس سری کرشن جی کے مخلص پرستار، اور اطاعت کیش، بندۂ محبت تھے، انکا کلام عاشقانہ جذبات کا مرقع اور واردات قلبی کا آئینہ ہے، مشہور ہے کہ شہنشاہ اکبر کو انکی بھجنین بہت پسند تھین اور وہ اکثر لوگون سے انھین کے کلام کی فرمایش کیا کرتا تھا، سورداس ۱۴۸۳ء[1] مین دلی کے قریب سیہی مین ایک غریب برہمن رام داس کے گھر مین پیدا ہوے، ابتدائی مین انکا نام سورچند تھا لیکن قسمت مین لکھا تھا کہ سور، سور ہوکر کور باطنون کے لیے شمع ہدایت ثابت ہو، چنانچہ یہی ہوا،

یہ سن شعور تک پہنچتے پہنچتے نابینا ہو گئے[2]، یہ سری ولبھ سوامی کے معتقد اور مذہب ولبھ آچاریہ کے پیرو تھے، سری کرشن جی کی بھگتی کو ماحصل زندگی سمجھتے تھے، اور ساری عمر اسی سوز وگداز مین بسر کی، آخر کار ۱۵۶۳ء مین دنیا اور دنیا کے تعلقات سے منھ موڑ کر اس عالم مین چلے گئے جہان زندگی موت کی کشمکش سے بے نیاز ہے:

سورداس کی بہترین یادگار سور ساگر ہے، جسمین کہین اپنے بُرے اعمال پر اظہار افسوس ہے کہین حمد کے ترانے ہین، اور کہین عاشقانہ رنگ مین تصوف کے دریا موجزن ہین، یقیناً بھاشا شاعری مین انکا وہی رتبہ ہے جو میر تقی کو اردو شاعری مین نصیب ہے۔ غالب نے میر کے متعلق لکھا ہے۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ   آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہین

---

[1] بہت سی کتابون مین آپکی جاے پیدایش ... [illegible] ...
برا نمونہ ... [illegible]

سورداس کے متعلق بھی کسی شاعر کا قول ہے، ے

تتو تتو سورا کہی تلسی کہی انوٹھ
बचो खुचो कबीरा कही और कही सब झूठ।
بچی کھچی کبیرا کہی اور کہی سب جھوٹھ
तत्व तत्व सूरा कही तुलसी कही अनूठ ।।।।

یعنی شاعری کا جوہر سور نے حاصل کیا۔ تلسی داس کے حصہ مین ندرت اور جدت طرازی آئی، جو کچھ ان دونون سے بچ گیا تھا کبیر داس نے پایا۔ اور ونکی شاعری شاعری نہین بلکہ جھوٹی بکواس ہے،

سور سوریہ تلسی ششی اوڈگن کیشو داس
सूर सूर तुलसी शशी उडुगन केशवदास ॥
ابکے کوی کھدوت سم جہنہ تہنہ کرہین پرکاش
अबके कवि खद्योत सम जहँ तहँ करहिं प्रकाश ॥

یعنی سورداس شاعری کے آفتاب اور تلسی داس ماہتاب اور کیشو داس ستارے ہین ابکے زمانہ مین شاعر جگنو کی طرح ہین جو کبھی کبھی چمک اٹھتے ہین۔

سورداس کا شمار اشٹ چھاپ کے کویون مین بھی ہے، لیکن یہ قیاس صحیح نہو گا کہ اشٹ چھاپ مین شامل ہونے سے انکی وقعت بڑھگئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انکی شرکت سے اشٹ چھاپ مین چار چاند لگ گئے، برج بھاشا کی پہلی شان آپ چند بروائی کے نمونہ کلام مین ملاحظہ فرما چکے ہین اب تقریباً ۰۰ ۳ سال کے بعد جس رنگ مین جلوہ گر ہے ملاحظہ فرمائیے کتنی دلفریب صورت اختیار کر چکی ہے،

بندون شری ہری پد سکھدائی
बन्दौं श्रीहरिपद सुखदाई ॥
جاکی کرپا پنگ گر لنگھے اندھرے کو سب کچھ درسائی
जाकी कृपा पंगु गिरि लंघै अँधरे को सब कुछ दरसाई ॥
بہرو سنے گونگ پونی بولے رنک چلے سرچھتر دھرائی
बहिरो सुनै गूंग पुनि बोलै रंक चलै सिर छत्र धराई ॥
سورداس پربھو کی شرناگت بار بار نموتے پائی
सूरदास प्रभु की शरणागत बार बार नमो तेहि पाई ॥

ہندوؤن کا عقیدہ ہے کہ خدا کے دو روپ ہین۔ ایک نراکار (غیر مجسم) دوسرے ساکار (مجسم) اسیوجہ سے سری کرشن یا رام چندر جی کو خدا کا اوتار یا ساکار روپ مین ایشور مانتے ہین۔ ساکار صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سورداس سری کرشن جی کے تصور مین فرماتے ہین،

یعنی مین اُس خدا کے آرام دینے والے قدمونکی عبادت کرتا ہون جنکی مہربانی سے لنج باوجود مجبوری پہاڑ کو

۱؎ اصل جوہر ۲؎ سورج ۳؎ چاند ۴؎ تارے ۵؎ جگنو ۶؎ روشنی ۷؎ آٹھ ۸؎ کامیاب مستند اور نامی شاعرون کا گروہ ۹؎ لنج ۱۰؎ پہاڑ ۱۱؎ پھاند جائے ۱۲؎ دکھائی دے ۱۳؎ بھی ۱۴؎ غریب ۱۵؎ پناہ ۱۶؎ سرجھکانا۔

چھا ندجائے اور اندیشہ کو تمام چیزین نظر آنے لگین، بہرا آدمی سننے لگے اور گونگا بولنے لگے غریب اپنے سر پر چتر شاہی لگا کر چلے اُسکے پناہ مین آنیکی بس یہی تدبیر ہے کہ بار بار عبادت مین اسکے آگے سر جھکایا جائے

ترغیب عبادت کا اس سے بہتر اسلوب کیا ہو سکتا ہے کہ خدا کی ان طاقتون کا اظہار کیا جائے جسکی وجہ سے ناممکن بات ممکن ہو سکتی ہے کیونکہ انسان فطرتاً اوسی کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہوتا ہے، جسکی ذات سے اسکی امیدین وابستہ ہوتی ہین،

تقدیر کے متعلق اپنے عقیدہ کو یون ظاہر فرماتے ہین اور پھر کیسی کیسی زبردست مثالون سے اسے ثابت کرتے ہین،

करम गति टारेहु नाहिं टरे ॥
کرم گت ٹار ےیو ناہین ٹرے

कहाँ वे राहु कहाँ वे रवि शशि आनि संयोग परे ॥
کہان وے راہو کہان وے رب شششی آن سنجوگ پرے

गुरु वशिष्ठ पण्डित अति ज्ञानी रचि पचि लगन धरे ॥
گرو بششٹ پنڈت اتی گیانی رچ پچ لگن دھرے

पिता मरन अरु हरन सिया को बन में विपत परे ॥
پتا مرن ارو ہرن سیا کو بن مین بپت پرے

भारत में भरुहूल को अण्डा घंटा टूटि परे ॥
بھارت مین بھرودول کو انڈا گھنٹا ٹوٹ پرے

हरिश्चन्द्र से दानी राजा नीच को पानी भरे ॥
ہرشچندر سے دانی راجا نیچ کو پانی بھرے

तीन लोक भावी के बस में सुर नर देह धरे ॥
تین لوک بھاوی کے بس مین سُر نر دیہہ دھرے

सूरदास होनी सो होय है काहे को शोच करे ॥
سورداس ہونی سو ہوئیگی کاہے کو سوچ کرے،

یعنی جو کچھ تقدیر مین لکھا ہوتا ہے وہ ٹالنے سے نہین ٹل سکتا دیکھو کہان راہو اور کہان چاند سورج دونون مین بڑا فرق ہے مگر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ راہو کے سبب سے چندر گرہن اور سورج گرہن پیدا ہو جاتا ہے بششٹ جی جو رام چندر جی کے اُستاد تھے اُن سے بڑھکر اور کون پنڈت ہو سکتا ہے اُنہون نے بہت سوچ بچار کر راج تلک کا وقت مقرر فرمایا مگر اسکا اثر دیکھو کہ باپ مرا، سیتا جی کو راون لے گیا اور بن مین سیکڑون قسم کی آفتین آئین، مہابھارت مین بھرودول (چڑیا) ایسی کمزور ہستی کے انڈے کو بچانے کے لیے ہاتھی کا گھنٹا (تیری قدرت سے) اسپر ٹوٹ پڑا اور ایسے معرکہ عظیم مین اُس ضعیف اور کمزور چیز کو گزند نہ پہونچا

۱؎ ایک تارے کا نام ہے جسکی بابت ہندوؤن کا خیال ہے کہ جب یہ سورج یا چاند کو گرفت کرتا ہے تو چندر گرہن یا سورج گرہن لگتا ہے ۲؎ سورج
۳؎ چاند ۴؎ انداز ۵؎ دھ ۶؎ سوچ بچار کر کے ۷؎ بچایا ۸؎ مراد مہابھارت ۹؎ ایک چھوٹی چڑیے کا نام ۱۰؎ یا بن ۱۱؎ رہتی ہے ۱۲؎ گونگی ۱۳؎ قسمت ۱۴؎ دیوتا

ہر شیچند ایسا سخی بادشاہ قسمت کی تحریر کے بموجب ڈوم کے گھر بکا اور اسکا پانی بھرنا پڑا، تینون لوکون مین تقدیر کی حکومت ہے، آدمی تو آدمی دیوتا بھی قسمت سے مجبور ہین، سورداس کیون جان کھپاتے ہو ہونیوالی بات ہوکر رہیگی،

سورداس کا ناصحانہ کلام بھی اسقدر دلکش اور مدلل ہوتا ہے، کہ نصیحت کی تلخی پر طرز بیان کی شیرینی غالب آجاتی ہے، ایک جگہ بُری صحبت سے اجتناب، اور بُرے لوگون کی تلقین اور تعلیم کے متعلق فرماتے ہین،

تجھو من ہری بیمکھن کو سنگ
तजो मन हरि विमुखन को संग ॥

جنکے سنگ کو بدھ اوپجت ہے پرت بھجن مین بھنگ
जिनके संग कुबुधि उपजत है परत भजन में भंग ॥

کہا ہوت پے پان کرائے بش نہین تجت بھجنگ
कहा होत पय पान कराये विष नहिं तजत भुजंग ॥

کاگ ہی کہا کپور چگائے سوان نہائے گنگ
कागहि कहा कपूर चुँगाये स्वान न्हवाये गंग ॥

کھر کو کہا ارگجا لیپن مرکٹ بھوشن انگ
खर को कहा अरगजा लेपन मरकट भूषन अंग ॥

گج کو کہا نہائے سرتا بہور کھیہ دھرانگ
गज को कहा न्हवाये सरिता बहुरि खेह धरै अंग ॥

پاہن پتت بان نہین بیدھت ریتو کرت نشنگ
पाहन पतित बान नहिं वेधत रितो करत निषंग ॥

سورداس کھل کاری کامری چڑھت نہ دوجو رنگ
सूरदास खल कारी कामरि चढ़त न दूजो रंग ॥

یعنی اے دل تو خدا سے انکار کرنے والون اور منافقون کا ساتھ چھوڑ دے، جنکے ساتھ رہکر بُری عقل پیدا ہوتی ہے (یعنی بُرے کام کی تحریک ہوتی ہے) اونکی صحبت خدا کی عبادت مین خلل انداز ہوتی ہے، اگر تیرا خیال یہ ہو کہ یہ تیری نصیحت سے راہ راست پر آجائینگے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ تجکو معلوم ہے کہ سانپ دودھ پلانے سے اپنی زہریلی خاصیت کو چھوڑ نہین سکتا، کوے کو کافور کا استعمال مفید نہین کرسکتا کتا گنگا مین نہاکر پاک نہین ہوسکتا، گدھے کو اگر خوشبودار اوبٹن ملین اور بندر کو گہنا پہنائین تو سوائے اسکے کہ گدھا پھر دھول مین لوٹکر خوشبودار اوبٹن کو خاک ملادے، اور بندر گہنا نوچ توڑکر زمین پر پھینکدے اور کچھ فائدہ نہین، ہاتھی کو تالاب مین نہلائین اور اُس سے صاف رہنے کی اُمید رکھین تو یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ وہ پھر اپنے جسم پر دھول پھینکیگا، پتھر پر تیر مطلق اثر نہین کرسکتا تو فضول ترکش کو خالی کررہا ہے سورداس کہتے ہین کہ بدطینت کالی کملی کی مانند ہین جسپر کوئی دوسرا رنگ نہین چڑھ سکتا ان کو بھگتی

لہ چھوڑ دے ۲ہ شکی ۳ہ دو ... ۴ہ سانپ ۵ہ کوا ۶ہ کتا ۷ہ گدھا ۸ہ خوشبودار ۹ہ اوبٹن ۱۰ہ بندر ۱۱ہ تالاب ۱۲ہ پھر ۱۳ہ دھول ۱۴ہ پتھر ۱۵ہ نیچے گرا ہوا ۱۶ہ خالی ۱۷ہ ترکش ۱۲

اور عبادت کا وعظ سنانے سے کچھ فائدہ نہین ہوسکتا،

سعدی علیہ الرحمہ نے بھی گلستان مین، تربیت نا اہل کے متعلق اچھی اچھی مثالین تحریر کی ہین، ایک جگہ نہایت واضح اور دلکش انداز مین فرماتے ہین،

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود ✤ چون بیاید ہنوز خر باشد
سگ بدریائے ہفتگانہ بشوے ✤ چون کہ تر شد پلید تر باشد

فرماتے ہین اگر عیسیٰ علیہ السّلام کا گدھا مکہ مین جائے تو اسمین کوئی تقدس نہ پیدا ہوگا، بلکہ وہان سے آنیکے بعد بھی گدھا ہی رہیگا، اور اگر کتے کو سات دریاؤن غوطہ دین تو بھی وہ پاک نہین ہوسکتا بلکہ بھیگنے کے بعد اسکی نجاست بڑھ جائیگی،

ایک اور جگہ فرماتے ہین۔

باسیہ دل چہ سود گفتن پند
نرود میخ آہنی در سنگ

یعنی کور باطن کو نصیحت کیا فائدہ پہونچا سکتی ہے، میخ آہنی پتھر مین نہین جاسکتی ۔

ذوق مرحوم نے بھی اسی خیال کو اس شعر مین پیش کیا ہے ۔

صحبت اہل صفا سے تیرہ دل کب صاف ہون
زنگ سے آلودہ ہوجاتا ہے آہن آب مین

یعنے پاک باطن کی صحبت سے تیرہ دل کو کچھ فیض نہین پہونچ سکتا بلکہ اسکی کور باطنی بڑھجاتی ہے سورداس کا دل حقایق و معارف کا خزانہ تھا وہ قدرت کے کرشمون کا اظہار ایسے پیرایے مین کرتے تھے کہ سننے والون پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، فرماتے ہین،

अविगत गति जानी न परै
मन बच अगम अगाध अगोचर केहि विधि संचै॥
अति प्रचण्ड पौरुष सों माते केहरि भूख मरै॥

ادی گت گتی جانی نہ پڑے
من بچ اگم اگادھ اگوچر کس بدھ سبجھ پڑے
اتی پرچنڈ پوروش سوماتو کیہیر بھوک مرے

ے قدرت ۲ چال ۳ سمجھ ۴ بات ۵ لامحدود ۶ لامحدود ۷ غیر محسوس ۸ کس طرح ۹ معلوم کر سکے ۱۰ زیادہ ۱۱ بہت زیادہ ۱۲ طاقت ۱۳ مست ۱۴ شیر ۱۲

तजिउद्यमप्रकाशकरिबैठेअजगरउदरभरै ॥ — تجے اودم اکاش کری بیٹھے اجگر اودر بھرے

कबहुँक तृणबूड़त पानी में कबहुँक शिलातरै ॥ — کبھو ترن ڈوبت پانی مین کبھو شیلا ترے

बाँगरसेसागरकरिराखे चहुँदिशि नीरभरै ॥ — بانگر سے ساگر کری رکھے چھوندش نیر بھرے

पाहनबिच कमल बिकसाहीं जलमेंअगिनजरै ॥ — پاہن بیچ کمل بکست ہین جل مین اگن جرے

राजा रंक रंकतें राजा ले शिर छत्रधरै ॥ — راجا رنک رنک تے راجا لے سر چھتر دھرے

सूरपतित तरिजाय छिनक में जो प्रभु टेक धरै ॥ — سور پتیت ترجائے چھنک مین جو پربھو ٹیک دھرے

یعنی خدا کی شان حد ادراک سے باہر ہے کیونکہ وہ نہ عقل مین سما سکتا ہے نہ زبان سے بیان ہو سکتا ہے وہ لامحدود اور آنکھون سے نہان ہے، عجیب اسکی قدرت ہے سست اور طاقتور شیر بھوکون مر رہا ہے اور اسکے مقابلہ مین اجگر ایک جگہ پر بیٹھا رہتا ہے اور اپنے رازقہ کے لیے دوڑ دھوپ بھی نہین کرتا، مگر اسکی قدرت اسکے پیٹ بھرنے کا سامان بہم پہنچا دیتی ہے۔ کبھی تو تنکا باوجود ہلکے ہونے کے پانی مین ڈوب جاتا ہے اور کبھی پتھر باوجود گرانی پانی پر تیرتا ہے، زمین کے خشک حصہ مین کبھی پانی اس کثرت سے ہو جاتا ہے کہ سمندر موج مارنے لگتا ہے، کہین پتھر سے کنول کھلتا ہے، گویا پانی مین آگ روشن ہو جاتی ہے، راجہ فقیر ہو جاتا ہے اور فقیر چتر شاہی لگا کر چلتا ہے، سورداس اگر اس سے التجا کرتا رہے، تو فوراً نجات ابدی حاصل ہو جا[ئے]
اپنی نفس کی سرکشی کا ان لفظون مین اظہار کرتے ہین،

मेरामनमत हीनगुसाईं ॥ — میرا من مت ہین گوسائین

सबसुख निधि पद कमल छाँड़ि श्रम करत श्वान की नाईं ॥ — سب سکھ ندھ پد کمل چھانڑ شرم کرت سوان کی نائین

फिरत वृथा भाजन अवलोकत सूने सदन अज्ञान ॥ — پھرت برتھا بھاجن اولوکت سونے سدن اگیان

तिहिं लालच कबहूँ कैसे हूँ तृप्ति न पावत प्रान ॥ — تیہی لالچ کبھو کیسے ہو ترپت نہ پاوت پران

जहँ तहँ जात तहीं भय त्रासत अासि लकुट पदत्रान ॥ — جنہہ جنہہ جات یقین بھے تراست آسی لکٹ پدتران

कैर कौर कारन कुबुद्धि जन कितो सहत अपमान — کور کور کان کوبدھ جن کتنے سہت اپمان

¹ چھوڑ کر ² کام کوشش ³ اوپر سے آئی ہوئی خوراک ⁴ پیٹ ⁵ تنکا ⁶ پتھر کی چٹان ⁷ چارون طرف ⁸ پانی
⁹ ناسمجھ ¹⁰ خزانہ ¹¹ محنت ¹² کتے ¹³ فضول ¹⁴ برتن ¹⁵ دیکھتا ہے ¹⁶ گھر ¹⁷ ناسمجھ ¹⁸ مطمئن ¹⁹ [illegible]
ڈرتا ہے ²⁰ لاٹھی ²¹ جوتا ²² بے

تم سروگیہ[1] سکل بدھ پورن اکھل[2] بھون نج ناتھ
تنھی چھانڑ یہ سور مہا سٹھ بھرمت بھرمنی[3] کے ساتھ

तुम सर्वज्ञ सकल विधि पूरन अखिल भुवन निजनाथ॥
तिन्हें छाँड़ि यह सूर महा सठ भ्रमत भ्रमनि के साथ॥

مطلب یہ ہے کہ اے خدا میرا دل بالکل ہی ناسمجھ ہے کیونکہ تیرا کنول ایسا نازک پانون جو تمام آرام کا خزانہ ہے اسکو چھوڑ کر فضول ادھر اودھر محنت کرتا پھرتا ہے یہ مثل کتے کی ہے جو سونے مکانات مین تمام برتنون کو فضول دیکھتا پھرتا ہے ان لالچون مین پڑکر ہماری بُری روح کس طرح اطمینان کلی حاصل کرسکتی ہے جہان جہان جاتی ہے جوتے اور ڈنڈے کے خوف سے ڈرا کرتی ہے محض ایک ایک نوالہ کے سبب کتنی بے عزتی سہنی پڑتی ہے تم (اے خدا) تمام باتون کے جاننے والے اور تمام دنیا کے مالک ہو، سورداس تمکو چھوڑکر دنیا کے جنجال مین الجھا ہوا مارا مارا پھرتا ہے۔

کتنی پرحقیقت شاعری ہے روح کو اطمینان کلی جب ہی نصیب ہوسکتا ہے جب خدا ئے کی محبت مین اپنے کو فنا کردے جب تک اُسپر تعینات کے پردے پڑے ہین، روح آلایشون سے پاک نہین ہوسکتی، پھر فرماتے ہین -

ہو من رام نام کو گاہک
چوراسی لکھ جیا جون مین بھٹکت پھرت انا ہک
بھکت ہاٹ بیٹھ تو تھر ہوئے ہری نگ نرمل لیہی
کام[4] کرودھ[5] مد لوبھ[6] موہ[7] تو سکل دلالی دیہی
کری ہیا[8] وسو سوچ[9] لاو یہ ہری کے پُرلے جاہی
گھاٹ باٹ کہون اٹک ہوئی نہین سب کو دیہی بنا ہی
اور بنج[10] مین ناہین لاہا[11] ہوت مول مین ہان[12]
سور سوامی کو سودا سانچو کہو ہمارو مان

हो मन राम नाम के गाहक॥
चौरासी लख जिया योनि में भटकत फिरत अनाहक॥
भक्ति हाट बैठ तू थिर है हरि नग निर्मल लेहि॥
काम, क्रोध मद, लोभ, मोह, तू सकल दलाली देहि॥
करि हियाव सो सौज लादि यह हरि के पुर लै जा हि॥
घाट बाट कहुँ अटक होइ नहिं सबको देहि जबाहि॥
और बनिज में नाहीं लाहा होत मूल में हानि॥
सूर स्वामि को सौदा साँचो कहो हमारो मानि॥

مطلب یہ ہے کہ اے دل تو خدا کی یاد کا سودا مول لے کیون فضول ماسوائے اللہ کے جال مین پھنسا ہوا بھٹکتا پھرتا ہے، تُو عابدون کی بازار مین اطمینان سے بیٹھ اور خدا کے صاف اور روشن

---

[1] تمام باتون کے جاننے والے [2] تمام [3] گھومتا ہے [4] فضول [5] مطمئن [6] خواہشات نفسانی [7] غصہ [8] غرور [9] فرار [10] لالچ [11] محبت [12] سمت [13] محبت [14] سودا [15] سوداگری [16] فائدہ [17] نقصان -

نگینے کو خرید خواہشات نفسانی۔ غصہ۔ گھمنڈ اور دنیاوی محبت کو دلا لی مین دے ڈال اور ہمت کرکے اس سودے کو خرید کر خدا کی درگاہ مین بیچا اُس راستہ مین کوئی رکاوٹ اور اٹک نہین ہے سوائے اس سودے کے کسی مین فائدہ نہین ہے بلکہ اور اصل رقم مین بھی گھاٹا آتا ہے، سورداس خدا کا سودا بالکل سچا ہے ہمارا کہنا مان لیے۔

سورداس نے عاشقانہ رنگ مین بھی خیال آرائی کی ہے، جذبات بالکل صاف ہین، نہ مبالغہ کی بھرمار ہے نہ دور از قیاس باتین، سادے سادے لفظوں مین ایسے جادو بھرے ہین کہ دل بے چین ہوجاتا ہے، لیکن اس قسم کی شاعری مین بھی انکا روئے سخن سری کرشن کی طرف ہے، فرماتے ہین،

اودھو یہ ابھلاش[1] رہی — ऊधो यह अभिलाष रही॥

شیام سندر کے آون کی کبھون نہ بات کہی — श्याम सुन्दर के आवन की कबहूँ न बात कही

کرت چیاؤ[2] سکل نر ناری بھلی پریت نبھی — करत चवाव सकल नर नारी भली प्रीत निबही

ایسو کین چہے من موہن کاہے کو بانہہ گہی — ऐसी कीन्ह चहे मन मोहन काहे को बाँह गही॥

ماکھن، چاکھن ہارنت ڈھونڈھت پھرت مہی[3] — माखन चाखन हार नित ढूँढत फिरत मही॥

سور امولی بکے بن دامن یہ من سوچ رہی — सूर अमोल बिके बिन दाम यह मन सोच रही॥

اودھو کو رازدار سمجھکر کہتے ہین کہ میرے دل مین خواہش ہی رہی کسی نے میرے معشوق کے آنے کی خبر کبھی نہین کہی تمام عورت اور مرد بے اعتنائی اور میری مجبوری کا چرچا کرتے ہین کہ ایسی صورت مین محبت نبھ چکی معشوق کو مخاطب کرکے کہتے ہین کیا ایسا کرنا چاہیئے تھا اگر یہی منظور تھا تو پھر کس لیے اقرار وفا کیا تھا، نباہ کا وعدہ کیون بھول گئے، سوت سے چونکہ فطرتاً دشمنی رہتی ہے اسلیے اسکے پاس رہنے پر طنزاً کہہ رہے ہین کہ ہمیشہ مکھن کے کھانے والے ادھر ادھر تھا چھ ڈھونڈھتے پھرتے ہین، اب یہ سوچ ہے کہ سورداس کا دل باوجود انمول ہونے کے (بازار عشق مین) مفت مین بک گیا، عشق کی نیاز مندیون کی داستان سنیئے، فرماتے ہین،

مائی مین تو وا دن کا جر دی ہون — माई मैं तो वा दिन का जर दई हों॥

---

[1] خواہش [2] چرچا [3] چھاچھ

جا دن شیام سندر کے نینن آپنو نین ملیہون
आदिन श्याम सुन्दर के नैनन आपनो नैन मिलइहों

سن رے سکھی یہی پرنٹ ہے میری دوجے نہ اور چتیہون
सुन री सखी यह प्रन हमेरो दुजे और न चितइहों

سورداس درشن کے کارن کنی چاٹ مرجیہون
सूरदास दरशन के कारन कनी चाटमरजइहों ॥

مین اپنی آنکھون مین کاجل اُسدن دونگی جبدن اپنے معشوق کی آنکھونسے اپنی آنکھین ملاؤنگی اے سکھی میرا یہی قول ہے کہ مین سوا اپنے معشوق کے کسی اور کو نہین دیکھونگی، سورداس کہتے ہین دیدار کی تمنا مین ایکدن کنی چاٹکر مرجاؤنگی، شب غم کی تصویر اور جذبات مین تشبیہ کا رنگ ملاخطہ فرمائیے۔

پیا بن ناگن کاری رات[1]
पिया बिन नागिन कारी रात ॥

کبھون جامنی ہوت جونھیا[2]۔ ڈس اُلٹی ہوجات[3]
कबहुँ जामिनी होत जोन्हैया डस उलटी हो जात ॥

جنتر پھرت منتر نہین لاگت۔ گات سُکھا نوجات
जंतर फुरत मंत्र नहिं लागत गात सुखानो जात ॥

سورداس برہن آس بیاکل۔ مُری مُری لہرین کہات
सूरदास बिरहिन अस ब्याकुल मुरि मुरि लहरें खात

معشوق کی جدائی مین اندھیری رات کالی ناگن کی طرح ہے ستارون بھری رات کی وہی کیفیت ہے کہ جس طرح ناگن کاٹ کرالٹ جائے اور اسکے نیچے کا حصہ سفید دکھائی دے، آہ، اس محبت کی ناگن کے کاٹے ہوئے کا منتر ہے نہ جنتر، میرا جسم سوکھا جارہا ہے، فرقت نصیب سورداس اسطرح وقف اضطراب ہے گویا ناگن نے ڈس لیا ہے اور پیچ وتاب کیساتھ لہرین کھاتا ہے،

نایر مرحوم نے بھی کیا خوب فرمایا ہے۔

سانپ بنکر صدمۂ فرقت نے کاٹا ہے مجھے آرہی ہین کیسی کیسی لہرین دریا کی طرح

واقعہ ہے کہ سورداس کا کلام بھاشا شاعری کا زیور اور ہندی زبان کا سرمایۂ افتخار ہے، ناصحانہ اور عارفانہ، انداز بیان کے علاوہ، عشق کے سوز وگداز، کی ایسی دلکش تصویرین انکے کلام مین موجود ہین، جو اہل نظر کے لیے حاصل نظارہ ہین۔

منظور الحق کلیم اعظم گڈھی

---

[1] اول [2] اندھیری رات [3] ستارون بھری اوجالی رات

جواہرات عالم

(۵) پٹ ڈائمنڈ[1]

قدرت کے خزانے مین باہمہ نوازجواہرات کی کمی نہین لیکن آجتک جتنے بیش بہا پتھر تماشاگاہ عالم مین جلوہ گر ہوئے ہین ان سب مین پٹ ڈائمنڈ کی داستان حیرت خیز و پُر اسرار ہے۔ یہ بڑا اور چمکدار ہیرا کبوتر کے انڈے کے برابر ہے اور اسکا وزن ۲ ۶۷ ۱۳۶ قیراط ہے۔ یہ ممتاز ہیرا ۱۷۰۱ء مین گولکنڈہ کے مشہور ہیرے کی کان سے ۴۵ کوس کے فاصلہ پر ایک غریب قلی کو ملا تھا۔ غریب قلی نے اسے ایک بیش بہا اور نفیس پتھر سمجھکر احتیاطاً اپنے پیر کے زخم مین باندھ لیا تاکہ چشم بد سے محفوظ رہ سکے غرض اس طرح بحفاظت تمام وہ اس ہیرے کو لیکر مدراس پہونچا اور وہان ساحل پر ایک سرائے مین ٹھہر گیا تقدیر نے مخالفت کی اور وہان اُسنے اپنے ہم جلیسون مین فخریہ طور پر اس ہیرے کا ذکر کردیا رفتہ رفتہ یہ خبر سارے بندرگاہ مین پھیل گئی۔

ایک دن ایک انگریزی جہاز کا کپتان اسے پھسلاکر اپنے جہاز مین لیگیا اور اُس سے یہ بیش بہا ہیرا زبردستی چھین لیا۔ یہی نہین بلکہ اُس غریب کو سمندر مین غرق کردیا۔ گویا اس غریب قلی کی موت اس ہیرے کی خونی داستان کا پہلا باب ہے۔

ہوس پرست کپتان نے اس ہیرے کو ایک پارسی جوہری جام چند کے ہاتھ صرف ایکہزار پاونڈ (پندرہ ہزار روپیہ) کو فروخت کردیا اور اس غیر متوقع رقم کو جو اسکی اصلی قیمت سے بدرجہا کم تھی تائید غیبی سمجھنے لگا۔ لیکن یہ مال مفت جیمین خون کی بو تھی کپتان کو راس نہ آیا اسنے اس روپیہ کو بہت جلد شراب خواری قمار بازی اور بُرے کامون مین اوڑا دیا اور بہت جلد مفلس و قلاش بنگیا تنگدستی سے زیادہ تکلیف دہ بات ضمیر کی ملامت تھی جو ہر وقت نفرین کرتا رہتا تھا انجام کار اسنے ہیرے کے حاصل

[1] اسی سلسلہ کے اول چار مضامین زمانہ بابت اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر۔ جنوری ۱۹۲۳ء مین شایع ہوچکے ہین۔

کرنے کے چند ہی ہفتے کے بعد خودکشی کر لی

MR. THOMAS PITT

رفتہ رفتہ اس ہیرے کی شہرت گورنر مدراس مسٹر ٹامس پٹ
کے کانون تک پہونچی اور اُسنے ستاسی ہزار روپیہ کو خرید لیا اور پانچہزار پونڈ صرف کرکے اسکو ترشوایا
تراش مین جو ریزے نکلے اُنکی قیمت ساڑھے تین ہزار پونڈ تھی - گورنر پٹ اسکو اپنے ہمراہ انگلستان
لے گیا مگر اسکے پہونچنے سے پیشتر ہی اس پتھر کی شہرت انگلستان مین پہنچ چکی تھی - چنانچہ ایک فصیح البیان
شاعر پوپ نے اپنی نظم (Sir Balaam) مین اس ہیرے کا ذکر کیا ہے اور گورنر
پٹ کا خوب خوب مضحکہ اوڑایا ہے -

جبتک یہ ہیرا پٹ کے پاس رہا وہ سخت کشمکش مین مبتلا رہا - اسکو ہر وقت یہ خیال رہتا کہ
مبادا کوئی اسے چرا نہ لے - اسی لیے وہ اس ہیرے کی حفاظت اپنی جان سے بھی زیادہ کرتا -
سنہ ۱۷۱۲ء مین WAFFEN BACK نے (جو جرمن سفارت کا رکن تھا) اسکے دیکھنے
کی بہت کوشش کی مگر ہیرا دکھانا تو کجا پٹ نے اُسے ملاقات کرنے تک کا موقع نہ دیا -
پٹ کے شک کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے کسی دوست کو بھی اپنے مکان کا پتہ نہ بتاتا - اور ہمیشہ
اپنا مکان تبدیل کرتا رہتا - تبادلۂ مکان بھی رات کو اور بہت رازداری کے ساتھ کرتا کہ چورون کو اُسکا
پتہ نہ ملے

غرض وہ ہر شخص کو شک کی نگاہون سے دیکھتا اور ہر وقت خائف رہتا کہ کہین دغا سے
کوئی عیار اس انمول ہیرے کو اُڑا نہ لیجائے - آخر وہ اس بیجا پابندیون سے تنگ آگیا اور
یہ رائے قائم کر لی کہ ایسا بے بہا ہیرا معمولی شخص کے لائق نہین - چنانچہ اسنے انگلستان کے دربار
مین فروخت کیلیے سلسلہ جنبانی کی لیکن جب وہان ناکامی کے آثار نظر آئے تو REGENT D' ORLEANS
والی فرانس سے اُسکے خزانچی لو (LAW) کی معرفت فروخت کی
بات چیت کی لیکن شاہ فرانس بغیر دیکھے ہوئے کوئی رائے ظاہر نہ کر سکتا تھا - اور پٹ کی یہ حالت
تھی کہ وہ ہیرا دکھانا تو درکنار دربار مین خود جانا بھی مصلحت سے دور سمجھتا تھا - آخر کار ایک نقلی نمونہ
اسکی شکل کا تیار کیا گیا - جسکو دیکھکر D' ORLEANS. نے ایک لاکھ بتیس ہزار پونڈ (بیس لاکھ
پچیس ہزار روپیہ) قیمت تجویز کی - یہ قیمت کم تھی مگر پٹ کے لیے یہ رقم بہت زیادہ تھی -

اسکی قیمت کم از کم چار لاکھ اسی ہزار پونڈ تھی لیکن ایک قلیل رقم کے بدلے یہ ہیرا پٹ کے ہاتھون سے نکلکر فرانس کے شاہی محل مین داخل ہوگیا - اسکے جدا ہونے کے بعد پٹ کے مصائب کا خاتمہ ہوگیا - اور ایک حد تک اسکو سکون نصیب ہوا اسنے اس روپیون کو مفید کامون مین لگادیا اور رفتہ رفتہ ارل چیتھم Earl Chatham اور اسکے خاندان کے مستحکم بنیاد اسی ہیرے کی بدولت دنیا مین قایم ہوگئی -

یہ ہیرا شاہان فرانس کے لباس کا ایک زینت بخش جزو سمجھا جاتا تھا سنٹ سیمن ST. SIMON نے اپنے تذکرات مین اسکا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہ پسند ہیرا مقبول عام بھی تھا - مذ ریجینٹ REGENT کے بعد لوئی پانزدہم LOUIS XV اور لوئی شانزدہم LOUIS XVI نے اسکی بہت قدر کی لیکن ANTOINETTE MARIE ANTOINETTE اسکو وزنی ہونے کیوجہ سے ناپسند کرتی تھی - ملکہ ہوپ کو HOPE DIAMOND ہیرے کو ترجیح دیتی تھی - تاہم خاص شاہی جلوس مین بھی ممتاز سمجھا جاتا تھا -

آخر ادبار کی گھڑی آگئی اور ۱۷۹۲ء مین یہ ہیرا انقلاب فرانس کی شورشون کی نذر ہوگیا اسکے ساتھ وہ قیمتی اشیا بھی برباد ہوگئین جو محل GARDEMEUBLE مین بڑی حفاظت سے رکھی تھین - شہر مین لوٹ مار کا ہنگامہ تو گرم تھا ہی رات کے وقت یہ محل بھی لٹ گیا اور وہ تمام سامان اور خزانہ غارت ہوگیا جو اس محل مین محفوظ تھا - دوسرے دن بڑا شور و شر ہوا اور وزیر ROLAND نے اعلان کیا کہ شاہی محل مین چوری ہوگئی - اس خبر سے وزارت اور اسمبلی کو ایک صدمۂ عظیم پہونچا کیونکہ اسی خزانے پر وہ تکیہ کیے بیٹھے تھے - اس چوری کے انکشاف کے لیے بہت کوشش ہوئی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا دو شخص گرفتار بھی ہوے جنپر اس چوری کی شرکت کا شبہ تھا مگر اس ہیرے کا پتہ نہ چلا - عرصہ تک اس چوری کے متعلق طرح طرح کی افواہین مشہور ہوتی رہین - بعضون کا خیال تھا کہ شاہی خاندان والون کی جمہوریت پسندون سے جنگ کے لیے اس خزانے کو اڑا لیا ہے - اور بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ جمہوریت پسندون کی جماعت نے یہ چوری کی ہے -

بڑی کوششون کے بعد اس گم شدہ خزانے کے دو ہیرے برآمد ہوئے - جن مین ایک

یہی ہیرا پٹ تھا۔

غالباً انکی برآمدگی کی وجہ صرف یہ تھی کہ نہ تو یہ کسی بازار مین فروخت ہوسکتے تھے اور نہ پوشیدہ رہ سکتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک گمنام مراسلہ سے اِن دو ہیرونکا پتہ چلا اور بعض یہ کہتے ہین کہ ایک جج کی کوششون سے فرانس کو یہ جواہرات دوبارہ ملے کہا جاتا ہے کہ نیپولین نے بھی پٹ کی طرح اس ہیرے کی بدولت ایک کثیر رقم وصول کی۔

اپریل ۱۷۹۶ء مین جب جمہوری سلطنت کو روپیہ کی بہت ضرورت تھی تو اس ہیرے کو جرمن ساہوکارون سے ایک کثیر رقم قرض لینے کے لیے جرمن بھیجنا پڑا اور وہان وہ عرصہ تک گرو رہا

ایکبار پھر یہ فرانس مین نیپولین کے پاس لوٹا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر ڈچ DUTCH گورنمنٹ کے پاس گرو ہوگیا۔

جب نیپولین نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ مین لی تو اُسنے اس ہیرے کو واپس لیکر اپنی تاجپوشی کیوقت پہنا۔ اور اپنی تلوار کے دستہ مین اسکو جڑوالیا۔ اس کے وارث لوی نیپولین Louis Napoleon کو اسکے پہننے کی حسرت ہی رہ گئی۔ کیونکہ وہ جنگِ فرانس مین شاہانِ جرمنی کے پاس پہونچ چکا تھا۔ اور شاید اب بھی وہین ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ خاندان بھی زوال سے نہ بچ سکا۔

راہم سرن نگم

قحط الرجال

ہندو مسلم اتحاد کے متعلق اسوقت مسلمان اکابر قوم نے باوجود بہیم اشتعال کے جو روش حسنہ اختیار کی ہے اور جس تدبر اور مآل اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔ اسپر ہندوؤن کو شرمندہ ہونا چاہیئے۔ ابتک انھین یہ دعوے تھا کہ سوراجیہ کے لیے ہم جتنی قربانیان کرسکتے ہین اتنی مسلم فرقہ نہین کرتا۔ وہ ہندوستان ہین رہکر، ہندوستان کا دانہ پانی کھاکر، عرب اور عجم کے خواب دیکھا کرتا ہے، اسے سوراجیہ کی اتنی فکر نہین ہے جتنی ہین اسلام کی۔ ایکبار جب مولانا شوکت علی نے کسی خلافت کے جلسے مین کہا تھا کہ اگر مسلمان کو کسی قومی کام کے لیے ایک روپیہ دینا منظور ہو تو وہ ۱۴ر خلافت کو دے اور ۲ر کانگریس کو۔ اس قول کو ہندو اخبارات نے بیرحمانہ اہمیت دی اور اُسے اپنے منطقے کے تائید مین پیش کیا۔

یہ قول تو اسکا مقتضی تھا کہ ہندو اصحاب اپنے دل مین نادم ہوتے کہ ایک مسلمان کو جو اپنا سب کچھ مادر ہند کے نذر کر چکا ہو یہ تخصیص کرنے کی ضرورت درپیش آئی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر ہندوؤن نے مسئلہ خلافت کو مہاتما گاندھی کی وسعت نگاہ سے دیکھا ہوتا تو مولانا موصوف کو یہ تحریک کرنیکا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤن نے کبھی خلافت کی اہمیت ہی نہین سمجھی اور نہ سمجھنے کی کوشش کی۔ بلکہ اسکو اشتباہ کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ مگر اب جسے انصاف کی نگاہ عطا ہوئی ہو چلہے تو دیکھ سکتا ہے کہ وہی شخص ہندو مسلم اتحاد کو جو بالفاظ دیگر سوراجیہ ہے کتنا اہم سمجھتا ہے اور اسکے لیے کتنی عظیم الشان قربانیان کرنے پر آمادہ ہے۔ ہندو قوم کبھی اپنی سیاسی بیدار مغزی کے لیے مشہور نہین رہی اور اس موقع پر تو اُسنے جتنی تنگ نظری کا ثبوت دیا ہے اس سے مجبوراً یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس قوم کا سیاسی دیوالہ ہوگیا، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ساری ہندو قوم مین حیث المجموع محض چند شوریدہ سر نام نہاد، محبان وطن کی تحریک پر یون از خود رفتہ ہوجاتی۔ ہم کہتے ہین کہ اگر ہندوؤن مین ایک بھی کچلو، محمد علی یا شوکت علی ہوتا تو ہندو سنگھٹن اور شدھی کی اتنی گرم بازاری

ہوتی اور اُن ہنگاموں میں قابل محسوس کمی ہو جاتی جو ان تعصبات کے زیر اثر ہیں۔ مگر افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کانگریس نے بھی مجموعی طور پر ان تحریکات سے الگ تھلگ رہنے کے باوجود انفرادی حیثیت سے اسکی شمولیت میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ اتنا ہی نہیں، ایک بھی ذمہ دار کانگریس کے سربرآوردہ شخص نے بالاعلان ان تحریکات کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہ کی۔ پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہرلال نہرو، لالہ بھگوانداس، لالہ سری پرکاش ان آدمیوں میں ہیں جن سے زیادہ اخلاقی جرأت سے کام لینے کی توقع، کیجا سکتی تھی۔ مگر ان سبھی اصحاب نے ایک روز اپنے اختلاف اور بدگمانی کا اظہار کرکے دوسرے روز اس کی تردید کی، اور بہ بانگ دہل کہا کہ شدھی اور سنگھٹن کے متعلق ہم نے جو خیال ظاہر کیا تھا وہ غلط فہمیوں پر مبنی تھا جب ایسے ایسے لوگ دباؤ میں آجائیں تو پھر انصاف کی امید کس سے کی جائے! اگر مولانا محمد علی اور شوکت علی کی طرح ان اصحاب نے بھی اپنے قوم کو ان تحریکات کے مضر اور مہلک نتایج سے باخبر کیا ہوا اور اسکے خلاف باقاعدہ منضبط کوشش کرتے تو یقیناً آج ہندو مسلم تعلقات اتنے کشیدہ نہوتے۔ مگر جو سیاسی دوراندیشی صدیوں سے پامال ہو چکی ہو اس سے اور کیا ہو سکتا ہے۔ ایک عصمت نے سارے یوروپ کو انگشت بدندان کردیا، ہندوؤں میں ایسے نفوس پیدا کرنیکے لیے ابھی صدیاں درکار ہیں۔ آج کون ہندو ہے جو ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر ہمہ تن مصروف ہو، جو اسے ہندوستان کا اہم ترین مسئلہ سمجھتا ہو، جو سوراجیہ کے لیے اتحاد کو بنیادی شرط سمجھتا ہو۔ یہ درد قوم، یہ خلش، یہ سوز، آج ہندوؤں میں معدوم ہے۔ دس پانچہزار ملکانوں کو شدھ کرکے لوگ جامہ میں پھولے نہیں سماتے۔ گویا منزل مقصود پر پہونچ گئے۔ اب سوراج حاصل ہوگیا۔ ہمیں یاد نہیں آتا کہ آجتک کسی ہندو نے ان پاکیزہ، رفیع الہامی جذبات کا اظہار کیا ہو جو اس رام لکھن کی جوڑی نے جیل سے نکلتے ہی رو رو کر، باچشم تر، ایک نغمان درد کی طرح ظاہر کئے ہیں۔ یہ ہے وہ قومی احساس جو قوموں کے بیڑے پار کرتا ہے، انکی کشتی کنارے پر لگاتا ہے۔ یہ قومی رواداری اور تحمل کا اعجاز ہے۔ ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جو اس استحسان اور گرانباری کا اظہار کرسکیں، جو ہر ایک قوم پرست ہندو کے دلمیں ان محترم ہستیوں کی توصیف میں ترنم سرا ہے۔

ہمکو یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان دونوں فرقوں میں کشمکش اور بدگمانی اور منافرت کی ابتدا تاریخی ہے۔ مسلمان فاتح تھے۔ ہندو مفتوح۔ مسلمانوں کیطرف سے ہندوؤں پر اکثر زیادتیاں ہوئیں اور اگرچہ ہندوؤں نے موقع ہاتھ آجانے پر انکا جواب دینے میں دریغ نہیں کیا، لیکن فی الجملہ مسلمان

فرمانرواؤن نے سخت ترین مظالم کیے ۔ ہم یہ بھی مانتے ہین کہ موجودہ حالات مین اذان اور قربانی کے موقعون پر
مسلمانون کیطرف سے زیادتیان ہوتی ہین اور ہنگامون مین بھی مسلمان ہی اکثر غالب آتے ہین، بلبشتر مسلم طبقہ
اب بھی جذم سلطان بود کے نعرے لگاتا ہے اور ہندؤون پر غالب اور حاوی رہنے کی کوشش کرتا رہتا ہے
تبلیغ کے معاملہ مین زیادتی مسلمانون نے کی اور ہندوؤن کی روز افزون تقلیل کے باعث کسی حد تک وہی ہین
مگر ان سارے وجوہ اور دلائل اور واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس امر کے مدعی ہین کہ ہندوؤن کو اس سے
کہین زیادہ سیاسی تحمل سے کام لینے کی ضرورت ہے ۔ تاریخی عداوت سخت جان ہوتی ہے لیکن غیر فانی نہین
تاریخ عالم مین اسکی مثالین معدوم نہین ہین اور اگر معدوم بھی ہوتن تو کوئی وجہ نہین کہ ہم اُسے حرز جان بنائے
رہین ہندوؤن کے تیوہارون اور جلوسون کے موقعون پر اکثر مسلمانونکی طرف سے یہ تقاضا ہوتا ہے کہ مسجدون
کے سامنے نماز کے وقت باجے اور شادیانے نہ بجائے جائین یہ بہت ہی فطری تقاضا ہے ۔ شور وغل سے عبادت
مین خلل پڑنا لازمی ہے اور اگر مسلمان اس شور وغل کو بند کرنے پر اصرار کرتے ہین تو ہندوؤنکو لازم ہے کہ وہ
اُنکی دلجوئی کرین ۔ یہ تو ہندوؤن کو بغیر اصرار کئیے محض معبود کے احترام سے فرض ہے ۔ نہ کہ جب کوئی انھین اُنکا فرض
یاد دلائے تو اس سے آمادہ پرخاش ہون ۔ ہندو کہین گے ہمارے مندرون کے سامنے سے مسلمانون کے جلوس
بھی باجے بجاتے نہ نکلین ۔ بادی النظر مین تو یہ قرین انصاف معلوم ہوتا ہے لیکن اسکا عملی اثر یہ ہونا ممکن ہے
کہ شہرون مین باجے بالکل بند کردیے جائین ۔ کیونکہ مندرون کے تعداد اتنی زیادہ ہے کہ بعض بعض شہرون مین تو ہر
ایک گھر کے بعد مندر نظر آتا ہے ۔ پھر ہندوؤن کی سندھیا ہون تو سکوت مین ہوتی ہے لیکن دیوتاؤن کی پوجا
اکثر گھنٹہ اور گھڑیال کے ساتھ ہوا کرتی ہے ۔ تو جب وہ خود عبادت کیلئے سکوت ضروری نہین سمجھتے تو کس منہ
سے مسلمانون سے سکوت کے طالب ہو سکتے ہین ۔ تاہم ہم یہ کہدینا مناسب سمجھتے ہین کہ جب عبادت ایک
ہی پرماتما کی ہے ، اور محض اسکی ظاہری صورت مین تفرقہ ہے تو ہندو لوگ کیون اس بات کے منتظر رہین کہ جب
مسلمان ہمارے مذہب کی تعظیم کرین گے تو ہم بھی اُنکے مذہب کی تعظیم کرین گے ۔ اگر مذہب کی تعظیم کرنا
اچھا ہے تو ہر حالت مین اچھا ہے اسکے لیے کسی شرط کی ضرورت نہین ۔ اچھا کام کرنیوالے کو سب اچھا کہتے
ہین دنیاوی ۔ معاملات مین دبنے سے آبرو مین بٹہ لگتا ہے دین کے معاملات مین دبنے سے نہین ۔ ہم یہ قیاس
نہین کرسکتے کہ ہم کسی کے دین کا احترام کرین اور وہ ہمارے دین کی مذمت کرے ۔ تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی
سمجھ لیتے ہین ہم مسلمانون کا ذمہ دار طبقہ عام طور پر باجون کو مساجد کے سامنے بند ہوتے دیکھکر تالیان بجائے گا۔

اور تفاخر کے انداز سے کہیگا دب گئے! دب گئے! تو اتنا سُن لینے مین کیا زحمت ہے۔ یقیناً مسلم لیڈران اس
حالت کو زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہنے دینگے۔ یہ کسی مذہب کیلئے باعث افتخار نہین ہو کہ وہ دوسرون کے مذہبی
احساسات کو صدمہ پہونچائے۔ گاؤکشی کے معاملہ مین ہندوؤن نے شروع سے ابتک ایک نامنصفانہ روش
اختیار کی ہے۔ ہمکو اختیار ہے جس جانور کو چاہین متبرک سمجھین، لیکن یہ امید رکھنا کہ دوسرے مذہب کے پیرو
بھی اُسے متبرک سمجھین، خواہ مخواہ دوسرون سے سر ٹکرانا ہے۔ گائے ساری دنیا کی خورش ہے اسکے لیے کیا آپ
ساری دنیا کو، گردن زدنی سمجھین گے۔ یہ کسی خونخوار مذہب کے لیے بھی باعث وقار نہین ہو سکتا کہ وہ ساری دنیا سے
دشمنی کرنا سکھائے، نکہ ہندوؤن جیسے فلسفیانہ عالمگیر اور مہذب مذہب کے لیے جسکا پاک ترین اصول ہو۔
"اہنسا پرم دھرم"۔ اگر ہندوؤن کو ابھی یہ جاننا باقی ہے کہ انسان کسی حیوان سے کہین زیادہ پاک وجود
ہے، چاہے وہ گوپال کی گائے ہو یا عیسیٰ کا خر تو انھون نے ابھی تمدن کے مبادیات پر بھی قدرت نہین پائی۔ ہندوستان
جیسے زراعتی ملک کے لیے گائے کا وجود نعمت ہے، مگر مسئلہ اقتصادیات سے علیحدہ اسکی کوئی اہمیت نہین ہے،
لیکن ہمین یہ اطلاع ہے کہ گاؤپرور ہندوؤن نے گورکھشا کی ایسی کوئی مجموعی کوشش نہین کی جس سے ان کے
دعوے کی عملی تصدیق سکتی۔ گورکھشنی سبھائین قائم کرکے مذہبی مناقشے پیدا کرنا گورکھشا نہین ہے۔ صوبجات
مین بیشتر زمیندار ہندو ہین۔ اُنھون نے گوچر زمین کا کوئی انتظام کیا، یا جہان پہلے سے انتظام تھا وہان اسے
فنا نہین کر دیا؟ جس ملک مین تمباکو اور چائے اور نیل اور ربر کی کاشت کیلئے کافی زمین ہو وہان مواضعات
مین گوچر کا نہ ہونا اقتصادی کشمکش کی دلیل ہو سکتی ہے، گورکھشا کی دلیل ہرگز نہین ہو سکتی۔ جب ہم دیکھتے
ہین کہ بیلون کے لیے چارہ میسر نہین تو گایون کے لیے (وہ بھی جب لاغر نحیف اور بڈھی ہو جائین) چارہ بہم
پہونچانے کی دقت کا حال کسی کسان سے پوچھیے۔ وہ گایون کو فاقہ کشی سے ایڑیان رگڑ رگڑ کر مرنے کے بدلے انہین
قصائی کے چھرے کے حوالے کر دینا زیادہ شایان انسانیت سمجھتا ہے۔ مسئلہ تبلیغ۔ اسمین دو رائین
نہین ہو سکتین کیونکہ ہر مذہب کو اسکا کافی اختیار ہے بشرطیکہ غرض خالصاً اصلاح ایمان، اور اشاعت
اصول ہو۔ جب اسمین کوئی سیاسی غرض مضمر ہو جاتی ہے تو وہ فی الفور سیاسی معاملہ کی صورت اختیار کر لیتا
ہے۔ بدقسمتی سے دور حاضر مین مذہب اصلاح ایمان کا ذریعہ نہین، سیاسی منفعت کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے
اسکی حیثیت جنون کی سی ہوگئی ہے جسکا اصول ہے کہ سب کچھ اپنے لیے اور غیرون کے لیے کچھ نہین جسدن
مقابلہ رقابت اور مسابقت کا خیال مذہب سے دور ہو جائیگا اُسدن تبدیل مذہب پر کسی کے کان نہ کھڑے ہونگے

غرض مذکرہ صدر وجوہ مین ایک بھی ایسی نہین ہے جو ہندوؤن کے لیئے "ہماری جان خطرے مین ہے" کی ہانک لگانیکو حق بجانب ثابت کرسکے ۔ اس خاص موقعہ پر ہندو سنگھٹن کی فریاد نے ہندو مسلم اتحاد کو جو صدمہ پہونچایا ہے اسکی تلافی اگر ہوگی تو بہت عرصہ مین ہوگی ۔ ہندو اور مسلمان نہ کبھی شیر و شکر تھے نہ ہونگے اور نہ ہونے چاہئیں ۔ دونون کی جداگانہ صورت قائم رہنی چاہیئے اور رہیگی ۔ ضرورت ہے صرف پیشرؤن مین تحمل اور ایثار کی ۔ بالعموم ہمارے نائب وہ اصحاب ہوتے ہین جو اپنے فرقہ کے مصائب و شکایات کے ایک سرگرم نوحہ خوان ہوتے ہین ۔ وہ اپنے فرقہ کی نگاہون مین عزیز اور مقبول بننے کے لیے اسکے جذبات کو اکساتے رہتے ہین اور مصالحت کے مقابلہ مین جو انکی نوحہ خوانیون کو بند کردیگی مجادلہ کو قائم رکھنا زیادہ ضروری سمجھتے ہین ۔ ہندوؤن مین اسوقت متحمل مزاج لیڈرون کا قحط ہے ۔ ہمارا لیڈر وہ ہونا چاہیئے جو متانت سے مسائل پر غور کرے ۔ مگر اسکی جگہ غوغائیون کے حصہ مین آجاتی ہے جو اپنی بانگ بلند سے عوام کے سفلہ جذبات برانگیختہ کرکے اپنا اقتدار حاصل کرلیتا ہے ۔ وہ قوم کو درگذر کرنا نہین سکھاتا ۔ لڑنا سکھاتا ہے ۔ اسکا مفاد اسی مین ہے ۔ کوئی شخص اتنا کج فہم نہین ہے کہ اسے اس نازک موقعہ پر دونون فرقون کی باہمی کشاکش کے نتائج نہ نظر آئین ۔ اور ہے تو ہمین اس کی نیت خیر مین شبہہ ہے ۔ اس شبہہ کی تصدیق اسوجہ سے اور ہوتی ہے کہ اس تحریک کے بانی اور کارکن زیادہ تر وہی حضرات ہین جو سیاسی معاملات مین حصہ لینے سے محترز رہتے ہین ۔ یا ایسے بھی ہین تو آبرو بچائے ہوئے ۔ ورنہ ہندو سنگھٹن کے جلسہ منعقدہ بنارس مین زمیندارون اور راجون کی اتنی تعداد کثیر نظر نہ آتی ۔ جدھر دیکھئے راجے مہاراجے اور سیٹھ مہاجن ہی نظر آتے تھے ۔ مقلدون مین بیشتر وہ تھے جنکا آبائی پیشہ غلامی ہے ۔ جنھین ازل سے یہ شکایت ہے کہ مسلمان سرکاری نوکریان ہڑپ کرجاتے ہین اور ہمارا کوئی پرسان حال نہین ۔ جنکے لیے ایک مسلمان سب انسپکٹر یا قرق امین کا تقرر انقلاب چین یا فتح ترکی سے زیادہ معرکۃ الآرا واقعہ ہے ۔

ہمارے رؤسا نے جمہوری تحریکون کی طرف ابتک التزاماً جو رویہ اختیار کیا ہے اسنے انہین ایک مقیاس کا مصداق بنادیا ہے جس سے حکام کے تشعبدون کا صاف صاف پتہ چلتا ہے ۔ ہندو مسلم اتحاد حکام کی نظرون مین خار کی طرح کھٹکتا تھا ۔ اسلیئے جب رؤسا کسی ایسی تحریک کا جوش سے خیر مقدم کرین جس سے اتحاد کو نقصان پہونچنے کا یقین ہو تو ظاہر ہے کہ انکی شرکت اختیاری نہین بلکہ کسی کی ایما سے عمل مین آئی ہے ۔ ورنہ جن حضرات نے سخت سے سخت قوانین پاس کرنے مین گورنمنٹ کی رفاقت کی ، وہ ہندو سنگھٹن

جلسہ مین اس شد و مد سے ہرگز نہ شریک ہوتے۔ مگر یہان تو یقین تھا کہ ہماری کوششین عالم بالا مین قدر کی نگاہون سے دیکھی جارہی ہین تو پھر کیون نہ دونون ہاتھون سے ثواب لوٹین، قوم رہے یا مٹے اسکی کیا فکر! یہ ایک امر واقعی ہے کہ حکام نے بھی ہندو سنگھٹن کی تحریک سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اسلیے رؤسا کا اسمین تعداد کثیر سے شریک ہونا یقینی تھا۔ انکی شمولیت پر اظہار مسرت کرنا واقعات سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرنا ہے۔

ان مذہبی توجہات کو بھڑکانیکا الزام سب سے زیادہ طالبان کونسل کے گردنون پر ہے، خواہ وہ ہندو ہون یا مسلمان۔ کانگریس نے لبرل ... برون کا پردہ فاش کردیا تھا۔ رؤسا اور تعلقہ داران بھی جمہور کی نظرون سے گرچکے تھے۔ وہ حضرات جنھون نے باوجود ادعا حب الوطنی وکالت یا سرکاری ملازمت نہ ترک کی تھی، پبلک کی نگاہون مین وقار کھو بیٹھے تھے۔ اس کثیر جماعت کے لیے اپنی کھوئی ہوئی آبرو کو حاصل کرنیکا، اپنی ساکھ جمانیکا، اپنی قوم پرستی کا ثبوت دینے کا، اور ایسے موقعہ پر جب کونسلون کا انتخاب قریب تھا اس سے بہتر اور کونسا موقعہ ہاتھ آسکتا تھا۔ ہندو قوم خطرے مین ہے۔ کا نعرہ مار کر وہ حضرات ہندوؤن کے ہوا خواہ بننا چاہتے تھے۔ مسلم طبقہ مین بھی انکی تعداد کم نہ تھی۔ مذہبی تعصبات کو بھڑکانا شروع کیا گیا۔ رائے صاحب اور خانصاحب اپنے تخفیہ گوشون سے نکل پڑے۔ اور جمہور کی دوستی کا دم بھرنے لگے۔ ایک طرف سے صدا آئی ہندوؤن کو خلافت کی تحریک سے خبردار رہنا چاہیئے کیونکہ یہ انکی ہستی کو مٹادیگی۔ دوسری طرف نعرہ تکبیر بلند ہوا۔ ہندو ہمیر جاری ہوتے جارہے ہین، سوراجیہ سے احتراز کرنا ہمارا فرض ہے۔ کہین کسی مینوسپلٹی نے قانوناً گاؤکشی بند کی۔ واویلا مچ گیا۔ غوغائیون کی کمی نہ تھی۔ جیل جانا تھا تب اپنے اپنے گوشۂ امن مین دبکے بیٹھے تھے۔ اب جیل کا خوف نہین عزت افزائی کی امید تھی، پھر سکوت کیون اختیار کرین۔ سوال و جواب شروع ہوا۔ روز بروز لہجہ سخت ہوتا گیا۔ ادھر لیڈر تھا تو اُدھر متعدد اردو اخبارات اینگلو انڈین افسرونکی زیر ہدایت میدان مین آ کھڑے ہوئے تھے۔ اعلان جنگ ہوگیا۔ جو اس ہنگامہ کو فرو کرسکتے تھے وہ جیل مین تھے۔ انکی جگہ لبرل حضرات نے لی۔ نتیجہ جو کچھ ہو اٹھا رہے ہین وہ قوم کے دوست ثابت ہوگئے۔ سرکار سے بھی خوشنودی کا پروانہ عطا ہوا۔ نفاق کا بیج بویا گیا کانگریس کی یکجہتی کے لیے اسکا وقار مٹانیکے لیے۔ اسے پبلک کی نظرون مین ذلیل کرنے کے لیے۔ اور چونکہ کانگریس کا ایک حصہ خود ہی لبرل حضرات کا ہم غرض تھا اسنے بھی اس چنگاری کو بھڑکایا۔ کہ کہین ہم اپنا بھرم نہ کھو بیٹھین

کانگریس کے لیڈروں نے بھی مجرمانہ سکوت سے کام لیا۔ یہ ہے اس کشاکش کا راز جو اسوقت قوم کا نازک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہ ساری آتش انگیزی یا تو محض کونسلوں میں ووٹ حاصل کرنے کے لیے تھی یا سرکار کو خوش کرنیکے لیے ہیں۔ لیکن اسکا اثر حصول مقصد کے بعد برسوں تک قائم رہیگا۔ ستم یہ ہے کہ اب بھی ہندو علم برداران قوم اتحاد کی اہلیت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ کونسلوں میں جا بیٹھنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ ہندو سنگھٹن کو تقویت دینے والونکی کمی نہیں ہے تاریخی تعصبات کے مردے اُکھاڑنیوالونکی کمی نہیں ہے۔ کمی ہے تو اتحاد کے لیے اپنے تئیں وقف کر دینے والونکی، فنا فی الاتحاد ہو جانیوالونکی مسلمانوں میں علی برادران، مولینا ابو الکلام آزاد، ڈاکٹر کچلو اتحاد کے لیے اپنے کو وقف کر چکے ہیں۔ ہندوؤں میں یہ صف خالی ہے۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ جس اتحاد کو مہاتما گاندھی نے سوراجیہ کا پہلا زینہ قرار دیا ہو اسکے لیے ایک باا ثر ہندو بزرگ کلیتہً تیار نہیں ہے۔ اگر یہی لیل و نہار ہے تو سوراجیہ مل چکا اور اگر حلوائی کی دوکان پر دادے کا فاتحہ پڑھا جانا ممکن ہو تو ہمیں سوراجیہ کے نام پر فاتحہ پڑھ لینا چاہیئے

پریم چند

مولانا محمد علی کیطرح منشی پریم چند صاحب کے میثلٹ اور ملکی ترقی کے زبردست حامی ہیں۔ ملک کی ترقی کی راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہندو مسلمانونکے باہمی نا اتفاقی ہے۔ اور ہم خوش ہیں کہ اب اہل ملک کو اسکی اہمیت کا احساس ہو چلا ہے۔ اور ہمارے لیڈران اسکے دفعیہ کیلئے سرگرم کوشش ہیں۔ مسٹر پریم چند مسٹر سی آر داس کیطرح سارا الزام ہندوؤنکو دیتے ہیں اور ملک کے فائدے کیلئے حب الوطنی کے کام پر انسے انتہائی ایثار کے متمنی ہیں۔ مسٹر پریم چند کے اکثر مطالبات میں قومی جذبات کے پامالی کا شائبہ ہے۔ وہ مسٹر داس کے ہمخیال ہیں۔ لیکن قومونکے باہمی منافرتوں کا دفعیہ اسطرح ذرا مشکل سے ہوتا ہے اور کسی ایک قوم سے اپنے دیرینہ جذبات اور مذہبی محسوسات کو یک لخت فنا کر دینے کا مطالبہ ذرا اہم اور شاید ناممکن العمل مطالبہ ہے۔ لیکن ملک کیلئے یہ کچھ کم خوش نصیبی کی بات نہیں ہے کہ فریقین کے بعض اہل الرائے اصحاب اتفاق باہمی کیلئے سب کچھ کرنیکو تیار ہیں۔ ہم اپنے قابل دوست کے رائون سے متفق ہوں یا نہوں لیکن اس قسم کے صلح کل ہستیوں کے وجود کو ملک کیلئے بسا غنیمت سمجھتے ہیں۔ یہ مضمون بحث طلب ہے، اور زمانہ کے صفحات اس اہم مباحثے کیلئے کھلے ہوئے ہیں ہم اپنے ہندو ناظرین سے اس مضمون کو ٹھنڈے دل سے پڑھنے اور اسپر خلوص دل سے غور کرنیکی درخواست کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر شخص صدق نیت سے ملکی اتفاق کی ضرورت پر غور کرے اور اسکے لیے زیادہ سے زیادہ ایثار نفس کیلئے تیار ہو جائے کیونکہ باہمی اتفاق کے بغیر ہماری ملکی نجات قطعی ناممکن ہے۔ (ایڈیٹر زمانہ)

ماجرائے ازل

تصادم آج پروانوں سے ہوتا ہے مرے دل کا — کہ بزم نازنین دور عمل ہے شمعِ محفل کا

غزلخوانی کی فرمایش ہے اہلِ بزم کی مجھ سے — یہ اک ایما ہے در پردہ بیانِ قصۂ دل کا

وہ طالب ہیں اگر اسکے، اگر اصرار ہے انکو — سنا دو، ہاں سنا دو، نغمۂ ناز و آج محفل کا

سبق آموز و عبرت خیز ہے لیکن ہے طولانی — یہ درد آمیز و حسرت خیز قصہ حضرتِ دل کا

طبیعت خلوت آرائی و تنہائی سے اکتائی — تو قصدِ جلوہ فرمائی ہوا اس حسنِ کامل کا

ہوئی تخلیقِ دل مدِ نظر حسنِ خود آرا کو — دلِ رنگین ہوا پیدا، جمایا رنگ محفل کا

ودیعت کر دیے جذباتِ الفت حسن نے دلکو — ہوا یہ حاملِ بارِ امانت عشقِ کامل کا

امانت دار بننے پر اک اندازِ محبت سے — خطاب[۵] اسکو تھا ظالم کا، لقب اسکو جاہل کا

ہوا سامانِ دلچسپی، بصد رعنائی و خوبی — دلِ حسن آشنا پر کھل گیا در عیشِ منزل کا

بااکتسابِ ضیائے حسن سے سامانِ آرایش — صفائے حسن خود بیں نے بنایا آئینہ دل کا

ادھر وہ حسنِ بے پایاں، ادھر آئینہ حیران — ہر اک محو تماشا بن گیا مد مقابل کا

جمالِ یار ادھر مصروف تھا دلداریٔ دل میں — پرستاری جمالِ یار کی، تھا کام ادھر دل کا

---

۵ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان، انہ کان ظلوماً جہولاً (سورہ … پارہ ۲۲)

ترجمہ:- ہم نے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) آسمان و زمین پر (اپنی) امانت پیش کی انھوں نے اسکے اٹھانے سے انکار کیا اور بوجہ (اہمیت بارِ عظیم کے) شق ہوگئے اور انسان نے اس (بارِ عظیم کو) اٹھا لیا۔ حقیقت میں وہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے" (بڑا ظالم ہے اپنے آپ پر ظلم اور ایسا ظلم کرتا ہے) اسکی سعت و جرأت پر اس بلیغ و منقبت ضمیر نشان سے آفرین و مرحبا کہا گیا۔ اور اسکی ذمہ داری کی اہمیت بتائی گئی۔

فنافی الحسن تھا، توحید کی تعلیم کامل تھی اور اک درس وفا تھا اتحاد حسن کامل کا
حواس وہوش کے ادراک سے برتر تھا یہ عالم نہ تھا کچھ دخلِ معقولات، اسمیں عقل عاقل کا
ابھی عشق مجازی کا نہ پردہ تھا نہ جھگڑا تھا "انا لیلےٰ"، کا قصہ تھا، نہ لیلےٰ کا نہ محمل کا
ابھی مکروفریب حسن سے ناآشنا دل تھا نہ تھا مسحور زہرہ کا نہ تھا زہرہ شمائل کا
ابھی ہاروت اور ماروت کے ملتے نہ تھے دلبر ابھی قصہ نہ پیش آیا تھا انکو چاہ بابل کا
ابھی نقش ہوا وحرص سے سادہ تھی لوح دل ابھی اُبھرا نہ تھا کتم عدم سے نقش باطل کا
ابھی خطرات آئے تھے نہ کچھ وسواس نفسانی کہ سدِ باب تھا دل پر ابھی ان کے وسائل کا
غرض کچھ بھی نہ تھا حسن حقیقی تھا مرادِ دل تھا وہی طالب تھا اس دل کا وہی مطلوب دل کا

ہوا پھر قصد وسعت حسن کے شوق تماشا کو ہوا منظور اسکو کچھ اضافہ حسنِ محفل کا
کہا اک ناز سے "کن" ہو گئی تخلیق عالم کی زمانہ دیکھنے نکلا کرشمہ حسن کامل کا
ہوئے شمس وقمر پیدا، ہوئے ارض وسما پیدا مقدر ان کو گردش، اُنکو ملے کرنا منازل کا
ہوئے لوح وقلم پیدا، ہوئے حور وملک پیدا ہوئے جن وبشر پیدا، بندھا نقش آب اور گل کا
مذاہب بھی ہوئے پیدا مسائل بھی ہوئے پیدا مباحث بھی ہوئے پیدا کھلا دفتر دلائل کا

قلم نے لکھدیا لوح جبین پر خط طغرا مین
"ہوا ہے حسن کو منظور اب امتحان دل کا"

محجوب لکھنوی

بیچین گھڑیان

کیا کہون ہوتا ہے اکثر اسقدر دل بیقرار
چاہتا ہے خود بخود رونیکو جی بے اختیار

یہ نہین معلوم کیون کس بات پر روتا ہون مین
یہ خبر ہے ہان کہ پہرون بیٹھکر روتا ہون مین

سوچتا ہون دلمین ٹہیرا کہ یہ کیا بات ہے
نیند آنی چاہیئے اب تو کہ آدھی رات ہے

چاہتا ہون مین کہ غافل سو رہا ہوتا مین کاش
کہتے ہین گلیون مین چوکیدار جب ہشیار باش

انکی آوازین فضا مین گونجتی ہین بار بار
شب کی خاموشی مین پیدا کر رہی ہین انتشار

اپنے اوپر بس نہین ہے کیا کرون ناچار ہون
سو رہے ہین بیخبر سب اور مین بیدار ہون

گمشدہ میرا سکونِ دل میسر ہو مجھے
اے مرے اللہ! قابو کچھ تو دل پہ ہو مرے

حامد اللہ افسر۔ بی۔ اے

یاس ہے حسرت ہے غم ہے اور شب دیجور ہے
اتنے ساتھی ہین مگر تنہا دلِ رنجور ہے

تیرا جانا تھا کہ غمخانہ یہ وحشت چھا گئی
مین یہ سمجھا تھا مرے گھر سے بیابان دور ہے

کثرت غم باعثِ محرومیِ گریہ ہوئی
ورنہ اک طوفان ہماری آنکھ مین مشہور ہے

ہائے کوئی بے خبر ہے محو آرائش ادھر
کوئی دل تھامے ادھر بیٹھا ہے اور مجبور ہے

ہین سرِ منزل مگر سودائیانِ جستجو
پھر ہین سرگرم سفر کہتے ہین منزل دور ہے

جب غرض والا کوئی آیا تو آنکھین پھیر لین
تم ہی پر کیا ہے زمانے کا یہی دستور ہے

جھلملانے والے تارو! تم نے یہ کیا کر دیا
ذرہ ذرہ عالم ایجاد کا مخمور ہے

اپنی ہر ہر سانس پر مین نے جھلک پائی تری
مین یہ سمجھا تھا کہ تو مجھ سے بہت ہی دور ہے

رو رہا ہے کوئی سناٹے مین پچھلی رات کے
دیکھ تو بھی چلکے شاید افسر مہجور ہے

کسیکی قبر کو دیکھکر

(ایک غم نصیب کے خیالات)

مرنے والے! کس زبان سے مین کہون مردہ ہے تو — پھر رہی ہے شکل تیری اب بھی آنکھون مین مری
دگ سمجھے ہین تجھے مردہ؟ مگر زندہ ہے تو — موت کی سرحد سے اب باہر ہے تیری زندگی

نقش ہے دلپر تری اک اک ادائے جان فزا — کان کو بھی یاد ہین تیری ترنم پاشیان
غنچۂ سربستہ تھا تو ہائے کیون مرجھا گیا — یہ تو دن تھے پھولنے پھلنے کے اے خلد آشیان

ذگی سے تیری وابستہ تھین ماں کی حسرتین — مرگ بے ہنگام نے سب کو ملایا خاک مین
گئین ناکام اس دکھیا کی ساری نیتین — گردشِ ایام نے سب کو ملایا خاک مین

ن! تری وہ نزع کے دم کی نگاہ واپسین — دیکھتی تھی جسکو وہ بیکس کلیجہ تھام کر
ذگی تھی تیری یا اک خواب حسرت آفرین — ڈھونڈھتی ہے آنکھ مل مل کر جسے ہر سو نظر

رے آئینِ وفا کا کیا یہی ہے اقتضا؟ — تشنۂ دیدار صورت کو تری ترسا کرین
ہی سکتی ہے کوئی تدبیر اسکی ہیچ بتا؟ — تو ہمین دیکھا کرے اور ہم تجھے دیکھا کرین

ے غریقِ بحرِ غم اے نامراد زندگی — ڈوبتے یون تو لبِ ساحل کبھی دیکھا نہ تھا
تیرے پاؤن کو لغزش ہوئی تو کب ہوئی — بام تک جانے مین جب باقی کوئی زینا نہ تھا
راوی حسرت و یاس و تمنا بیکسی — وقف ہین یہ چند کلیان تیری تربت کیلیے
ہ ذرہ اسکا ہے تفسیر خواب زندگی — تیری تربت آئینہ ہے چشمِ عبرت کیلیے

نصیر (دھاگلپوری)

بزم سخن

ذیل مین کرائسٹ چرچ کالج کانپور کے مشاعرہ کی غزلین درج کیجاتی ہین، جو دسمبر کے آخری ہفتہ منعقد ہوا تھا، چند غزلین نذر ناظرین ہین جنمین سے ابتدائی چار غزلین بلا انتخاب ہین باقی پانچ غزلون کے منتخب اشعار درج ہین

جناب مرزا جعفر علیخان صاحب اثر لکھنوی

معمورِ تجلی سے حیرت کدۂ دل تھا — آئینہ تھا پہلو مین آئینہ مقابل تھا

ناکامیٔ حسرت پہ سر پیٹتی تھین موجین — کشتی تھی تلاطم مین اور سامنے ساحل تھا

گلہائے نظارہ سے خالی تھے ابھی دامن — وہ آپ تماشائی اور آپ ہی محفل تھا

اس قتل کی لذت مین سب وصل کی لذت تھی — پیکان تھا کبھی دل مین پیکان مین کبھی دل تھا

پیمان محبت کو یون دل سے بھلا دینا — ترے لیے آسان ہو میرے لیے مشکل تھا

تو زہر اسے سمجھا غافل نہ مزا چکھا — یہ ذوق فنا کوشی اس زیست کا حاصل تھا

کیا لطف صبوحی تھا اُس نور کے تڑکے مین — سرخوش تھا ادھر ساقی سرشار ادھر دل تھا

تحصیل تھی حاصل کی یہ سعیِ دل وحشی — منزل پہ پہونچکر بھی سرگشتۂ منزل تھا

جینے کے لیے مرنا مرنے کے لیے جینا — آسان ہے یہ آسان تھا مشکل ہے یہ مشکل تھا

مژگان سے جو دامن تک مشکل سے اثر پہونچا
یہ خون کا اک قطرہ سنتے ہین کبھی دل تھا۔

جگر صاحب مرادآبادی

ہر پردۂ ہستی مین جب تو متشکل تھا — حیران ہون نہین جلوہ پھر کو نسا باطل تھا

وہ ہجر کے پردے مین جبوقت کہ واصل تھا — اس درجہ لطافت تھی احساس بھی مشکل تھا

کیا سیر تھی مین جبتک آوارۂ ساحل تھا — دریا کی طرح غم تھا کشتی کی طرح دل تھا

کیا چیز تھا یہ عالم کیا چیز مرا دل تھا — حیرت کا تھا آئینہ حیرت کے مقابل تھا

کل دیکھ کے یہ منظر قابو مین نہ پھر دل تھا — بیتاب یقین خود موجین لب تشنہ جو ساحل تھا

جسمین کہ تیرے جلوے خود دوڑتے پھرتے تھے — اس خون کا ہر قطرہ کونین کا حاصل تھا

وسعت نے نگاہونکی تاریک کیا منظر — اک ایک قدم ورنہ خود عشق مین منزل تھا

تھی شورش ہستی بھی تمہید فنائیت — ہنگامۂ محفل ہی برہم کن محفل تھا

جبتک تری نظرون سے تھا ربط نہان مجکو — پھیلا ہوا رگ رگ مین اک سلسلۂ دل تھا

جب غور کیا دم بھر سب نقش چمک اُٹھے — جب آنکھ ذرا کھولی آئینۂ مقابل تھا

محدود نگاہ مین یقین دیکھا نہ گیا ورنہ — اک جلوۂ بیرنگی ہر رنگ مین شامل تھا

دل کیلئے الفت کی قیدین ہی مناسب تھین — دیوانہ یہ ایسی ہی زنجیر کے قابل تھا

کونین مین برپا تھے جس جلوے سے ہنگامے — عشاق کے سینے مین دیکھا تو وہی دل تھا

کل اتنی حقیقت تھی منصور و انا الحق کی — ناچیز سا اک قطرہ دریا کے مقابل تھا

خود اپنی تجلی مین جب عشق تھا مستغرق — ہر ثابت و سیارہ مدہوش تھا غافل تھا

اُٹھتے تھے ادھر پیہم پردے رخ فطرت سے — مین محو تماشائے صورتگری دل تھا

دونون کے کشاکش مین مطلق نہ ملی فرصت — مین تشنۂ دریا تھا دل تشنۂ ساحل تھا

کونین کا غم دل نے سب لے لیا اپنے سر — آغاز کا دیوانہ انجام سے غافل تھا

کیا دن تھے جگر وہ دن جب صحبت اصغر مین
مخمور طبیعت تھی مسرور مرا دل تھا

مولینا سعید رزمی بھوپالی

اک عمر مین اب سمجھا دنیا کا یہ حاصل تھا — جو نقش تھا دھوکا تھا جو رنگ تھا باطل تھا

اے شوق طلب تو ہی وارفتۂ و غافل تھا — ہر نقش قدم ورنہ خضر رہ منزل تھا

وہ جلوۂ صد عالم جب رونق محفل تھا — فطرت کا ہر اک ذرہ رقصان صفت دل تھا

ہنگامۂ ہستی سے فرصت جو ملی دیکھا
اک داغ ندامت ہی کل زیست کا حاصل تھا

اے موج لب دریا سر پیٹ نہ تو اپنا
جو غرق ہوا اسمین آزردۂ ساحل تھا

کچھ ذوق سماعت ہی دنیا کو نہ تھا ورنہ
ہر ساز خموشی مین اک زمزمۂ دل تھا

طوفان حوادث مین جب غور کیا مین نے
خود آپ ہی دریا تھا خود آپ ہی ساحل تھا

دنیائے محبت مین کعبہ تھا نہ بتخانہ
ہر نقش قدم تیرا اک سجدہ گہہ دل تھا

ہر سانس سے پیدا تھا اک محشر رسوائی
مانا کہ ترا رازی خاموش تھا غافل تھا

جناب احسن سیمبھی ناظم حلقہ ادبیہ کانپور

ہستی کے فسانے کا جو باب تھا مشکل تھا
اک جان پر ارمان تھی اک درد بھرا دل تھا

دل ڈوب گیا غم مین غم وہم کا حاصل تھا
دیکھا تو نہ دریا تھا موجین تھین نہ ساحل تھا

آئینۂ وحدت کی اللہ رے یک رنگی
جو عکس نظر آتا میرا ہی مقابل تھا

اک داغ ہے پہلو مین، دل ہے نہ تمنا مین
برسون اسی خلوت مین ہنگامۂ محفل تھا

اک جلوۂ رنگین تھا دامان تمنا مین
اس پردے مین کیا جانے تم تھے کہ مرا دل تھا

اس جلوۂ باطل کا اب راز کھلا احسن
امید کا مٹنا ہی امید کا حاصل تھا

جناب رشک صاحب فتحپوری

بیجا نہ تھا یہ کچھ بھی گر شکوۂ قاتل تھا
مین بھی تو اک انسان تھا پہلو مین مرے دل تھا

سو مرحلۂ الفت اک آن مین طے کرتا
قابو مین مگر دل کا آنا ہی تو مشکل تھا

وہ کشمکش بیہم، تھی شب کہ معاذ اللہ
غم دل کا مقابل تھا دل غم کا مقابل تھا

دنیا کا ہر اک ذرہ بے چین تھا کیون یا رب
ہر ایک مین پوشیدہ شاید کہ مرا دل تھا

تم خود کرو اندازہ ہان رشک کی حسرت کا
ڈوبی ہے جہان کشتی دو ہاتھ یہ ساحل تھا

حافظ اشرف علی صاحب حافظ کانپوری

اسقدر جلایا ہے سوزِ غمِ پنہاں نے   اک داغ سا باقی ہے سینے میں جہاں دل تھا
اے بیخبرِ مستی دیکھا ہی نہیں تو نے   میخانۂ الفت کے ہر ذرے میں اک دل تھا
کیا حوصلہ افزا تھا ذوقِ طپشِ پیہم   جب درد نہ تھا دل میں اسوقت بھی بسمل تھا

جناب ہادی ویلوری

اسطرح محبت میں بدنام مرا دل تھا   ہر آہ میں پنہاں تھا ہر اشک میں شامل تھا
بجھنے پہ بھی روشن ہے یہ دل بھی عجب دل تھا   برسوں کسی محفل میں شمعِ سرِ محفل تھا
بلبل کے ترانے پر گو پھول ہنسے لیکن   جو غنچہ تھا گلشن میں اک درد بھرا دل تھا
دلکو نہ پسند آیا ممنونِ خرد ہونا   اللہ رے ہشیاری کس شان سے غافل تھا

جناب فی کچھوچھوی

غم کا یہ نتیجہ تھا الفت کا یہ حاصل تھا   جو داغ تھا سینے میں گویا وہ مرا دل تھا
اس بحرِ حوادث نے کیا کیا نہ دیئے دھوکے   ہر موج کے دامن میں اک منظرِ ساحل تھا
اللہ نہ دکھلائے یہ منظرِ ناکامی   کشتی مری کب ڈوبی جب سامنے ساحل تھا
ممنون ہوں میں تیرا اے ذوقِ غم اندوزی   اب دل میں نہیں قائم وہ نقش جو باطل تھا

جناب فرحت کانپوری

سوزِ غمِ پنہاں سے یہ عشق کا حاصل تھا   ہر اشک تھا اک چھالا ہر قطرۂ خوں دل تھا
خود اس میں پنہاں تھے امید کے سو جلوے   جو جلوہ نظر آیا برباد کنِ دل تھا
جب آنکھ کھلی مرکر اک خواب تھی یہ دنیا   ہستی جسے سمجھے تھے اک جلوۂ باطل تھا

جناب معین صدیقی کانپوری

اس بحث سے کیا حاصل ناقص تھا کہ کامل تھا   سرمایۂ عمر اپنا جو کچھ تھا یہی دل تھا
آنکھوں سے لہو سا کچھ بہتا تھا جو فرقت میں   ہم اشک سمجھتے تھے دیکھا تو وہی دل تھا
تم بنتے تو دمِ آخر کی آ کے مسیحائی   ہر چند شفا پانا بیمار کا مشکل تھا
جس طرح سے بھی لایا لایا ترے کوچے میں   کہنے کو تو دل اپنا ناواقفِ منزل تھا

ڈاکٹر ایٹس

نوبل پرائز جو ہندوستان کے مایۂ ناز شاعر ڈاکٹر ٹیگور کو ملچکا ہے۔ اب کے ڈاکٹر ڈبلو۔ بی ایٹس کو ملا ہے ڈاکٹر صاحب ۱۸۶۵ء مین آئرلینڈ کے شہر ڈبلن مین پیدا ہوئے تھے۔ انھون نے ابتدا مین ان سیاسی رہنماؤن کیساتھ کام شروع کیا جو آئرلینڈ کو انگلستان کے قبضہ سے بالکل آزاد کرانا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو ہند قدیم کے فلسفہ سے خاص دلچسپی ہے اور عمر کیساتھ ان کا یہ شوق بڑھتا گیا اور وہ ہندو فلسفہ کا برابر مطالعہ کرتے رہے شروع شروع مین انھون نے اپنے مخصوص طرز شاعری مین اس فلسفہ کو پیش کیا ہے تو لوگون نے انھین ہاتھون ہاتھ لیا اور ادبی دنیا مین انھون نے بہت جلد ایک ممتاز حیثیت حاصل کر لی۔ ڈاکٹر ایٹس صرف سیاسی کامون تک اپنی ذات کو محدود رکھنا نہین چاہتے اور نہ صرف شاعری کی خیالی دنیا ان کی مطمح نظر ہے۔ بلکہ آپکا خیال یہ ہے کہ سیاسی آزادی حاصل کرنے کے لیے ملک مین ایسی صلاحیت پیدا ہونا چاہیے جس سے وہ اپنی نظرون مین آپ موقر ہو سکے۔

آپکی شاعری نری خیالی شاعری نہین ہوتی وہ میدان ترقی مین قدم بڑھانا سکھاتی ہی۔ مُردہ دلون مین جوش پیدا کرتی ہے اور نوجوانون کو وہ طریقے بتاتی ہے جنسے ان مین حیات قومی کے آثار پیدا ہو سکتے ہین آپنے کئی ڈرامے بھی لکھے ہین اور آئرش ڈرامانویسون کی ایک خاص روش پہ لگا دیا ہے جس مین انکو نمایان کامیابی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے خیالات اس عالم مادّی مین محدود نہین رہتے وہ عالم بالا اور عالم ارواح کے مضامین نظم کرتے ہین اور بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی فلسفیانہ مسئلہ کو بیان کرتے ہین۔ لیکن عوام اُسکو نہین سمجھ سکتے۔ بیش پا افتادہ باتون اور پامال مضامین سے ان کی شاعری پاک ہے۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا دل بنی نوع انسان کی محبت و ہمدردی سے بھرا ہوا ہے۔

ان کی شاعری مین محض الفاظی نہین ہوتی بلکہ وہ اپنے کلام مین فلسفیانہ نظریات اخلاقی مسائل اور تصوف کی چاشنی اس خوبی سے سموتے ہین کہ دلپر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔

فطری مناظر کی جھلک بھی ان کے کلام مین اکثر نظر آتی ہے ان کی انگریزی نظمون مین زبان کی وہ تمام خوبیان موجود ہوتی ہین جو زبان اور اہل زبان کے لیے سرمایۂ ناز ہوسکتی ہین۔ بیان زبان کی خوبیون کے علاوہ علمی خیالات، فلسفیانہ مسائل، اور تصوف کے نکات کو وہ نہایت لطیف پیرایہ مین بیان کرتے ہین۔ اُنکے ہان جذبات کا فقدان نہین ہوتا لیکن متانت سنجیدگی کہین ہاتھ سے نہین جانے پاتی وہ جذبات کی تصویر بڑی خوبی سے کھینچتے ہین اور جب چاہتے ہین تو نہایت آسانی سے سامعین یا ناظرین کے جذبات کو اپنے حسب منشا مشتعل کرا دیتے ہین۔

غرض ڈاکٹر صاحب موصوف ہر طرح اس انعام کے مستحق تھے اور فیصلہ کنندگان نے ان کو انعام کا مستحق ٹھیرا کر اپنے مذاق سلیم کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔

ہندوستان مین خود نوشت حالات لکھنے کا زیادہ رواج نہین ہے اور سوانح عمریان بھی کم ہی لکھی گئی ہین۔ حالانکہ اچھی سوانح عمریونکی ہر ملک کے علم ادب مین ہمیشہ گنجائش رہتی ہے۔ ہمارے ناظرین یہ سُنکر خوش ہونگے کہ پولیٹکل زندگی سے کنارہ کشی کے بعد مشہور محب وطن سر سریندر ناتھ بنرجی آجکل اپنی سوانح عمری لکھ رہے ہین۔ بلکہ اسکے چند باب بھی ختم ہوگئے ہین اور اُمید ہے کہ چند ماہ مین یہ کتاب مکمل ہوکر شایع ہو جائے گی۔ سر سریندر ناتھ صاحب نے آجتک پولیٹکل جد وجہد ہی مین اپنی عمر بسر کی۔ آپکے خود نوشت حالات بہت ہی دلچسپ ہونگے اور زمانہ حال کے سیاسی تاریخ کے بہت سے واقعات کی اندرونی حالات معلوم ہو سکین گے۔

مولینا عبد الحفیظ حافظ مرحوم (کلکتہ) کا پچھلے دنون انتقال ہوگیا تھا۔ اب مولانا وحشت (کلکتہ) نے ڈھاکہ کے موقر رسالہ جادو مین لکھا ہے۔ کہ مرحوم کے انتقال کے بعد تکیہ کے نیچے ذیل کا شعر ایک پرچہ پر لکھا ہوا پایا گیا۔ غالباً مرحوم کا یہ آخری شعر ہے ؎

اے زمین کے رہنے والو کچھ جگہ باقی رہے
اس نئی بستی مین اک خانہ خراب آنے کو ہے

مضمون جتنا اچھوتا ہے۔ اتنا ہی برمحل ہے۔ اہل بصیرت اسکا حقیقی اور وجدانی لطف اُٹھا سکتے ہین۔

علمی خبرین اور نوٹ

اردو رسالون مین ہر سال اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ گو ہمارا خیال ہے کہ جتنے رسالے جاری ہوتے ہین اُتنی ترقی عام مذاق مین نہین ہو رہی ہے۔ تاہم یہ سب علمی کوششین قابل قدر ہین۔ پچھلے سال کے نئے رسالون مین جادو خاص طور پر قابل قدر ہے۔ یہ رسالہ ٹائپ مین چھپتا ہے اور اسکے ہر نمبر مین بعض مفید اور محققانہ مضامین شائع ہوتے ہین۔ ہمکو اُمید ہے کہ یہ رسالہ صوبۂ بنگال مین اردو کی ترجیح و اشاعت کا فرض بخوبی ادا کریگا کلکتہ سے مستورات کیلئے بھی حور نامی ایک دلچسپ پرچہ جاری ہوا ہے۔ بنگال سے ان رسالون کے اجراء پر ہر ترقی خواہ اردو کو مسرت ہوگی۔

دہرہ دون سے مظاہر جدید" ایک رسالہ نکلا ہے۔ جسمین سائنس کے چٹکلے اور علوم جدیدہ کے حالات وغیرہ چھپتے ہین۔ اسکی ترتیب وغیرہ مین اصلاح کی گنجائش ہے۔ اسکے کارکنون کو مستقل مضامین کی حاصل کرنے کیطرف توجہ کرنی چاہیئے۔

ہمارے دوست ملا محمد الواحدی اردو کی بڑی خدمت کر رہے ہین اور خوشی کی بات ہے کہ یہ خدمت تجارتی کامیابی کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ حال مین آپ نے ایک اور نیا پندرہ روزہ رسالہ درویش نامی جاری کیا ہے جو آپکے دیگر رسالون کیطرح خواجہ حسن نظامی صاحب کے زیر سرپرستی شائع ہوتا ہے۔ آپکا رسالہ نظام المشائخ نکل رہا ہے مگر اب گلچین اور خطیب ہمارے ناچیز مشورے کے بموجب بند کر دیئے گئے ہین۔

یورپ کا مذاق علمی اس حد تک ترقی کر گیا ہے کہ مرحوم ارل آف کریزنٹ کی اُنیس کتابین صرف صفحہ لکھنے مین پینتیس ہزار پونڈ مین فروخت ہوگئین۔ انہین کتابون مین ایک کتاب ایسی ہے جسکی قیمت چھ ہزار پونڈ ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ پروفیسر فیروز الدین صاحب مراد ایم۔ایس۔سی۔شعبۂ طبیعیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ارادہ کیا ہے کہ سائنس اور دیگر فنون کے متعلق انگریزی کی بعض مشہور و عام فہم تصانیف کا اردو مین ترجمہ کیا جائے۔چنانچہ انکی زیر ہدایت ہمارے مکرم مسٹر عبد الشکور صاحب بی۔اے آجکل کتاب Discovery کا ترجمہ کر رہے ہین۔اس ترجمہ کا ایک حصہ زمانہ بابت ماہ نومبر مین ہدیہ ناظرین بھی ہو چکا ہے۔

اردو مین کتاب چھپنا ایک مہم سے کم نہین ہوتا۔ملک مین گنتی کے چند مطابع ہین جو پورے طور پر مکمل پریس کہے جا سکتے ہین۔اور یہ بھی بہت کم ایسے ہین جو پابندی وقت کیساتھ حسب مرضی کام کر سکین۔اس کا اندازہ انھین کو ہو سکتا ہے جنکو کبھی کوئی کتاب چھپوانیکا اتفاق ہوا ہو۔انگلستان مین پریس نے جو تکمیل کا درجہ حاصل کیا ہے اسکا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ حال مین مشہور و معروف مصنف مسٹر رڈیارڈ کپلنگ نے اپنی ایک تصنیف پچھلے کرسمس کیلئے چھپوانا چاہی تھی ۲۳۔اکتوبر ۱۹۲۳ء کو یہ کتاب پریس مین بھیجی گئی۔دو دن کے اندر مطبع نے ٹائپ مین کتاب تیار کر لی اور پروف وغیرہ پڑھکر تمام غلطیان بھی درست کر لین۔اسکے بعد فوراً ہی اسکے الیکٹرو ٹائپ تیار کر لیے گئے۔اور ۲۷۔اکتوبر کو چھپائی شروع ہوئی۔۳۰۔اکتوبر کو کتاب چھپکر تیار ہو گئی اور ۳۱۔تاریخ کو اسکی پانچ ہزار جلدین جلد بندی کے لیے دی گئین۔اس کتاب کیلئے کاغذ مسرس جان ڈکنس نے خاص طور پر تیار کیا تھا۔۲۴۔اکتوبر کو ساڑھے تین بجے دن کیوقت انکو آرڈر دیا گیا اور دوسرے ہی دن صبح کو انھون نے دو ٹن کاغذ تیار کر کے مطبع بھیجدیا اور ۲۷۔اکتوبر تک آرڈر کی تعمیل کر دی! کیا اردو مین بھی کبھی یہ ممکن ہوگا!

خوشی کی بات ہے کہ ہمارے یونیورسٹی گریجویٹ ہندوستانی زبانون کی ترقی کیطرف متوجہ ہوئے ہین اور یونیورسٹیان انکی پوری حوصلہ افزائی کر رہی ہین۔ہمارے صوبہ کی الہ آباد و لکھنؤ یونیورسٹیون مین اردو ہندی کے توسیع و ترقی کے لیے انجمنین قائم ہو گئی ہین۔ان دونون ادبی مرکزون کی اردو انجمنون کے حمایت مین ابتک کئی لکچر ہو چکے ہین اور اپنے اپنے رسالے شائع کرنے کی کوششین ہو رہی ہین۔ہماری رائے مین نئے رسالون کو جاری کرنے کی بہ نسبت مستند کتابون کا ترجمہ شائع کرنا بہتر ہوگا۔کیا اچھا ہو جو ہمارے علم دوست نوجوان اردو زبان کی ترقی کیلئے ابھی سے باقاعدہ کوشش کرنا آغاز کر دین۔تصنیف و تالیف

کی قابلیت اور اسمین مشق حاصل کرنیکا بہترین موقعہ طالبعلمی ہی کا زمانہ ہے۔ ترجمون اور مضمون نگاری کے ذریعہ اردو کو بہت کچھ نفع پہونچ سکتا ہے۔ اور ابھی اسکی بڑی گنجائش بھی ہے۔ صوبہ بہار مین بھی انجمن ترقی اردو قائم ہوئی ہے۔ بہتر ہو کہ پٹنہ یونیورسٹی کے گریجویٹ صاحبان بھی اسطرف توجہ کرین۔

ہندوستانی زبانون کا مستقبل ضرور شاندار نظر آتا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے اردو زبان کے ذریعہ اعلیٰ ترین تعلیم دینے کا بندوبست کیا ہے۔ کلکتہ یونیورسٹی نے عرصہ سے بنگالی زبان کو بی۔ اے کلاس کے کورس مین داخل کر رکھا ہے۔ اب ہمارے صوبہ کے انٹرمیڈیٹ بورڈ نے بھی یہ طے کر دیا ہے کہ اسکولون مین درجہ دہم یعنی انٹرنس کلاس داسکول یونگ کلاس تک کی کل تعلیم اردو ہندی یا انگریزی مین دیجا سکتی ہے اور طلبا کو بھی اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ سوالات کے جوابات جس زبان مین چاہین دیسکتے ہین۔ اگر کوئی طالبعلم چاہے تو سب پرچون (انگریزی زبان کے پرچہ کے علاوہ) کے جوابات اردو مین لکھ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا سہولیت ہوسکتی ہے۔ انٹرمیڈیٹ اور رفتہ رفتہ بی۔ اے کلاس کیلئے بھی یہی سہولیت ہو جائے گی۔ اس سے زیادہ ملک کی اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے کہ ہمارے نوجوان غیر ملکی زبان کے ساتھ ساتھ (یا اسکے بجائے بھی) اپنے ملکی زبانون مین سے کسی مین دستگاہ حاصل کرین۔ مگر اسکے ساتھ ساتھ سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ تصنیف و تالیف و ترجمہ مین غیر معمولی ترقی کا سامان کیا جائے۔ تاکہ دیسی زبانون کا ادبی خزانہ زمانہ حال کے ضروریات کا ساتھ دیسکے۔

پچھلے سال ہندی رسالون کی خاص طور پر ترقی ہوئی ہے اور ہمعصر مادھوری لکھنؤ تو واقعی سب پر گوئے سبقت لیگیا ہے۔ ہر ماہ اسمین تین چار رنگین اور پچاسون سادی تصاویر شایع ہوتی ہین مضامین کا حجم بھی سب سے زیادہ ہے یعنی ہر ماہ نظم و نثر کے قابل قدر سوسوا سو صفحات ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہین چھپائی کاغذ اور دیگر محاسن ظاہری مین یہ رسالہ نہایت درجہ دیدہ زیب ہے۔ مادھوری واقعی انگریزی کے بہترین باتصویر رسالونکے طرز پر شائع ہو رہا ہے اور ہم اسکی کامیابی پر اسکے کارکنونکو تہ دلسے مبارکباد دیتے ہین۔ حال مین مادھوری نے گوسوامی تلسی داس کی سہ صد سالہ برسی کی یادگار ایک خاص نمبر نہایت اعلیٰ اہتمام سے شایع کیا تھا۔ ایسی اولوالعزمی ہر طرح سے قابل قدر ہے۔ ہمعصر پربھا کانپور نے حالمین ناگپور کے قومی جھنڈے کی ستیہ گرہ کے متعلق ایک خاص نمبر نکالا تھا جسمین اس تحریک کے متعلق دو نادر تصویرین دیگئی تھین ہمعصر موصوف کی ترقی بھی ہر طرح قابل مبارکباد ہے۔ ہمعصر سرسوتی الہ آباد نے امسال خوب ترقی کی ہے۔ اسکے جنوری نمبر مین تین رنگین اور متعدد سادہ

تھا و یر شایع ہوئی ہین۔

بعض مضمون نگارون نے یہ عجیب افسوسناک طریقہ اختیار کیا ہے کہ دوسرون کے مطبوعہ مضامین خفیف ردوبدل کے ساتھ اپنے نام سے شائع کرا دیتے ہین - ابھی حال مین رسالہ زمانہ کو بھی ایک صاحب سردار احمد صاحب نے اسی قسم کا دھوکہ دیا ہے - زمانہ جنوری مین جو قصہ "محبت کے گنہگار" کے نام سے چھپا ہے اسکے مصنف ہمارے مکرم بھاشے سدرشن ہین - اس سے پہلے ان کا دلچسپ مجموعہ "قوس و قزح" مین چھپ ہو چکا ہے - اس قصے کا مسودہ ہمارے پاس موجود ہے - عبارت مین جا بجا معمولی ردوبدل کر دیا گیا ہے - ہم اس دھوکے پر جو ہمکو اور ناظرین زمانہ کو دیا گیا - اظہار افسوس کرتے ہین - آیندہ سے ہم سردار احمد صاحب کا کوئی مضمون رسالہ زمانہ مین شایع کرنیکو تیار نہین غالبا اس طرز عمل سے ان حضرات کو تنبیہ ہوگی جو غیرونکے مضامین کو لفظونکے الٹ پھیر سے اپنا بنالنے مین کمال رکھتے ہین اور ترجمہ کو تصنیف کے رنگ مین ظاہر کرنا باعث فخر سمجھتے ہین -

انشاء اللہ زمانہ آیندہ اس قسم کے مضمون نگارون کی عنایت سے محفوظ رہنے کی پوری کوشش کریگا - زمانہ خود بھی اس قسم کے سرقون کا اکثر شکار ہوتا رہتا ہے - یعنی کبھی کبھی اسکے شائع شدہ مضمون دوسرے رسالون مین شائع ہوتے رہتے ہین - ہمین ان مضامین نگار حضرات کی شہرت پسندی اور جسارت پر افسوس ہے جو اس قسم کے اخلاق کش افعال کے مرتکب ہوتے ہین - وہ حضرات بھی قابل تحسین نہین ہو سکتے ہین جو اپنے مضمون کو بار بار چھپوانا باعث فخر خیال فرماتے ہین - حال مین ہمارے دوست حکیم یوسف حسن صاحب لاہوری کا یہ شکایتی خط موصول ہوا ہے -

"دسمبر ۱۹۲۳ء کی شباب اردو مین ایک فسانہ "علطی کسکی تھی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے - چند سال گذرے مینے یہ فسانہ رسالہ زمانہ مین شائع کرایا تھا جب یہ قصہ رسالہ زمانہ مین درج ہو چکا تو اسکو شباب اردو مین شائع کرنیکے لیے ضروری تھا کہ میری یا اڈیٹر زمانہ کی اجازت حاصل کیجاتی یا کم از کم بحوالہ زمانہ اسکو شائع کیا جاتا - لیکن شباب اردو مین یہ قصہ مسز بشارت علیخان کلکتہ کے نام سے درج ہے البتہ ایکطرف منقول کا لفظ بھی لکھا گیا ہے گر یہ ہرگز کافی نہین ہے - بلکہ منقول کیساتھ لفظ زمانہ بھی لکھنے کی ضرورت تھی - معلوم نہین کہ مسز بشارت علیخان نے کن مصلحتون کی بنا پر زمانہ کا نام لکھنا ضروری نہین سمجھا - مدیر کا قلم اسکا متحمل نہین ہو سکا - ہو سکتا ہے کہ زمانہ نگار [illegible] بہرحال [illegible] یہ معلوم کرنیکی توقع ہے کہ یہ غلطی کسکی تھی؟

"حکیم یوسف حسن لاہوری"

ایک مرتبہ زمانہ کا ایک فسانہ جو نپولین کے متعلق تھا، اور جسکے مصنف حضرت نیاز فتحپوری تھے ایک صاحب نے معمولی قطع و برید کے بعد مخزن لاہور مین اپنے نام سے چھپوا دیا تھا۔

ہمارے سوراجی بھائی

رسالہ پربھا کانپور کی اجازت سے

برٹش گورنمنٹ اور سوراج پارٹی

جرمن مال کی کثرت

بازارون مین جو مال نظر آتا ہے سب پر جرمنی بنا ہوا لکھا ہے

لبرل پارٹی

مسٹر ایسکوتھ

ٹوری پارٹی

مزدور پارٹی

موجودہ برٹش پارلیمنٹ مین پارٹیون کی حالت

गौतमबुध्ध

سارناتھ میں گوتم بدھ کی مورت

زمانہ

جلد ۴۲ — مارچ سنہ ۱۹۲۴ء — نمبر ۳

مسلمان اور علوم ہند

حساب اور جبر و مقابلہ

عام عقیدہ ہے کہ عرب علم جبر و مقابلہ کے موجد ہین تمام مہذب دنیا مین یہ علم اپنے عربی نام سے مشہور ہے جو علانیہ اسکی عربی اصل کیطرف اشارہ کرتا ہے۔ مستشرقین یورپ کی رائے ہے کہ گو عربون نے اسکے مبادی تو دوسری قومون سے سیکھے مگر اسکی ترقی اور نشو و نما مین اُنھون نے جو حصہ لیا وہی اُن کے دعوی ایجاد اور شہرت دایمی کے قیام کے لیے کافی و وافی ہے۔ اور اب کہ یہی سی رائے جدید یا وحید عصر یگانۂ روزگار فاضل ہمال ہی مین اُن کے اِس دعوی کی تصدیق کر چکا ہے۔ کسکی مجال ہے کہ اُس سے انکار کرے۔

عربی مین اس علم کا پورا نام استقصاء المجہولات بطریق الجبر و المقابلہ ہے جسکے معنی "معاوضہ اور مقابلہ کے ذریعہ سے نامعلوم چیزون کا دریافت کرنا" ہین۔ اس طویل لقب کی تخفیف کے لیے مہذب دنیا پیسہ کے باشندے لیونارڈو کی ممنون ہے۔ اس ایطالوی نے عبارت مذکورہ کے اور تمام الفاظ کو اڑا کر صرف "الجبر" کو باقی رکھا جو مسائل جبر و مقابلہ کے حل مین سب سے ضروری اور اہم عمل کو بتاتا ہے۔ اور عام خیال ہے کہ قدیم مسلمان مصنفون مین سے پہلا شخص جسنے جبر و مقابلہ پر قلم اُٹھایا۔ محمد بن موسی الخوارزمی ہے۔ چونکہ وہ فزاری کے سندھند کا جو برہما سدہانت کا عربی ترجمہ ہے اُس سے پہلے ہی خلاصہ کر چکا تھا اور اس کتاب کے تیرہوین اور اٹھارہوین فصلین جو گنت دھیاے اور کوٹاد ھیاے

---

[1] اِس مضمون کا پہلا حصہ جنوری سنہ ۱۹۲۴ء کے رسالے مین شائع ہو چکا ہے۔

کہلاتی ہین علم جبر و مقابلہ سے بحث کرتی ہین (دیکھو "انڈشے آلٹرتمس کنڈے" مصنفہ پروفیسر لاسین جلد چہارم) لہذا اس امر کے باور کرنے کی ہر ایک وجہ موجود ہے کہ وہ ان فصلون کے مضامین سے واقف ہوگا اور اس صورت مین بے دہڑک فرض کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے اپنے جبر و مقابلہ کی بنیاد برہماگپت کے جبر و مقابلہ پر رکھی ہوگی۔ پروفیسر لاسین کے اس مفروضہ کی بنیاد بظاہر مسٹر کالی برک کی شہادت پر معلوم ہوتی ہے۔ مسٹر کالیبرک کا بیان ہے کہ محمد بن موسیٰ الخوارزمی کے جبر و مقابلہ کا واحد قلمی نسخہ جو باڈلین لائبریری مین محفوظ ہے اُسکے چند حصون کا مینے ترجمہ کرایا اور جب ان کا برہماسدھانت کی فصلون سے مقابلہ کیا تو میرا میلان خیال ہوا کہ اول الذکر آخر الذکر پر مبنی ہے۔ یہ دونون یورپین مصنف عربون کے سر سے اتنی مدت کی شہرت کا تاج اتار لینے کی فکر مین بیتاب نظر آتے ہین۔ ان کے خیالات جس لائق بھی ہون ہم بے کم و کاست بغیر کسی رائے زنی کے آپ کے سامنے پیش کئے دیتے ہین۔ چونکہ باڈلین لائبریری کے اُس بیبہا قلمی نسخہ کے عدم موجودگی مین اس مسئلہ کی نسبت فیصلہ کن رائے دینا قطعی ناممکن ہے۔

اب رہا علم حساب تو اُسکے متعلق اس امر مین شبہہ کی گنجائش ہی نہین معلوم ہوتی کہ عربون نے اہل ہند سے اخذ کیا۔ رقوم عددی کا عام نام یعنی لفظ "ہندسہ" خود اس امر کا بین ثبوت دیتا ہے کہ عربون نے انہین ابتداءً ہندوستان سے لیا۔ امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی مثنوی "نہ سپہر" مین اس لفظ کی نسبت یون خیال کے گھوڑے دوڑائے اور اٹکل کے تیر لگائے ہین کہ یہ لفظ ہند اور آسا سے مرکب ہے اور آخر الذکر ان کے موجد کا یا اُس شخص کا نام ہے جس سے عربون نے ان کے گُر سیکھے۔ اہل یورپ اگرچہ اس بارہ مین عربون کے گرانبار احسان ہین۔ پھر بھی ہم ان کو "ہندی رقوم" ہی کا لقب دیتے ہین۔ علاوہ ازین ہم دیکھتے ہین کہ ان کثیر التعداد عرب مصنفون مین سے جنہون نے محمد بن موسےٰ کے زمانے سے پہلے اس علم پر کتابین لکھین۔ مثل یعقوب کندی، حنین بن اسحاق، اسحاق بن حنین وغیرہ۔ ہر ایک نے اپنی تصنیف کو الحساب الہندی ہی کا لقب دیا جس سے مطلق شبہہ کی گنجائش نہین رہتی کہ یہ تصنیفات اگر اس علم کی ہندی کتابون کے ترجمے نہین تو انپر مبنی ضرور تھین۔ خود ابو یوسف کندی نے بھی جو محمد بن موسےٰ کے بعد آیا اور تیسری صدی ہجری مین ابو معشر کا ہمعصر تھا اپنی اس علم کی تصنیف کو الحساب الہندی ہی کا لقب دیا ہے۔

یورپ انھین مصنفون کا ممنون ہے اور جبر و مقابلہ اور حساب کا علم اُسنے انہین سے حاصل کیا۔ لیونارڈو باشندۂ پیسہ یقینًا پہلا شخص تھا جسنے عیسائی یورپ کا عربی جبر و مقابلہ سے تعارف کرایا جس زمانہ مین کہ وہ اپنے باپ کے ہمراہ بربری مین تھا اور وہان کی چنگی کے محکمہ مین مہر کی خدمت انجام دیا کرتا تھا۔ اُسنے ہندی رقمون کے ذریعہ سے حساب و کتاب کا طریقہ سیکھا۔ چونکہ یہ اُسے سہل اور ان تمام ملکون کے طریقہ سے جنکی وہ سیر کر چکا تھا قابل ترجیح نظر آیا اُسنے اسے باقاعدہ سیکھا اور اسپر ایک رسالہ لکھنا شروع کیا۔ اپنی تصنیف کے نظر ثانی کئے ہوئے نسخے کے پہلے جس خط کا اُسنے اضافہ کیا ہے اُسمین اقرار کرتا ہے کہ پورے علم اعداد کی تعلیم ہندوستانی طریقے کے مطابق دیگئی ہے۔ اُسنے ہندی حساب کو عربی کی وساطت سے بارھوین صدی عیسوی کے آخری حصہ مین سیکھا اور اُسکے عام اصول دریافت کئے کیونکہ اُسکی تصنیف کی مقدم سے مقدم تاریخ ۱۲۰۲ء ہے۔

اُس سے کچھ اوپر دو صدی پہلے گیبرٹ (پوپ سلوسٹر ثانی) نے مسلمان معلمون سے علم حساب سیکھنا شروع کیا تھا۔ اسے تحصیل علم کا ایسا زبردست شوق تھا کہ دو برس تک بنیڈکٹن فرقہ کی تعلیم پانے کے بعد وہ چھپکر اسپین چلا گیا اور وہان کے مسلمانون سے علم احکام نجوم اور اس سے بڑھکر منفی علم حساب سیکھا۔ مراجعت پر اُس نے عیسائی یورپ کو اس سے واقف کیا مگر مبہم اور مشکل اصول پر طریق حساب سکھانے لگا۔ غالبًا یہ اصول کا ابہام اور عربی بلکہ ہندی حساب سے بحث کا طریقہ ہی اس امر کا ذمہ دار تھا کہ اُسکے زمانہ سے لیکر لیونارڈو کے زمانہ تک اس علم نے اسقدر کم ترقی کی۔

لیونارڈو کی تصنیف علم حساب کا ایک رسالہ ہے جو اس علم کے اور سب رسالون کیطرح پہلے دو درجون کی مساواتون کے حل پر ختم ہوتا ہے۔

اب ہم پھر اس میدان مین مسلمانون کے کارنامون کیطرف رجوع کرتے ہین تو نظر آتا ہے کہ بھاسکراچاریہ کی لیلاوتی اور بیج گنت دونون کو فارسی کا خلعت پہنایا گیا۔ پہلی کا ترجمہ شہنشاہ اکبر کے حکم سے ۱۵۸۷ء مطابق ۹۹۵ھ مین یعنی شہنشاہ مذکور کی تخت نشینی کے بتیسوین سال فیضی نے اپنے ذمہ لیا اور انجام کو پہنچایا اور دوسری کا ترجمہ صاحبقران ثانی شاہجہان کی

سلطنت کے آٹھوین سال سنہ ۱۶۳۳ء (سنہ ۱۰۴۲ ہجری) مین عطاء اللہ رشیدی بن احمد نادر نے کیا
یہی اس مصنف کی کتاب سدہانت شرومنی لیکن اسکا ذکر مسلمان مورخون کی تصنیفات مین
تو ہمین کہین نہین ملا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر کالبرک نے اسکا ترجمہ فارسی دیکھا تھا یا کم از کم اس
سے واقف تھے وہ اصل کتاب کی نسبت ایک جگہ تحریر فرماتے ہین "کہ متن کی صحت اسکے ہے تیقن
کے ساتھ اسکی کثیر التعداد شروح سنسکرت سے اور ان کے ماسوا فارسی ترجمہ سے کافی ثابت ہوتی ہے۔
غالباً یہ ترجمہ بھی مثل اور بہت سے بیش بہا نایاب فارسی کتابون کے یورپ کے کسی شرقی کتب خانہ
کے گوشہ مین پڑا خمول کے عہدے سہ رہا ہوگا ع

حسرت ان غنچون پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

طب

ہندی علوم مین طب سے بڑہکر کسی علم سے مسلمانون نے فائدہ نہین اُٹھایا علم کے اور
کسی شعبہ مین مسلمانان ہند اُن کے ایسے گرانبار امتنان نہین کسی اور مفید علم کا چشمہ اتنی صدیون
تک یعنی ابتدائے عہد بنی العباس سے اس زمانہ تک ہمین ایسے مسلسل منتظم رفتار سے بہتا نظر نہین
آتا۔ اس تمام طولانی مدت مین ہم مسلمان علما کو لگاتار عربی اور فارسی زبانون کو اس زرخیز غیر منقرض
منبع سے نکلنے والے بیش بہا ذخائر علم سے مالا مال بنانے مین مصروف پاتے ہین۔ اچھا اب آؤ
ان کے اس اقلیم کے کارنامون پر ایک سرسری نظر ڈالین کیونکہ اسکی پوری مساحت تو ایک طومار
چاہتی ہے۔

مصنف عیون الانباء نے ایک باب صرف ان ہندی اطبا کے مختصر سوانح عمری کی نذر
کر دیا ہے جو منصور، رشید اور مامون کے عہد مین دربار بغداد مین رونق افروز تھے، اور جنکی تصنیفات
ادب عرب کے اسی زمانۂ اقبال مین عربی مین ترجمہ ہو گئی تھین۔

ہم اولاً تو اس مصنف اور دیگر مورخین کے بیانات کا خلاصہ اُن قدمائے ہند کے متعلق پیش
کرینگے جنکی تصنیفات سے عالم اسلامی اُس زمانہ مین بذریعہ تراجم واقف ہوا اور بعد ازان اُن
حاضر ہندی طبیبون کا ذکر کرینگے جو بغداد پہونچے اور خلفا کے دربار مین شاید قبول و حصول مقصود
سے ہمکنار ہوئے۔ علم طب پر لکھنے والے قدیم ہندی اطبا کی لا انتہا قطار مین سے افسوس کہ ہم

دونون ہی سے آشنا ہین جنکی تصانیف آجتک موجود ہین چرک اور سشرت کے نام عربی مین اسقدر کم بگڑے بدلے ہین کہ انسان اول ہی نظر مین پہچان سکتا ہے کہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ عربی تذکرات ان سسرو انھین اشخاص کو بتاتے ہین جنھین مذکورہ بالا سنسکرت نام۔ اول الذکر کی نسبت ابوریحان البیرونی اپنی کتاب الہند مین یون تحریر کرتا ہے۔

ولھم کتاب یعرف بصاحبہ وھو چرک۔ یقدمونہ علی کتبھم فی الطب یکان من شأنہ فی ایام الاولی۔ ثم سمی چرک ای العاقل۔ قد نقل ھذا الکتاب للبرامکۃ فی العربیا۔ " اور ان کی ایک کتاب ہے جو اپنے مصنف کے نام سے مشہور ہے اور یہ نام چرک ہے، وہ لوگ اسے اپنے طب کی کتابون پر مقدم رکھتے ہین۔ یہ شخص دوآپر ترمپ مین ایک رشی تھا پھر اسکا نام چرک ہو گیا۔ جسکے معنی عقلمند کے ہین۔ برامکہ کے لیے عربی مین اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے!

مگر مصنف عیون الانباء کہتے ہین کہ اس کتاب کا ترجمہ اولاً فارسی مین ہوا اور اس فارسی ترجمہ کو عبداللہ بن علی نے عربی مین نقل کیا' افسوس کہ اس مصنف نے فارسی ترجمہ کا نام بھی نہین بتایا۔

دوسرے یعنی سسرو کی تصنیف کا جو دس فصلون پر مشتمل ہے اور جسمین علامات طریقہائے علاج اور نسخون کا ذکر ہے۔ یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم سے عربی مین اسکا ترجمہ ہوا۔ یہ وہی یحییٰ ہے جو منصور عباسی کا مشہور وزیر تھا اور جسے ایک زمانہ مین رشید بابا کہا کرتا تھا۔ اور جسکو تباہی خاندان زندان مین قید حیات سے نجات نصیب ہوئی۔

ان دونون سب سے قدیم ہندی طبیبون مین سے کسیکا بھی زمانہ معین نہین مگر دوسرا متاخر سمجھا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ چار اور قدیم اطباء کا نامون کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جنکی شخصیت دریافت کرنا آسان نہین۔ ان مین سب سے سابق و مقدم کنکہ ہے جسکا ہم نجوم کے بیان مین ذکر کر چکے ہین۔ طب کی کئی ایک کتابین جنمین سے ہر ایک کا عربی لقب اُسکے موضوع کو بتاتا ہے اسی طرف منسوب ہین اسے منکہ یا مانک کے ساتھ عموماً گڈمڈ کیا گیا ہے۔ خلط ملط نہین کرنا چاہیئے کہ ان دونون کو اتنا لانبا فاصلۂ زمانی ایکدوسرے سے جدا کرتا ہے کہ گڈمڈ کرنا ناقابل معافی تاریخی غلطی ہو گی۔

کنکہ کے بعد شاناق آتا ہے جسے مسٹر کالیبرک چرکہ کے ساتھ متحد بتاتے ہین مگر یہ محض باد رہوا
ظن وتخمین ہے کیونکہ ہم اس سے پہلے ہی بتا چکے ہین کہ چرکہ کی معرب صورت شرک ہے۔ چرکہ کے پہلے
دونون فتحون کے اشباع کے بغیر جو غیر ضروری ہے اور (ر) کو (ن) سے بدلے بغیر جسکی اور کوئی مثال
نہین پائی جاتی چرکہ سے شاناق نہین بن سکتا اور پھر (ج) اور (ش) کا مبادلہ بھی ایسا عام نہین۔
ہمارے خیال مین شاناق چانکیہ کی خرابی ہے۔ جسمین قواعد تعریب کو توڑنے مروڑنے کی ضرورت
نہین پڑتی۔ اسپر یہ اعتراض ضرور وارد ہوسکتا ہے کہ قدیم ہندی اطبا مین کوئی شخص اس نام
کا نہین پایا جاتا مگر اسکے جواب مین ہم کہہ سکتے ہین کہ اُس زمانہ کی کوئی قابل وثوق تاریخ بھی دستیاب
نہین۔ اس مضمون کے یہانتک لکھنے کے بعد ایک روز ہم جرمن مستشرق شائن شناڈر کے ایک رسالہ
کی سیر کر رہے تھے کہ ایک جگہ دیکھا فاضل مذکور بھی بالکل ہمارا ہمخیال ہے اُسنے بھی اس لفظ کی اصل
یہی بتائی ہے۔ عیون الانباء کا مصنف کہتا ہے کہ وہ ہندوستان کے مشاہیر اطبا مین سے تھا اور
اپنے طبی تجربہ، حذاقت معالجہ اور علم وفلسفہ کی دوسری شاخون مین مہارت کی وجہ سے بہت نامور
تھا علاوہ ازین ایک ممتاز منجم ومقرر تھا۔ جسکی ہندی راجہ بڑی قدر ومنزلت کرتے تھے۔ اُسکی ایک تصنیف
کا جسمین زہرون کا بیان ہے اور پانچ بابون پر مشتمل ہے۔ رشید کے طبیب خاص منکہ نے ابو حاتم
بلخی کی اعانت سے یحیٰی بن خالد برمکی کے لیے فارسی مین ترجمہ کیا۔ بعد ازان خلیفہ مامون کے واسطے
اُسکے اُستاد عباس بن سعید الجوہری نے اسکو عربی مین نقل کیا۔ شاناق کا ایک رسالہ علم بیطاری
دوسرا نجوم پر اور تیسرا مسمی بہ منتحل الجوہر فلسفہ پر بھی ہے۔

ان مختصر سوانح عمریون کے بعد قریباً ایک درجن ایسے اشخاص کی فہرست آتی ہے جو نسبتاً گمنام
الاحوال ہین اور جنکے نام ایسے مسخ ہوئے ہین کہ کسی طرح پہچانے نہین جاتے جیسے۔ صنہل، باکہ
راجہ، سنگھ، داہر، انکر، زنکل، جبہر، رندی، جاری، وغیرہ ان سب طبیبون اور منجمون کی نسبت کہا گیا ہے کہ انکی
کا عربی مین ترجمہ کیا گیا انسے زیادہ دلچسپ چند گمنام ونشان مصنفون کی کتابون کے نام ہین جو کہتے ہین کہ اس
زمانہ مین عربی مین ترجمہ ہوئین ان کے نام مذکورہ بالا نامون کی بہ نسبت سنسکرت کی الفاظ سے زیادہ
مشابہت رکھتے ہین۔ اور حسب ذیل ہین۔ (۱) بدان جسمین چار سو مرضون کے علامات اور ہر ایک
طریقہ تشخیص کا بیان ہے۔ مگر علاج کی نسبت ایک لفظ بھی نہین (۲) نفشل جسمین ایک سو بیماریون ا

...، اُن کے علاجون کا بیان ہے (۳)، دسی جسمین امراض نسائی سے بحث کی گئی ہے (۴) ہندشتان (۵)، اسانگر۔ ان کے سوا اور بھی بہت سی ہین جنکے صرف عربی نام لکھے ہین اور جنکی اسم شماری یہان غالبًا بے سود ہوگی۔

ہارون کے درباری طبیبون مین دو ہندی بہت ممتاز نظر آتے ہین۔ یعنی منکہ یا مانک اور صالح بن بہلہ۔

منکہ یا مانک

یہ شخص علم طب سے بخوبی واقف، معالجہ امراض مین حاذق، جودت و جدت طبع مین سرآمد اقران، علوم ہندسے پورا وقوف رکھنے مین معروف و مشہور، اور عربی و فارسی دونون زبانون پر حاوی تھا۔ زہر دن پر جو شاناق کا رسالہ ہے اُسکا اسی نے سنسکرت سے فارسی مین ترجمہ کیا ہے۔ ہارون الرشید کے عہد مین ہندوستان سے سفر کرکے عراق پہنچا، دربار خلافت مین رسائی پیدا کی اور خلیفہ کا طبیب ملازم ہوگیا۔ بعض مورخون کا بیان ہے کہ وہ اسحاق بن سلیمان ہاشمی کے متوسلین مین سے تھا۔ اور اُسی کے لیے عربی سنسکرت اور فارسی کتابین ترجمہ کیا کرتا تھا۔ اخبار الخلفاء والبرامکہ کا مصنف لکھتا ہے کہ رشید ایکمرتبہ سخت مرض مین مبتلا ہوا۔ تمام درباری طبیبون سے معالجہ کرا کے دیکھ لیا مگر مرض نے افاقہ کی کوئی علامت نہ ظاہر کی۔ ابو عمر والاعجمی نے یہ دیکھکر خلیفہ سے عرض کیا کہ ہندوستان مین منکہ نامی ایک طبیب ہے جو وہان کے جوگی فلسفیون مین شمار کیا جاتا ہے۔ اگر وہ بلوالیا جائے تو شاید شافی حقیقی اُسکے ہاتھ سے خلیفہ کو شفا عطا فرمائے۔ چنانچہ رشید نے چند شخصون کو بہت سا روپیہ دیکر اس ہندی طبیب کو لانے کے لیے بھیجا۔ اور تاکید کی کہ اُسے راہ مین تکلیف نہ ہونے پائے۔ اسطرح منکہ رشید کے دربار مین پہنچا اور معالجہ شروع کیا۔ جب خلیفہ کو اُسکے علاج سے شفا ہوئی تو گرانبہا صلے طبیب مذکور کو عطا کیے اور بڑا سا مشاہرہ مقرر کر دیا۔

صالح بن بہلہ

مولانا شبلی مرحوم اور البرامکہ کے مصنف مولوی عبدالرزاق صاحب دونون کی رائے ہے کہ صالح کی اصل سانی تھی وہ اپنے اس خیال کی وجہ اسکے سوا اور کچھ نہین بتاتے کہ تمام عرب مصنف اُس کے نام پر (ہو) "الہندی" کا اضافہ کرتے ہین۔ لہذا اُسکا نام بھی ضروری ہے۔ کہ کوئی ہندی انتہا

اور ساتی صالح سے قریب ہی مشابہت صورت بھی رکھتا ہے۔ ہم ان بزرگون کے علم وفضل کا تمام
امکانی احترام کرنے کے باوجود اس خیال سے اختلاف کی جرات کیے بغیر نہین رہ سکتے۔ حکیم
مذکور کے ہندی یا ہندی نژاد ہونے سے یہ نتیجہ لازمی نہین کہ اُسکا نام عربون کی زبان پر آکر
کوئی بگڑا ہوا ہندی لفظ ہی ہو ہمارے خیال مین صالح خالص عربی لفظ معلوم ہوتا ہے۔ نہ
ساتی کا معرب۔ باپ کا نام بہلہ تو صاف ہندی اصل کا پتہ دے رہا ہے۔ مگر خود طبیب ممکن
ہے کہ ہندی نژاد نہو یا اُسنے تبدیل مذہب کرلیا ہو اور مسلمان ہونے کے بعد صالح نام
رکھا گیا ہو۔ اُسکے معالجہ کے اُس عجیب وغریب قصہ سے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اُسنے خلیفہ کے
ایک قریبی رشتہ دار کو جسے سب مردہ خیال کر کے دفن کرنے کو لیچلے تھے از سر نو زندہ کر دکھایا
معلوم ہوتا ہے کہ طبیب مذکور مذہب اسلام قبول کر چکا تھا۔ اس داستان مین تو وہ ایک جگہ
اللہ اکبر کہکر اظہار تعجب کرتا ہے۔ اور دوسرے جگہ اپنے قول کی استواری کو یون ظاہر
کرتا ہے کہ اگر اسمین خلاف ہو تو اُس شخص کی بیویون کو طلاق ہے۔ اللہ اکبر کی نسبت تو خیر
سمجھ مین آسکتا ہے کہ شاید عربون مین مدتون رہنے بسنے اُٹھنے بیٹھنے کی بدولت اُسکے ہندی
لب کلمۂ اسلام سے اُسی طرح آشنا ہو گئے ہون جسطرح پچھلے دنون مہاتما گاندھی اور اُنکے اتباع
اور پیچھے پیرؤن کی کوششون سے ہندو اسکے نعرے لگانے مین مسلمانون کے ہم آہنگ و
دمساز ہوگئے تھے۔ مگر بیوی کو طلاق دینا ہندو دھرم کے عقائد اور اُن سے پیدا ہونے والے
جذبات سے ایسا برخلاف ہے کہ تبدیل مذہب کے سوا اور کسی طرح اسکی توجیہ ہو ہی نہین سکتی۔ ہندو
شاستر کے موافق نکاح ایک مقدس مذہبی رسم ہے جسکا رشتہ موت سے بھی منقطع نہین ہوتا۔ دنیاوی
معاملہ ومعاہدہ نہین ہے جسکا انقطاع طرفین کی مرضی پر ہو۔ لہذا ہماری راے مین صالح کھرا
عربی سکہ ہے نہ جعلی جیسا کہ مولانا شبلی و مولوی عبد الرزاق ہمین یقین دلانا چاہتے ہین۔

اوپر جس عجیب قصہ کا حوالہ دیا گیا اُسکی تفاصیل کے علاوہ اس حکیم کے اور حالات
کسی نے قلمبند نہین کیے۔ مگر اس قصہ ہی سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اُسکا مشہور وزیر جعفر برمکی
اور طبیب مذکور کے ہمفن اُسکی کیسی توقیر کرتے تھے۔

اسی زمانہ مین بغداد مین ایک اور مشہور ہندی فاضل (؟) تھا جو سنسکرت سے عربی کتابین

ترجمہ کیا کرتا تھا اور سب عرب باپ کے نام پر ابن دہن یعنی دہن کا بیٹا کہا کرتے تھے - برامکہ اُسکی حذاقت و مہارت طبابت کی نسبت ایسی اعلےٰ رائے رکھتے تھے کہ بغداد مین جس بیمارستان یا ہسپتال کے وہ خود بانی و کفیل تھے اُسکا اسے مہتمم مقرر کر رکھا تھا -

اسبارے مین عربون کی دوسری کارگزاریون کے بیان کرنے کی چونکہ کاغذ اور وقت دونون اجازت نہین دیتے لہٰذا اب ہم اپنے ملک کی طرف رجوع کرتے ہین - مگر یہان ہمین افسوس کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانون نے کم از کم اس فن خاص کے بارہ مین اپنے آپ کو عربون سے کہین کم آزاد خیال ثابت کیا - چنانچہ اسکی وجہ کی تلاش مین ہمین دور جانے کی ضرورت نہین - یہان آنے سے صدیون پہلے وہ یونانی طریق علاج کو خاص اپنا فن بنا چکے تھے اور برابر برتتے رہے تھے اور اُسکی طرفداری مین تعصب خاص پیدا کر چکے تھے - یہان آنے کے بعد جب ان دونون طریقون کے عملی نتائج یعنی معالجہ امراض مین دونون کے کارگر ہونے کا مقابلہ کرنا میسر ہوا تو اس موازنہ نے اپنے خاص یعنی یونانی طریقہ کی فضیلت کے اعتقاد کو اور بھی راسخ کر دیا - ہنود خود بھی بجائے اس دعویٰ فضیلت کا معارضہ کرنے کے خاموشی کے ساتھ اسکا اعتراف کرتے نظر آتے ہین جیسا کہ اُن کے روز افزون تعداد مین طب یونانی کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے چند سال قبل تک راجپوتانہ کی کوئی ہندو ریاست ایسی نہ تھی جو چند حکیم بطور درباری طبیبون کے اپنی ملازمت مین نہ رکھتی ہو - ہندون کا طب یونانی کو ترجیح دینا وہ لوگ اب بھی اپنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہین جو ہندوستان کے بڑے بڑے شہرون مین مثل دہلی، آگرہ، لکھنو وغیرہ کے وہان کے نامی حکیمون کے مطب مین حاضر ہون - ہمین امید ہے کہ ہمارا یہ بیان غلط فہمی کا باعث نہوگا - ہمارا ہرگز یہ منشا نہین کہ ان مین سے ایک یا دوسرے طریقے کے حق مین فضیلت کا فتویٰ دین یا مسلمانون نے جو اس شریف ہندی فن کے ساتھ بے اعتنائی برتی ہے - اُسے بجا و برحق ثابت کرین بلکہ صرف اسکی وجہ بیان کرنا مقصود ہے حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانون کو خود ہی محسوس ہو چلا ہے کہ اُنہون نے اسبارہ مین سخت غلطی کی اور طبی و ویدک کانفرنس کا آغاز اور حکیم محمد اجمل خانصاحب کے طبی و ویدک کالج کا قیام تلافی مافات کی پر زور خواہش کے زندہ ثبوت ہین -

باستثنا "کلپیارہ" کے ترجمہ کے جو گھنوؤنی بیماریون سے بحث کرنیوالا ایک رسالہ ہے البیرونی کی ہمہ گیر تصنیفات مین بھی علم طب پر اور کوئی تصنیف ہمین نظر نہین آتی۔ خود شاہنشاہ اکبر بھی باوجود علوم ہند کی تمام سرپرستی کے اس فن خاص کی چندان حوصلہ افزائی کرتا نہین معلوم ہوتا کیونکہ اُسکے عہد دولت مین گو سنسکرت کی تصانیف کے کثرت سے ترجمے ہوئے مگر اُن مین طب کی کسی کتاب کا ترجمہ بھی نہین پایا جاتا۔ ہندی فن طب کی صرف ایک شاخ یعنی ادویہ مفردہ کی تشریح ایسی ہے جیپر اس ملک کے مسلمانون نے کچھ توجہ کی ہے۔ فن کی اس شاخ پر فارسی مین صرف چند کتابین ہین۔ جیسے قرابادین قاسمی جو تاریخ مشہور کے مصنف ابوالقاسم فرشتہ کی تصنیف ہے' داراشکوہی جو شاہزادہ داراشکوہ کے حکم سے لکھی گئی۔ دستورالہنود جسکا حکیم شریف خان جگہ جگہ حوالہ دیتے ہین اور تالیفات شریفی جو خود حکیم شریف خان کی تالیف ہے۔

ہندوستان کے بادشاہون مین صرف ایک ہی ایسا گذرا ہے جو ویدک کو طب یونانی پر ترجیح دیتا تھا یعنی سلطان زین العابدین کشمیری جو اپنی ہندو رعایا کی بہی خواہی اور ان کے حقوق کی رعایت و حمایت مین اکبر اعظم سے بھی گوئے سبقت لیگیا تھا۔ اُسنے ایک ہندی طبیب سری بٹ نامی کو اطبائے دربار کا افسر مقرر کیا تھا۔ اور اُس سے ایسی محبت رکھتا تھا کہ اُسکی خاطر سے تمام ممالک محروسہ مین جزیہ یک قلم موقوف کر دیا۔ اُسکے طویل عہد سعادت مہد کے مورخ کہتے ہین کہ بادشاہ مذکور کے حکم سے سری بٹ کی نگرانی مین ہندی طب کی بہت سی کتابون کا سنسکرت مین ترجمہ کیا گیا۔ مگر افسوس کہ ان کتابون کے نام قلمبند نہین کئے گئے۔

پٹھان بادشاہون مین سکندر لودی علوم فنون کا بڑا مربی تھا۔ اُسکے زیر حمایت علمائے وقت نے کثرت سے کتابین تصنیف کین۔ بادشاہ موصوف نے مہاویدک کا سنسکرت سے فارسی مین ترجمہ کرایا۔ اُسنے ہندی اور ایرانی طبیبون کو طلب کرکے حکم دیا کہ فن طب پر ایک ایسی ہمہ گیر کتاب تالیف کرین جو طب یونانی و ویدک دونون کی جامع ہو۔ جب یہ کتاب اختتام کو پہنچی تو اُسنے اسے طب سکندری کا لقب دیا جو مدتون تک فن طب کی نہایت مستند کتاب سمجھی جاتی رہی۔ (باقی آیندہ)

فدا علیخان رامپوری۔ ایم اے
(علیگ)

مرزا حسرت دہلوی

مرزا جعفر علی حسرت دہلوی خلف مرزا ابوالخیر دہلوی ان کے متعلق لوگون نے لکھا ہے کہ عطاری پیشہ تھے اور اکبری دروازہ دہلی مین ان کی دوکان تھی۔ ممکن ہے ایسا ہو لیکن سنہ ۱۱۷۳ء مین جب عالی گوہر شاہ عالم بادشاہ سریرآرائے سلطنت ہوئے اور تمام شعرائے دہلی ان کے دربار مین ملازم ہوئے تو حسرت بھی اسی گروہ مین شامل تھے۔ اسی زمانے مین غلام قادر جہان افغان خلف ضابطہ خان کچھ افغانیون کی فوج جمع کرکے لوٹ مار کرتا ہوا دہلی کے دارالسلطنت مین آیا اور بادشاہ سے ملازمت کی درخواست کی بادشاہ خود اس سے بدظن تھے اور اسی کے خوف سے مہاراجہ سندھیا کے نام طلبی کا فرمان جاری کیا تھا مگر اتفاق سے بادشاہ کا وہ فرمان اسکے ہاتھ لگ گیا پھر کیا تھا وہ اسی وقت فوج لیکر بادشاہ کی بارگاہ مین گھس آیا اور چند افغانون نے بادشاہ کو زبردستی تخت سے کھینچکر بہت ایذا پہنچائی اور چھری سے بادشاہ کی آنکھین نکال لین اور بیرحمی سے ایکسو اسی [۱۸۰] محلات کی بیحرمتی کی اور ان کو مارا مرزا جوان بخت اور سلیمان شکوہ اور مرزا اکبر شہزادون کو لاٹھیون سے مار کر قریب بہلاکت پہنچا دیا اور خزانہ دریافت کرنے کے لیے محلات کو سخت تکالیف مین مبتلا کیا۔ شب کو فاقہ دیا۔ ذی الحجہ کے آغاز سے تیسری محرم تک ان بیکسون پر آب و دانہ بند کیا جب سب محلات کا نقد و جنس لوٹ لیا اور خزانے خالی کر دیئے تو تمام اسباب کشتیون پر بار کرکے غوث گڈھ کو چلا گیا۔ حسرت نے یہ تمام واقعہ اپنی آنکھون سے دیکھا اور اسکا ایک مرثیہ نظم کیا جسمین لکھتے ہین کہ۔

جہان آباد کا حال بھی مرثیہ سے کم نہین ہے اگرچہ فلک نے اسپر یہ زوال نازل کیا ہے۔ مگر اب ابر کا رومال منھ پہ رکھکے روتا ہے۔ غنیم کے لشکر نے سارے شہر کو ایسا ویران کیا جیسے باد خزان سے باغ برباد ہوتا ہے۔ کوئی سیل ایسا طوفان نہین لا سکتا جیسا افغانیون کے ظلم نے طوفان برپا کیا ہے۔ ایسے حسین گلرو جنکی زلفین سنبل سے بہتر تھین جنکے خط و خال پر باغ کو رشک تھا

ظالمون کے دست تطاول سے ایسے برباد ہوئے کہ سب نقشہ مٹ گیا۔

جس شہر کی بہار سے کشمیر غرق شرم تھا جسکا ہر مکان بہشت تعمیر تھا جسکے تمام مکان آئینہ خانہ تھے جسکے ہر کوچہ مین نہر جاری تھی زاب دو نہرین ہین نہ شفاف پانی ہے جہان عطر گلاب تھا وہان فزلیر پڑا ہوا ہے قلعہ معلّے کے تپھر اور ستون اور محراب جمنا کے کنارے شکستہ پڑے ہین بادشاہ کے گھر مین تپھر پڑے ہین جس جگہ فرشتے ادب سے پیشانی گھستے ہین وہان شریر و جاہل کا لشکر پڑا ہوا ہے۔

آخر ایسی حالت ہوگئی جو لوگ دولت رولتے تھے وہ خاک چھانتے پھرتے ہین۔ جہان بلبل کا آشیانہ تھا وہان الّو بولتا ہے اب نہ آئینہ خانہ ہے نہ آئینہ دیکھنے والے ہین پاؤن مین آبلے پڑے ہین۔ جہان کی جان شہر کا جسم شاہ عالم بادشاہ کو مالک نے ایسا غم دیا ہے کہ اسکے غم مین ہم مرتے ہین جسکے سخن مین طراوت اور زبان مین حلاوت تھی جسکی نگاہ سے ہمارا ایمان کو رونق تھی جسکے قدم سے زمانہ مین برکت تھی جو ہر علم و فن مین کامل تھا اور جسکے دم سے ہر فن و ہنر کے اہل کمال جمع تھے کسیکو حسن پرستی کا شوق تھا کسی کو موسیقی۔ کسی کو زہد کا ذوق تھا وہ سب دام بلا مین گرفتار ہین ساری خوش الحانی جاتی رہی۔ تمام بلبل گلستانِ اسیر غم ہین آب و دانہ کی حیرانی ہے وہ شاخ کٹ گئی جسپر سب کریال کرتے تھے۔

بادشاہ صاحب تخت و تاج اپنی اولاد کی روزی کا محتاج ہے سبکو سارا ہند خراج دیتا تھا اُس سے غنیم خراج لے یہ تو وہی مثل ہوئی کہ شیر کو شغال شکار کرے۔

آخر فکرِ معاش سے تنگ آکر حسرت نے دہلی سے فیض آباد آنے کا قصد کیا کیونکہ اسوقت ہی فیض آباد اودھ کا دارالسلطنت تھا اور نواب شجاع الدولہ بہادر سریر آرائے سلطنت تھے۔ فیاضیون کے شہرے ہو رہے تھے اہل دہلی اسی طرف منہ اوٹھائے آتے تھے۔ اور برسر روزگار ہو جاتے تھے حسن اتفاق سے ایام گرما مین اودھ کا سفر اختیار کیا جسکے متعلق خود لکھتے ہین۔

گرمی کا سفر ہے اور نہ سر پہ سایا	خورشید نے محشر کا سمان دکھلایا
جنگل اور دھوپ العطش کی فریاد	فریاد کہ دشت کربلا یاد آیا

اتفاق سے بہلی جو کرایہ کی تھی اسکے بیل بھی بہت سُست تھے اسکے متعلق لکھتے ہین۔

جیسا کہ سفر کیا ہے مین اب کی بار — ایسا نہ کبھی سفر کیا تھا زنہار
کہتی ہے مجھے دیکھ کے گاڑی ہر بار — حسرت ہوئے شیطان کے چرخے پہ سوار

راستے کے گرد وغبار سے تنگ آ کر کہتے ہین۔

جتنے کہ سفر مین ہکو دن بیتے ہین — کھانا نہ تو کھاتے ہین نہ کچھ پیتے ہین
اور جینے کا اسلوب جو ہم سے پوچھو — ہم ان دنون خاک پھانک کر جیتے ہین

غرض بعد طے منازل فیض آباد مین داخل ہوئے اور اس شہر کی آبادی دیکھکر ششدر رہگئے۔ نواب شجاع الدولہ بہادر کی تعریف مین جو قصیدہ لکھا اسمین مجملاً شہر اور اہل شہر کی مدح کی ہے۔

کوئی مصور ایسا ہے کہ مجھے ایک ایسے شہر کا مرقع کھینچدے جسکی سرخی غیرت گلہائے چمن ہو اور سبزہ اسکا سبزۂ جنت باغ شہر عمارات درخت گھانس چارون طرف ہو قلعہ ایسا ہو جسپر جنگی توپین چڑھی ہوئی ہون قلعہ کے برج بروج افلاک ہون ان مین ایسی نقاشی زر ہو جیسے ستارے چمکتے ہین بارگاہ ایسی جگا ہ ہو کہ جسمین خسر دمیر ترک بنے فرش پر ایک ایسی مرصع کرسی بچھی ہو جسکی روشنی عرش تک پہنچتی ہو زیب کرسی ایسا جوان ہو جسکا مثل ونظیر آجتک خلق نہوا ہو جابجا قرینون سے منصبدار کھڑے ہون در دولت پر فیل سوار اور امیر کھڑے ہون ایک طرف ارباب نشاط آکر حاضر ہون کوئی گائے کوئی ناچے کوئی مجرے کو کھڑی ہو کر تال دے کوئی ڈھولک بجائے سب کے پاؤن سے گھونگرو کی صدا آتی ہو کوئی گت لینے مین ٹھوکر لگائے اس شہر کا نام فیض آباد ہے۔ اور والی اسکا شجاع الدولہ بہادر ہے۔

اس قصیدے کے وسیلے سے دربار تک رسائی ہوئی اور کچھ وظیفہ مقرر ہو گیا۔ جب آصف الدولہ بہادر ۱۱۸۸ھ مین سریر آرائے سلطنت ہوئے تو ان کی خدمت مین بھی ایک قصیدہ پیش کیا جس کا مطلع یہ ہے۔

یونہی اگر شگفتہ کرے گی بہار گل — لائے نہال خشک تلک اب کی بار گل

۱۱۹۵ھ مین آصف الدولہ بہادر نے بیت السلطنت لکھنؤ کو زینت بخشی تو مرزا صاحب بھی لکھنؤ مین آئے اور نواب محمد خان کے اصرار سے لکھنؤ گھنٹہ بیگ کی گڑھیا پر سکونت اختیار کی۔

نواب محبت خان ان سے بہت محبت کرتے تھے اور بقدر امکان خدمت سے دریغ نکرتے تھے عہد نواب آصف الدولہ بہادر مین دہلی کے تمام شعرا لکھنو چلے آئے - شہزادہ مرزا جوان بخت مرزا جہاندار شاہ بھی دہلی سے لکھنؤ مین آئے اور اپنی ناروا حرکتون کے سبب سے بنارس جانے پر مجبور ہوئے -

شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ نہایت تزک احتشام سے لکھنؤ مین وارد ہوئے اور بوعلی شاہ کے تکیہ پر قیام فرمایا - انھین کے ساتھ میان جرات تلمیذ رشید حسرت بھی آئے مگر نواب آصف الدولہ بہادر نے مرزا سلیمان شکوہ کی طرف التفات نہ فرمایا - بہت سی سفارشون کے بعد نواب آصف الدولہ بہادر نے چھ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کردی اور بنگلہ مرزا خلیل سکونت کو مرحمت فرمایا - بعد چندے مرزا سلیمان شکوہ نے جنرل مارٹن کی کوٹھی خرید کی اور اس مین ان کا دربار ہونے لگا جرات کی بھی تنخواہ مقرر ہوگئی - لیکن جرات اپنے استاد حسرت کے قریب بمکان لیکر سکونت پذیر ہوئے - اس زمانے مین دہلی کے لوگ خاص خاص محلون مین سکونت پذیر تھے جرات اور حسرت لکھنو کے مشاعرون مین شریک ہوتے تھے اور داد سخن لیتے تھے لکھنو اپنے دہلوی مہمانون کی حد سے زیادہ قدردانی کرتا یہان تک کہ یہ غریب نصیب اپنے وطن کو بھول گئے اور غریب الوطنی مین بادشاہی کی حسرت جو ٹوٹی پھوٹی بہلی پر دہلی سے فیض آباد آئے تھے فیض آباد سے لکھنؤ مین آتے ہی فنس پر سوار ہوکر نکلنے لگے - اسی رشک سے بعض شعرا نے کہا کہ دیکھیے ایک عطار پیشہ بھی لکھنو آکر شعرا مین داخل ہوگیا دہلی کے شاعر تو ملک الشعرا میر تقی میر - مرزا سودا سوز انشا، میر حسن شاہ حاتم میر درد وغیرہ ہین مگر اب تو دہلی سے جو کوئی آتا ہے شاعر آتا ہے - لیکن حقیقت حال یہ تھی کہ مرزا حسرت بھی دہلی کے متقدمین مین شامل تھے اور فن شاعری سے بخوبی ماہر تھے - کلام بہت اچھا تھا دہلی تباہ نہوتی تو ایسے لوگون کی صورت لکھنو کو دیکھنا نصیب نہوتی غرضکہ لکھنو مین وطن فراموشون کی ایک خاص جماعت ہوگئی تھی آپس مین رقابت کا مادہ پیدا ہوگیا - ایک شاعر دوسرے کی منقصت چاہتا ہجوین لکھتا تھا اور گالی گلوج اور مار پیٹ کی نوبت آجاتی تھی - حسرت کی بہت منقصت کی گئی مرزا رفیع السودا نے ان کی ہجو لکھی ہے - مگر حسرت نے اسکا کچھ جواب نہین دیا - صرف ایک مرتبہ ایک حکیم صاحب نے ان کی روزی کے بارے

مین کچھ رخنہ ڈالنا چاہا تو حسرت نے بھی قلم اُٹھایا ہجو لکھی اور خوب لکھی جسکا خلاصہ مطلب یہ ہے۔

کہ احتیاج کی بیماری مین ہر شخص مبتلا ہے بہت سے پیٹ کی مارے طبیب بن بیٹھے جس فصل
مین بیماری کا زور ہوا دو چار مریض ان کے پاس بھی آنے لگے اپنے گھر مین عطار کو بٹھا کر نسخون
کو بوٹنے لگے۔ نبض پر ہاتھ رکھا کچھ نسخہ لکھدیا۔ ان مین سے ہمارے بھی ایک آشنا ہین
کہ آدمیون کو خدا واسطے قتل کیا کرتے ہین - خود مجنون ہین مگر طبابت کرتے ہین۔

جب آپ قلم ہاتھ مین لیتے اور نسخہ لکھتے ہین تو اجل بھی رونے لگتی ہے کہ نہ معلوم کس بیگناہ
کے قتل کا فرمان جاری ہوتا ہے اس غریب کی قسمت مین موت نہ تھی مگر یہان آکر بے اجل مرا
ملک الموت نے آپ کو ادب سے سلام کرکے کہا کہ ہر چند میرا یہ پیشہ ہے کہ کسی امیر و غریب کو نہین چھوڑتا
لیکن آپ سے ایک عرض ہے کہ خدا کے واسطے اسکی جوانی پر رحم کیجئے آپ اسکی جان سے درگذر کیجئے
تمہارا نسخہ نسخہ سامری ہے ایسی سامری نہ کر و مریض تو نسخہ دیکھتے ہی مرجائیگا اسکے اعزہ اقربا تباہ ہوجائینگے
تمکو کیا ملے گا۔

غرضکہ حکیم صاحب کی ذات سے موت کا بازار بہت گرم ہے گھر گھر سے رونے کی آواز آتی ہے
اس کے ہاتھ سے اتنے ذی حیات فنا ہوئے ہین کہ مردہ شو اور گورکن دولت مند ہوگئے۔ چوتھائی کمیشن
کفن دوز اور ثلث گورکن سے مقرر ہے جہان گور و تابوت دیکھئے سمجھ لیجئے حکیم صاحب کی
کارستانی ہے

ان کے ہاتھ سے قلم سینہ چاک دعا کرتا ہے کہ حکیم صاحب ہلاک ہون تو میری گردن سے
سب مظلمہ جاتا ہے خدا اس ظالم کو دنیا سے جلد اُٹھالے

صرف میزان طب پڑھی ہے اور مطب کا نام کان طب رکھا ہے اسپر ارسطو اور افلاطون
نام رکھتے ہین تپ مین ساتوین دن جلاب دیتے ہین اور بواسیر مین ثنا کی پہلی استعمال کراتے ہین
نکرھی کے استعمال مین حب السلاطین بتاتے ہین -

مجھے کئی دن سے بخار آتا ہے میرے دلمین خیال آیا کہ یہ مشفق ہین علاج کرین گے تو سوء مزاج
رفع ہوگا۔ سب حال اپنا بیان کیا آپ نے نبض پر ہاتھ رکھا بہت فکر و غور کے بعد کہا
مہربان میری عقل گم ہے کہ اسس درد سے تم کیونکر نہ ہو تمہین صرع ہے اسپر سرسام بھی ہے

آپ کی نبض غلی اور سطرقی ہے اس بیماری کا علاج تو افلاطون سے بھی نہ ہو سکتا مگر مین مزاج
پاگیا ہون۔ کچھ روپیہ خرچ کرو تو علاج ہو سکتا ہے نہین تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھو۔
مینے کہا مہربانی سے مجھے نسخہ تو لکھدیجے۔ حکیم صاحب نے فرمایا مرچ اور کافور ایک ایک دام
عشبہ مغربی چھ ماشہ انہین کہرل کرکے دھی کے ساتھ پی جاؤ غذا سوئے کا ساگ کھا کل پھر آکر
نبض دکھانا۔
بھلا بیمار کو شفا کسطرح حاصل ہو جب حکیم صاحب کی تشخیص کا یہ حال ہے۔ کسی نے آجتک
صرع اور سرسام کو جمع ہوتے سنا ہے۔ صرع اور سرسام دونون کے مواد متناقص ہین دونون
امراض سرہین نبض غلی معرقی ایک جا جمع نہین ہو سکتی ہین نے کہا لطف ہے مجھے کسیکی ہجو مقصود
نہین ہے حقیقت حال بیان کردی۔

مرزا حسرت نے دو ایک رباعیان بھی ہجو مین کہی ہین۔ ایک دیوان قصائد کا ہے دو دیوان عاشقانہ
غزلون کے ہین۔ ایک دیوان مخمس مسدس ترجیع بند کا ہے ایک دیوان رباعیات کا ہے مختلف مضمون
مین رباعیان کہی ہین۔ یہ مجموعہ کلیات ۱۲۰۰ھ تیار ہو گیا۔ مدح رسالت آب مین جو قصیدہ کہا ہے اسکا
مطلع اول یہ ہے

شیخ و سجادہ و اسلام و حرم چار دن ایک　　　عاشق و تبکدہ و کفر و صنم چار دن ایک

تذکرون مین لکھا ہے کہ مرزا صاحب رائے سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ اور وہ
لکھنؤ مین رہتے تھے حسرت کی شاعری کا فروغ دہلی سے ہوا۔

حسرت اور جرأت کا مکان دیوار بدیوار تھا ایک اندھے اور ایک ضعیف مگر زمانے نے دونون
کی قدر کی مرزا حسرت ہمیشہ روسا کے دربار مین مشاعرون مین پالکی پر سوار ہو کر جاتے تھے۔ اکثر
اوقات سارا دن ملاقات مین گزر جاتا تھا۔

ایکسال برسات کی شدت سے مرزا حسرت اور شیخ جرأت دونون کے مکان منہدم ہو گئے۔
بضرورت نواب محبت خان کے پرانے بنگلے مین جانا پڑا جو بہت دنون سے غیر مرمت پڑا ہوا تھا اسکے حال مین
رباعی لکھی ہے۔

حسرت یہ سخن سیہ مری زبان سے نکلا　　　بنگلے مین رہا سو خانمان سے نکلا

پانی مین جو ڈوبے تو نکل سکتا ہے   پر کچھ مین جو پھنسا نہ یان سے نکلا

مرزا حسرت بھی مصحفی کی طرح کثیر التلامذہ تھے مگر ان سب شاگردون مین شیخ جرارت کا مرتبہ بلند ہے اول تو انھین اُستاد کی یکجائی نصیب ہوئی ہے ہر وقت کا پاس بیٹھنا پاس اُٹھنا دوسرے غدّ شاگردی تیسرے طبع خداداد کہتے ہین کہ ۱۲۱۷ء مین حسرت کا انتقال ہوا مگر یہ بات قرین قیاس سے بعید ہے۔ اسواسطے کہ شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ خود ۱۲۱۵ھ مین لکھنؤ مین آئے تھے اور برسون کے بعد انھین وقار حاصل ہوا تھا اسکے بعد حسرت کا سلسلہ ان کے یہان قائم ہوا اور کچھ تنخواہ مقرر ہوئی بہرحال انکا سنہ وفات کا صحیح پتہ نہین معلوم ہوسکا لکھنؤ محلہ گھنٹہ بیگ کی گڑھیا مین انتقال فرمایا اور وہان کسی مسجد کے قریب پختہ قبر بھی ہے۔ لیکن کوئی کتبہ اسپر نہین ہے۔ حسرت کچھ بیمار نہ تھے مدت سے بوجہ ضعف پیری گوشہ نشین تھے شہر کے امرا اور رؤسا شاگرد بہت کچھ خدمت کرتے تھے۔ اچھی طرح بسر ہوتی تھی جب سے لکھنؤ آئے ہمیشہ فنس پر سوار ہوکر گھر سے نکلا کئے باوجود اس اعزاز اس جاہ و حشم اس قابلیت کے آج نہ انکے خاندان کے کسی آدمی کا پتہ ملتا ہے نہ کوئی شخص ایسا ہے جو قبر کا صحیح صحیح پتہ بتا سکے۔

کیون میرے خون سے شمشیر کو آلودہ کیا   آپ نے رنج اُٹھایا مجھے آسودہ کیا
اوٹھ گئے داد جو دیتے تھے سخن کی حسرت   کھلکے اشعار قلم کو بھی مین فرسودہ کیا

دل پہ نہین اختیار اپنا   افسوس گیا قرار اپنا
لایا نہ کوئی چراغ و گل یان   بیکس ہی رہا مزار اپنا

کونسا رنج فلک ہمنے گوارا نہ کیا   شہرہ مجنون کا دیا نام ہمارا نہ کیا

غیر کو عید کے دن تمسے ہم آغوش کیا   سال بھر رشک سے مین خون جگر نوش کیا
روزن در سے جو دیکھا کہ صدا نکلے مری   شمع محفل کے تئین آپنے خاموش کیا
ہم نہ کہتے تھے کہ حسرت نہ مل ان خوبان سے   تونے دیوانے کیا کیا نہ سخن گوش کیا

تلف ہوتا تھا جی کھوتا تھا گھر اپنا ڈبوتا تھا   دلا سب کچھ سمجھے کرتا تھا اک عاشق نہ ہوتا تھا
ہنسے ہے گل سو شبنم باغ مین دونون تھے ہم لیکن   تری قسمت مین ہنسنا تھا مرے طالع مین رونا تھا
بہایا تو نے حسرت دلکو اس چاہ زنخدان مین   مرا جی خوش ہوا ایسی ہی جا اسکو ڈبونا تھا

بھلایا عشق کی وحشت نے جو دیکھا نہ دیکھا تھا   سبھی آبادیان دیکھی تھین اک صحرا نہ دیکھا تھا
خدا جانے کہان تھی عقل جب مین دل دیا سبکو   کسی نے ورنہ میرا کام تو بیجا نہ دیکھا تھا

سہواً قلم سے شکوہ جو تیرا رقم ہوا   فوراً زبان چاک ہوئی سر قلم ہوا

نہوتا آہ مین پروردۂ چمن اے کاش   قفس ہی ہوتا سدا سے مرا وطن اے کاش

ہمکو نہ دور نے نہ قضا نے کیا ہلاک   اسکے ستم اور اپنی وفا نے کیا ہلاک

لگی سر سے لے پاؤن تک اسکے آتش   کہے شمع سوز نہانی کہان تک
وہ ہے عمر اور عمر سو بے وفا ہے   یہان یار کی مہربانی کہان تک
مرا رنگ دیتا ہے منہ پر گواہی   چھپے عشق کی پھر کہانی کہان تک

مین کیا کہون کہ کیا ہے جگر اور کیا ہے دل   آتشکدہ جگر ہے تو ماتم کدہ ہے دل
ناصح تو آہ رونے سے مت منع کر مجھے   کیونکر نہ روؤن مین کہ مرا گم ہوا ہے دل

آہ صیاد تو کیا پوچھے ہے بادل کی خبر   دیکھ ٹک جا کے چمن کے در و دیوار کا حال

قطعہ

کل روتے ہوئے جو اتفاقاً   حسرت کے مزار پر گئے ہم

پڑھتا تھا یہ شعر وہ تہِ خاک بس سنتے ہی جسکے مر گئے ہم
دامانِ دونیم دیکھیے کر کیا ہو اپنا تو نباہ کر گئے ہم

گو میں نہیں جلاد کی تلوار سے محروم پر چشم ہی باندھے رکھا دیدار سے محروم
جب فصلِ گل آئی تو پھنسے دام میں جا کر اب کی بھی رہے ہم یوں گل و گلزار سے محروم

غنیمت جانو جو دم ہیں یہاں ہم کوئی دم میں کہاں تم پھر کہاں ہم
بغیر از گریہ جو آتا ہے گا سب نہیں رکھتے کوئی اب مہربان ہم
نہ ہمسکو گل دیا نے کچھ ثمر ہی کسی لائق نہ تھے اے باغبان ہم

کٹ نہیں سکتی شبِ غم اور کوئی ہمدم نہیں یا یہ شب ہے سخت دل یا صبح تجھ میں دم نہیں

یہ غلط گمان کریں ہیں سب کہ تمنا کے بعد لقا نہیں ترے عشق میں جو کوئی موا سے زندگی ہے فنا نہیں
کسے حسرت اپنا دماغ ہے کہ ہر اک کے ناز اٹھائیے جو ہے زندگی تو جئیں گے ہم وہ صنم کسی کا خدا نہیں

ہوں چراغِ مردہ مجھکو کیا کرے گل آستین اب صبا بیداد کرے یا تلطف دل آستین
اے جنون آنسو بھی اپنے پونچھنے کو کچھ نہیں جیب و دامان سب کے ٹکڑے چاک ہے کل آستین
وصل کا وعدہ کیا تھا اسنے نکلا جو کوئی کھینچلی دھوکے سے بیٹھے بے تامل آستین

دل کا جگر کا دوستو یا جی کا اپنے غم کریں کس کس کو روئیں بیٹھکر کس کس کا ہم ماتم کریں
نالے پہ حکمِ قتل ہے روئیں تو روئیں کس طرح فرمائیے جو کچھ ہیں سو مہربان اب ہم کریں
کچھ حال حسرت کا مجھے دکھلائی دیتا ہے زبون کیا خوف ہے اس وقت گر سیلیں تا سیر دم کریں

اسلیے میری چشم پرنم ہین ؛ ایک دل اور سیکڑون غم ہین
حسرت اسکی رہنا جو ہو سو ہو ؛ ہر طرح ہم تو شاد و خرم ہین

رنگ لالہ دل داغدار رکھتے ہین ؛ جہان کے باغ مین ہم بھی بہار رکھتے ہین

ہوئے ہم سبکے بندے برہمن کی راہ رکھتے ہین ؛ حرم کے رہنے والو تم سے عشق اللہ رکھتے ہین

دوستون کا دیکھنا اس دور مین ہردم کہان ؛ دم غنیمت ہے عزیزون تم کہان اور ہم کہان
لوگ کہتے ہین کہ ہین ابرو ترے مانند تیغ ؛ تیغ کے مانند ہین پر تیغ مین یہ خم کہان

اب تو یہ دل اک بت ناآشنا کے ہاتھ ہے ؛ سبکے ہاتھون چھوٹنا اسکا خدا کے ہاتھ ہے

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی

جذبات رزمی

جہان آرزو ہے، محشرستان تمنا ہے ؛ بجائے خود دل برباد کا ہر ذرہ دنیا ہے
اگر باقی رہا چندے یونہین ذوق نمو اُن کا ؛ ہزارون انقلاب آئینگے دنیا مین ابھی کیا ہے
یہ دنیا کیا ہے، امیدون کی اک ہنگامہ آرائی ؛ قیامت کیا ہے، جلوے کا ترے بے پردہ ہونا ہے
نوید کامرانی پر مسرت کیا، کہ دنیا مین ؛ ہر اک ساز طرب سے نغمۂ ماتم بھی پیدا ہے
جو محروم بصیرت ہین، وہ بربادی کہین اسکو ؛ مری نظرون مین بربادی ہی فردوس تمنا ہے
اگر کچھ غور کرے، آدمی اپنی حقیقت پر ؛ تو یہ عقدہ بھی کھلجاے کہ وہ ذات خدا کیا ہے
مٹا مین شوق سے وہ جسقدر چاہین مجھے رزمی ؛ بتا تو دین مگر بربادیون کی انتہا کیا ہے

ہندو مسلم اتحاد

بدی پر پھر آسمان چرخ کہن ہے — نہ ہے جوش قومی نہ حُبِّ وطن ہے
محبت ہے باقی نہ الفت ہے باقی — پڑی قوم مین پھر ہے نا اتفاقی

دنیا کا رنگ کتنا دلفریب ہے - مگر کتنا ناپائدار - مظاہر کی گوناگونیون کے لحاظ سے اس رنگ کی بھی مختلف قسمین ہوسکتی ہین مگر ایک فلسفی کی نگاہ مذکورہ بالا بھی اقسام مین اس دلفریبی اور ناپائداری کی نمود کو برابر دیکھتی رہتی ہے - جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہین خواہ وقت کی نسبت سے اس نمود کے استقرار کو دیرپا بھی کہا جا سکے ابھی کل کی بات ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ ایک طے شدہ مسئلہ سمجھا جاتا تھا - موجودہ دفتری حکومت کی زیادتیون سے تنگ آکر ہماری مصیبت زدہ قوم نے کلکتہ مین کانگریس کا خاص اجلاس منعقد کیا تھا - یہ ستمبر سنہ ۱۹۲۰ء کی بات ہے - وقتی مظالم سے نجات پانے کے لیے سوراج کا حاصل کرنا ضروری خیال کیا گیا اور اسکے لیے تدابیر سوچی گئین منجملہ دیگر تجاویز کے ایک تجویز ہندو مسلم اتحاد کے متعلق بھی پاس کی گئی - ازان بعد دو ڈھائی برس تک اس قرارداد پر جس خوبی کے ساتھ عمل درآمد ہوتا رہا اسکو دیکھتے ہوئے اس بات کا خیال نہ تھا کہ اتحاد مذکور مین دفعتًا اور اسقدر جلد کوئی نقص پیدا ہو جانے والا ہے جیسا کہ آج دیکھنے مین آرہا ہے - سرسری نظر سے دیکھنے والے کو اس نظارہ پر حیرت ہوسکتی ہے مگر دراصل ہمکو اس واقعہ پر کسی قسم کا تعجب نہ ہونا چاہیے - ہندو مسلم اتحاد کے مظاہرہ کو بھی دنیاوی رنگ کا ایک خوشگوار منظر ہی سمجھنا چاہیے - یہ رنگ بگڑتا بھی ہے اور کبھی کبھی مٹ بھی جاتا ہے لیکن کسی وقت پھر اپنی اصلی آب و تاب مین نمودار ہوتا ہے - ہر کمالے را زوالے ہر زوالے را کمالے مسئلہ کا اطلاق بالعموم ہر حالت مین ہوسکتا ہے -

یہ بتلانے کی ضرورت نہین کہ مادہ پرستی کے سبب ہماری حالت روبہ تنزل ہو رہی ہے اور قوم مین اسوقت وہ ساری برائیان موجود ہین جو اتحاد و ارتقا کی ازلی دشمن ہین موجودہ حالت

کو بہتر بنانے کے لیے اسباب کی قدرتاً ضرورت ہے کہ ہمارے جذبات مین روحانیت کا کافی دخل ہو اور ہمارا طرز عمل اسی قسم کے جذبات سے برابر متاثر ہوتا رہے۔ دنیا کے بزرگ ترین شخص مہاتما گاندھی نے اس حقیقت کو عملی طریقہ پر محسوس کیا۔ قوم نے اُنکی بات کو پرکھا۔ اور اُن کی تجویز پر صاد کرنا پڑا۔

قوم نے اسباب کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ جب تک کوئی قوم مجموعی حیثیت سے نفسانی بندشون مین مبتلا ہے اسوقت تک وہ حقیقتاً آزاد نہین کہی جا سکتی، خواہ مادیت کے شیدائی صرف مادی نقطۂ خیال سے اُسکو کتنا ہی زیادہ آزاد تصور کرلین۔ المختصر ہماری قوم نے اپنے آپکو ہر طرح پاک بناتے ہوے ارتقا کے راستہ پر گامزن ہونے کا تہیہ کر لیا۔ باہمی اتحاد رونما ہوا۔ اگرچہ اس اتحاد کا مطلب کل ہندوستانی قوم کا اتحاد تھا۔ لیکن قومی راے کے موافق اسکو ہندو مسلم اتحاد کے نام سے نامزد کیا گیا۔ مگر فطرتی خامیان یکایک دور ہو جانے والی چیزین نہین ہین۔ اسکے لیے سخت ریاضت کی ضرورت ہے۔ قدرت نے کام کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ انسانی کمزوریان سد راہ ہوئین ہندوؤن اور مسلمانون مین اتحاد کے بجاے افتراق واقع ہونے کے آثار نظر آنے لگے۔ اور قومی مصلحین کے دلون مین ہلچل پیدا ہو گئی۔ لیکن ارتقا کی ابتدائی حالت مین اس قسم کے واقعات کا ہونا بالکل معمولی مگر عارضی بات ہے۔ اسمین شک نہین کہ یہ امر افسوسناک ضرور ہے مگر جبکہ قوم نے ایکمرتبہ اپنی پستی کا اندازہ کر لیا اور اپنے دل مین اُٹھنے کی ٹھان لی تو ہمکو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ بالآخر اُٹھکر ہی رہیگی۔ قدرت خود ہی اس باہمی نفاق کے مٹانے مین مدد دیگی۔ اور جس طرح صلح کے وجود کا دارومدار جنگ پر ہے اسی طرح افتراق سے ایک ایسا اتحاد پیدا ہوگا جو زیادہ سے زیادہ دنون تک قائم رہ سکے گا۔ جسقدر دلون سے برائیون کا اخراج ہوتا جائیگا۔ اُسیقدر اُن مین بھلائیون کی گنجایش ہو سکے گی اور اُسی نسبت سے ہماری قوم زوال کی پستی سے کمال کی بلندی کی طرف بڑھتی جائیگی مادیت پر روحانیت غالب ہوگی۔

اب ہمکو اُن باتون پر غور کرنا ہے جنکے سبب افتراق مذکور وقوع پذیر ہوا۔ جہانتک ہمارا خیال ہے موجودہ شدھی و سنگھٹن والی دو ہندو تحریکون نے ہی مسلمانون کو ہندوؤن کیجانب سے بدظن کر رکھا ہے۔ ہم پہلے شدھی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہین۔ اگرچہ ہم اسبارہ مین اپنے اُس

مضمون مین مفصل بحث کر چکے ہین - جو ملکانون کی شدھی کے عنوان سے جولائی گذشتہ کے زمانہ مین
شایع ہو چکا ہے یہان ہمکو صرف چند مزید باتون کا اظہار منظور ہے - ہم یہ تبلا چکے ہین کہ دنیا مین عام
ارتقاء کے حالات کا پیدا کرنا انسانی زندگی کا خاص الخاص مدعا ہے - اور اُسکے لیے اتحاد عام کا ہونا
ضروری ہے یہ ظاہر ہے کہ خیالات کی یکسانیت اتحاد کو ہمیشہ مکمل طریقہ پر قوی بنا سکتی ہے - گو کہ
یکسانیت مذکورہ کے نہونے تک باہمی رواداری کے برتاؤ سے بھی ایک حد تک کافی کام چلسکتا ہے
انسانیت آخر الذکر امر کی متقاضی ہے - اور قدرت اوّل الذکر کی قدرت کا تعلق راستی سے
ہے اور راستی ہمیشہ واحد ہوا کرتی ہے - اسوقت راستی اور اُسکی اشاعت سے پیدا ہونے والی
یکسانیت مین جو بات سب سے زیادہ خلل انداز ہو رہی ہے وہ مذاہب کی فراوانی ہے - پس راستی
کی اشاعت کے ذریعہ وسیع ترین اتحاد کو جس حد تک بھی ممکن ہو، عالم وجود مین لانے کے لیے
یہ امر نہایت ضروری ہے کہ بحالت مجبوری تبلیغ کی آزادی کو مکمل صورت مین برقرار رکھا جائے -
اسکے ساتھ ہی انسانیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس تبلیغ مین جبر و تشدد کا شائبہ تو نہ ہو اس اہم شرط
کو پورا کرنے کے لیے تبلیغی کامون کو صرف ایسے ہاتھون مین دینا ہوگا جو بہت ہی بچے تلے ہون
پھر ایسی تبلیغ کے سہارے اگر مسلمان شدھ ہون یا ہندو مشرف باسلام ہون تو اسمین فریق مخالف
کے بگڑ اُٹھنے کی کوئی وجہ نہین ہے - خصوصاً جبکہ کوئی جماعت محض عارضی طور پر (خواہ ایک مدت
دراز تک بھی) ہندو یا مسلمان رہنے کے بعد دوبارہ بالکل اپنی خوشی سے اپنے قدیم مذہب کیجانب
رجوع ہو تو اس واقعہ کے تعلق سے ہندوؤن یا مسلمانون کا بُرا ماننا کسی طرح بھی قرین مصلحت یا قرین
انصاف نہین ہو سکتا - اس قسم کے معاملات مین کسی فریق کا صرف اظہار ناراضگی کے ذریعہ غیر
عملی رکاوٹ ڈالنا بھی جبر و تشدد کے نام سے ہی موسوم کیا جا سکے گا -

موجودہ افتراق کی دوسری وجہ ہندو سنگٹھن کی تجویز ہے - ہمکو اس تحریک کے اجرا مین
بھی کوئی قابل اعتراض بات نہین دکھائی دیتی - انفرادی ترقی سے جماعتی ترقی اور جماعتی ترقی سے
ملکی ترقی پیدا ہوتی ہے - پھر مختلف ترقی یافتہ ممالک متحد ہو کر تمام دنیاوی ترقی کا باعث ہوا کرتے
ہین - ہر مخصوص جماعت مین کچھ ایسی مشترکہ باتین ہوتی ہین جنسے اُسکے ابتدائی ارتقا مین بہت
مدد ملتی ہے - اور جبتک اتحاد عامہ کا معیار اُس جماعت کے پیش نظر رہے - اُس وقت تک اُسکی

ارتقائی کوششون سے کسی دوسری جماعت کو بدظن ہونے کی قطعی ضرورت نہین ہے۔
فی زمانہ انسانی کمزوریون کا واقع ہونا ایک عام بات ہے لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ ہندو تمدن دنیا کا قدیم ترین تمدن ہے امتداد زمانہ کے سبب اُسمین تدرتاً کچھ ایسی کمزوریان پیدا ہوگئی ہین جو منجملہ ہندو قوم کے لیے ایک بڑی حد تک مانع اتحاد ہین - یہ ظاہر ہے کہ جو جماعت اپنے متحدہ و مشترکہ اصولون کے بنا پر خود ہی متحد نہین ہوسکتی وہ اُس اتحاد کامل کے احاطہ مین داخل ہونے کی کیونکر اہل ہوسکتی ہے جسکو مختلف ملکی جماعتون کا اتحاد یا ملکی اتحاد کہنا چاہیے، ہندو سنگھٹن والی تحریک کا اجرا اسی غرض سے کیا گیا ہے۔ اور کسی شخص یا جماعت کا اپنے اخلاقی نقائص کو دور کرنے کی کوشش کرنا یقیناً کوئی گناہ کی بات نہین ہے - ترک موالات کی تحریک خود اسی امر کی متقاضی ہے - البتہ وہ ہر صورت مین اتحاد چاہتی ہے ارتقا کے ابتدائی حالت مین عموماً اور بحالت موجودہ خصوصاً باہمی اتحاد اس طریقہ پر قائم رکھا جاسکتا ہے کہ ملک کی مختلف جماعتین ازراہ ہمدردی جملہ خامیون کے دفعیہ مین ایک دوسرے کی مدد کرین - خیال کرنے کی بات ہے کہ اس قسم کے رویہ سے اتحاد مذکور کو کسقدر زیادہ تقویت ملے گی - بار ممنونیت سے گردنین جھک جائینگی - اور ہمارا اتحاد فی الواقع ایک بےنظیر اتحاد ہوگا - خیالات مین رفعت، ارادون مین ملبندی اور افعال مین انسانیت کا ظہور ہوگا - دلون مین عمل، برداشت اور زیادتیون کے تعلق سے اخاموشی مقابلہ کی قوت پیدا ہوگی - قدرت اپنے کام کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھائے گی - یہی ہماری آزادی کا پیش خیمہ ہوگا - اور ساتھ ہی دنیا کے حقیقی آزادی کا بھی -
یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ ہمین اپنی آزادی کو غیر تشدد ادی ذرائع سے حاصل کرکے دنیا کو روحانیت کا سبق دینا ہے - وہ دنیا جو مادیت سے کافی تنگ آچکی ہے اور جسکی آنکھین اطمینان قلبی کا خیر مقدم کرنے کے لیے روبراہ ہین قدرت نے ہندوستان کی پاک سرزمین مین دور جدید کا آغاز کرتے ہوئے دنیا کی رہنمائی کے لیے ہمین کو منتخب کیا ہے - یہ خاصی فخر کی بات ہے - لیکن فخر ہمارے لیے اُسی وقت شایان ہوسکتا ہے جب ہمین اُس کام کی اہمیت کا بھی بخوبی احساس ہو جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے - یہ ٹھیک ہے کہ قدرت اپنے کام کو کسی دن پورا کرہی لیگی مگر اسمین شک نہین کہ وسائل کی درستی سے اُسکی مقصد برآری نہایت آسانی کے ساتھ اور کم سے کم وقت مین ہوسکے گی،

اس درستی کا ہونا بہت کچھ ہمارے ہاتھون مین ہے جیساکہ ہم پہلے دکھلا چکے ہین پس ہمکو اپنے طرز عمل مین سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ صرف ریاضت اور نفس کشی کے ذریعہ ہم اُس پاک فرض کو ادا کر سکین گے جو قدرت کے تعلق سے ہم پر واجب الادا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب تک ہم خود غیر اشتدادی رویہ نہ اختیار کرین گے اسوقت تک ہم دنیا کو اہنسا کے ذریعہ روحانیت کی تعلیم کیونکر دے سکین گے؟ جبتک ہم خود متحد نہ ہو جائین گے۔ اسوقت تک ہم ساری دنیا کی نسبت سے اتحاد عامہ کی پیدایش مین کیونکر مددگار ہو سکین گے؟

بہرحال آزادی کے ساتھ ہی تمام دنیا کے راہنما بننے کی عزت کا حاصل ہونا بھی تو کوئی ایسی ویسی بات نہین ہے۔ علاوہ برین انسانی زندگی کی فضیلت اسی مین ہے کہ گناہون سے مجتنب ہوکر آتما کو زیادہ سے زیادہ پاک بنایا جائے انسان مین ایسا کرنے کی قابلیت موجود ہے اور یہی بات اُسکو دیگر حیوانات لایعقل سے ممتاز بنانیوالی ہے۔ البتہ قابلیت مذکور کو زیادہ سے زیادہ پیمانے پر عملی صورت مین تبدیل کرنے کے لیے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اصول متعلقہ کی عوام مین اشاعت کیجائے اور ہندو مسلمانون کے اتحاد باہمی کی کوشش کیجائے۔ پس ہر بہی خواہ ملک و قوم کا فرض ہے کہ وہ موجودہ نفاق کو جلد سے جلد مٹانے کی کوشش کرے یہ ٹھیک ہے کہ ملک مین لوگون کی ایک ایسی تعداد ہر وقت موجود رہے گی جو افتراپردازی پر آمادہ نظر آئے گی۔ لیکن ہمکو یقین رکھنا چاہئے کہ یہ کوشش بحیثیت مجموعی کبھی رائیگان نہین جائے گی۔ اور بالآخر تعداد مذکور اسقدر قلیل ہوجائے گی کہ اُسکا ہونا نہونا قریب برابر ہوگا۔ محبت مین عجیب طاقت ہے۔ انسان تو کیا حیوان تک اس طاقت کے تابع ہو جاتے ہین۔ ہندو اور مسلمان دونون انسان ہین ملکی اعتبار سے دونون کے اغراض مشترک ہین۔ دونون کو ایک ساتھ رہکر جینا اور ایک ساتھ رہکر مرنا ہے۔ پس کوئی وجہ نہین کہ دونون مین محبت کے ساتھ معاملہ فہمی کی کوشش ہو اور کامیابی نہو کوئی وجہ نہین کہ محبت آمیز سلوک کی بدولت مایوسی بخش حالات بالآخر امید افزا مناظر مین تبدیل نہو جائین محبت اتحاد کی کنجی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جو کام سمجھنے سے ہو سکتا ہے وہ لڑنے سے نہین۔ ہمکو بعض لکچراردن اور اڈیٹرون نیز مضمون نگارون کی کوتاہ فہمی اور اُن کے معاندانہ رویہ پر سخت افسوس ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر

ہوجاتی ہے کہ فی زمانہ کسقدر کم لوگ ان کامون کے اہل ہوسکتے ہین۔ دونون کے فرائض نہایت پاک اور اہم ہین۔ دونون کا کام اپنی تقریر یا تحریر کے ذریعہ عوام کے جذبات کو بلند کرنا اور انسانی ارتقا، مین مدد دینا ہے۔ پس دونون کے لیے متانت انصاف پسندی اور وسیع الخیالی کی سخت ضرورت ہے۔ مذکورہ بالا کامون کی صلاحیت نہ رکھتے ہوے ان کو اپنے ہاتھ مین اور اُن کی وساطت سے اپنی من مانی کرنا خود کو یقیناً ایک عظیم ترین گناہ کا مرتکب بنانا ہے غور کرنیکی بات ہے کہ اگر ہندؤن اور مسلمانون کی خانہ جنگیان جاری رہین تو بجز نقصان کے کس فائدہ کی امید ہوسکتی ہے؟ اس طرح نہ تو ہندو مذہب دنیا سے نیست و نابود کیا جا سکتا ہے اور نہ اسلام کا نام ہی مٹایا جا سکتا ہے۔ ہان نتیجہ یہ ہوگا کہ دونون کی کھوپڑیان پھٹین گی۔ دونون کو حکومت وقت کیجا نب سے سزائین دیجائین گی۔ دونون کا باہمی نفاق بڑھے گا۔ غیر ملکی طاقت کا آہنی پنجہ ملک کو زیادہ مضبوطی کے ساتھ پکڑیگا اور ہماری غلامی کی زنجیر مین کڑیون کا برابر اضافہ ہوتا جائے گا۔ ہمکو ان باتون کے تعلق سے علامہ اقبال کے دو شعر یاد آگئے۔ جو حسب ذیل ہین۔

نشان برگ گل تک بھی نچھوڑا اس باغ مین گلچین　　تری قسمت سے جھگڑے ہورہے ہین باغبانون مین

نسمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستان والو　　تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانون مین

درحقیقت لڑائی کا قدرتی نتیجہ مٹ جانا ہے۔ اسکی ذمہ داری کسکے سر ہوگی؟ انھین متعصب، تنگ نظر، اور کوتہ اندیش اصحاب کے جو کام کی اہلیت نہ رکھتے ہوئے بھی کام کرنے پر تلے ہوئے ہین پھر کتنی شرمناک بات ہے کہ یہ کام مذہب کے پاک نام پر جاری رکھا جاوے جس مذہب کا تعلق قدرت سے ہے اور جسکی غایت غرض یہ ہے کہ دنیا مین ارتقائی کمال کی نمود ہو۔

خدا کرے یہ دن نہ آئے۔ ہمین تو یقین واثق ہے کہ ایسا دن کبھی نہ آئے گا۔ اشاعتی کامون کو بگاڑ کر لوگ خواہ مخواہ گنہگار بنجائین۔ ممکن ہے کہ اس سے کچھ پریشانیان پیدا ہون۔ لیکن یہ سب کچھ عارضی ہوگی۔ موجودہ وقت کے مقدس ترین مہاتما گاندھی نے جیل سے نکلکر اس مسئلہ پر بھی توجہ کی ہے۔ آزادی کی دیوی کتنی ہی قابل قدر قربانیون کی بھینٹ قبول کر چکی ہے اور کرتی جارہی ہے، ملکی آبادی کا نصف سے زائد حصہ (جسکو فی الجملہ کسانون کا طبقہ کہنا چاہیے، اور جو فی زمانہ دنیا مین سب سے زیادہ ایماندارانہ طبقہ ہے) متواتر فاقہ کشی کے ذریعہ خاموش "برت" کر رہا ہے یہ سب کچھ محض بے سود

ثابت ہو گا۔ کام کے سنوارنے والے اشخاص کی تعداد مین گونہ اضافہ ہو گا۔ ملک مین اتحاد کا دور پھر آئیگا۔ ہندوستان آزاد ہو کر دنیا کی ترقی مین مدد دے گا۔ عہد کمال اپنا جلوہ دکھائے گا۔ اور قدرت کا مقصد پورا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ایک دن کا نہین ہے۔ ایسی حالت مین ہم خدا سے دست بدعا ہین کہ ہم ابتدا ہی مین جادۂ اتحاد کو بعجلت صرف اسقدر توطے کر لین کہ دنیا کی اُن امیدون مین عمومیت پیدا ہو جائے جنکو ابھی صرف اُسکے خاص خاص افراد نے ہمارے ملک کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ فی الحال اسی کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اور اتنا ہی کافی بھی ہے۔

اقبال و ماسحر

انگلستان مین اخبارات کی بنا ”ٹیکنیل ہٹرس ویکلی نیوز“ سے پڑی۔ جو اولی اول سنہ ۱۶۲۲ء مین شائع ہوا تھا لیکن پہلا روزانہ اخبار ”روزنامہ کورنٹ“ تھا جسکا پہلا پرچہ سنہ ۱۷۰۲ء مین شائع ہوا پہلا شام کے وقت نکلنے والا اخبار ایوننگ پوسٹ تھا جو اول مرتبہ سنہ ۱۷۰۶ء مین شائع ہوا۔ رفتہ رفتہ اور معمولی اخبارات شائع ہوتے رہے مگر وہ زیادہ مدت تک جاری نہ رہے۔ کچھ مدت گذری کہ پیرس سے ایک عجیب اخبار شائع ہوا تھا۔ اسمین انسان کی ٹانگون کے متعلق ہر قسم کی واقفیت بہم پہنچائی جاتی تھی۔

اسپین مین بہت مدت گذری ایک اخبار شائع ہوا تھا اسکا نام ”لومی نیریا“ تھا۔ یہ اخبار روشنائی مین فاسفورس ملا کر چھاپا جاتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اُسے لوگ اندھیرے مین بھی پڑھ سکین۔

”لی ماشاور“ (رومال) کے نام سے ایک اخبار پیرس مین نکلتا تھا۔ یہ کپڑے پر طبع ہوتا تھا۔ اور پڑھنے کے بعد اسکے خریدار اس سے رومال کا کام لے سکتے تھے۔

اسی قسم کا اخبار ”بہتوارتس پولیٹیکل ہیڈ کرچیف“ کے نام سے نکلتا تھا جو اول اول سنہ ۱۸۳۱ء مین شائع ہوا اسکا طول و عرض ۱۰×۱۱ انچ تھا اور قیمت چار پنس تھی۔

سنہ ۱۸۵۹ء مین ایک اخبار نیویارک سے شائع ہوا آجتک دنیا مین اس سے زیادہ بڑا اخبار شائع نہین ہوا اسکی لمبائی چوڑائی ۵۰ × ۲۵ فٹ تھی اسکا نام ”ایلومینیٹیڈ کوارڈپل کنسٹیلیشن“ تھا یہ اخبار ۸ صفحہ پر شائع ہوتا تھا اور ۸ ہفتہ تک جاری رہا۔ اسکی تیاری مین ۴۰ آدمی لگے تھے۔ اسکے بانیون کا ارادہ یہ تھا کہ اس اخبار کی ایک کاپی سالانہ شائع ہوا کرے۔ (حامد اللہ افسر)
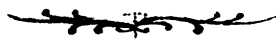
بحر ترنم

(دینش بندھو داس کے جواہر افکار)

(۱)

آج اتفاقاً تیرا دیدار حاصل ہوگیا۔ تیری ذات عجیب و غریب ہے، تجھ کو ہمیشہ شعبدہ بازیون مین مزا آتا ہے۔

ٹھہر ٹھہر۔ تھوڑی دیر ٹھہر۔ مجھ پر عنایت کر۔ میرے واسطے رُک جا کہ مین اپنے ترانون کی لڑیوں مین تجھکو گوندھ لون۔

ماہتاب کا زرد رنگ نور ہر طرف پھیلا ہوا ہے اور بحر خاموش۔ عالم خواب مین مست تھر تھر کانپ رہا ہے۔

اگر یہ سچ ہے کہ تو واقعی یہان جلوہ فرما ہے تو اے تبسم ریز پر اسرار ہستی آ۔ اور میرے سینے مین قیام کر۔ ورنہ مین کسوقت تیرا ذکر اپنے ترانون مین نظم کر سکونگا۔

ابھی تھوڑی دیر اور ٹھہر، رُک جا۔

سمندر کی ترانہ سنجیون اور اپنے دل کے بے صدا نغمون کے ساتھ تجھکو بھی نظم کا جامہ پہناؤن گا اور اس جامہ زیبی کی شان تمام محاسن شاعری سے بدرجہا افضل ہوگی۔ اس طرح جب مین تیرا ذکر نظم کرونگا تو تو میرے دل کے لافانی گوشۂ تنہائی مین پابستہ ہو جائیگا۔

ہان تو کیا تو جامۂ خواب سے مزّین۔ سرمست آہنگ جاودانی۔ اور لازوال وغیر متحرک ہوکر اپنی پوری آن بان کے ساتھ اُس گوشے مین قیام نہ کریگا!۔

(۲)

اے سمندر۔ اسوقت جب سپیدۂ صبح نمودار ہو رہا ہے اور ہر طرف نور ہی نور حلقہ زن ہے

میں اپنے کانوں کو ساز موسیقی بناکر تیری ترانہ سنجیاں سن رہا ہوں۔

آہ، کیسے کیسے الفاظ تیری زبان رطب فشان سے نکل رہے ہیں۔ کیسی دلفریب اور سُریلی دھن ہے جسکو سُن سُن کر میرا دل طلاطم خیزی پر آمادہ ہے۔ مگر پھر بھی میری عقل یہ عقدہ حل کرنے سے قاصر و خاسر ہے کہ آج ہنگام سحر بیان کسکی آواز میں سُن رہا ہوں جو تیری صدا سے ٹکرا ٹکرا کر گونج رہی ہے۔

(۳)

میری نگاہ شوق صرف صبح صادق کی طرف لگی ہوئی ہے۔ میرے دل میں تیرے گیت بھرے ہوئے ہیں۔ اب آہستہ آہستہ اور نہایت فرحت بخش لہجے میں تیرا راگ چھیڑ رہا ہے۔ اور لے ہیجے ابتو ان نغموں کی آواز تیز ہوگئی ہے۔ اور جسوقت اس آواز میں لوچ پیدا ہو جاتا ہے۔ بیساختہ میری آنکھیں آبدیدہ ہو جاتی ہیں۔

بعض مرتبہ تیری آواز دیوانوں کی طرح عالم وحشت میں بازگشت کرنے لگتی اور سننے والوں کو مجنون بنا دیتی ہے۔ ہاں ہاں مجھے بتا کہ تیرے گیت میں یہ کیا چیز مستور ہے۔ جو صدا دے رہی ہے یہ تیرے گیت میں آہیں بھرنے لگتی اور کبھی ہنستی اور کبھی روتی ہے اور میرے جسم کا ایک ایک عضو کانپ اُٹھتا ہے۔ ہاں ہاں کانپ اُٹھتا ہے مگر تیری روح کا نغمۂ لافانی سن سُن کر۔

اور میری نگاہ صرف سپیدۂ سحری کی طرف لگی رہتی ہے۔

(۴)

دیکھو دیکھو صبح نے اپنی بانسری چھیڑ دی۔ اسکی آواز ہر طرف گونج رہی ہے اور غور کرو کہ یہ کسقدر مسرت آموز ہے۔ عالم نوراً علیٰ نور میں آفتاب کی شعاعیں تیرے جسم پر اپنا پرچم حکومت لہراتی اور سنہرے رنگ کی موجیں مارتے ہوئے پانی میں پھول کھلا رہی ہیں۔ اور وہ پھول اس فضائے ذوقین میں مست ترنم ہو کر تیرے قدموں پر گرے پڑتے ہیں۔

اب تیری آواز موسیقار بن گئی ہے جو اپنے سنہرے رنگ کے چمکدار بازوؤں کو پھیلا پھیلا کر نشۂ محبت میں چور اور بہار کی دلکشی سے مسرور میرے دل کے وسیع آسمان پر مائل پرواز ہے۔

(۵)

آہ وہ سینہ کہاں ہے جس پر میں اپنے سر کا بار رکھوں۔ اپنے آنسوؤں کا تحفہ کسکو نذر کروں۔

آج کا روز نہایت طرب اندوز ہے اور کسی کو یہ مجال نہین کہ میری مسرت بے اندازہ کو مکدر کرسکے یا بسبب اضطراب ناگہانی سے چشم پوشی کرے۔

میرے سرور سرمدی کی دولت آج اپنا جلوہ دکھائے گی۔ آج میرے تمام آلام سرود ترنم مین ظاہر ہو کر رہین گے۔

راگ مین بھی عجیب و غریب قوت تسخیر ہوتی ہے۔ میری سمجھ ہی مین نہین آتا کہ یہ پھولون کی کیاریان کس طرح ہلتی اور کانپتی جاتی ہین۔ تھرتھرا رہی ہین۔

اے سمندر۔ بتا۔ تو ہی بتا کہ آج کا دن جو نہایت مسرت خیز ہے میرے دل کا بار کون سنبھالیگا۔

(۶)

وہ راگ جو آج ہنگام سحر۔ ایک ایک موج گا رہی ہے۔ ہان وہ راگ میرے دلمین اچھی طرح سما گیا ہے　ہوا اور آسمان دونون وہی ایک راگ گا رہے ہین۔

تو نے میری کیا حالت بنادی ہے۔ میرا دماغ ایک صد تارہ طنبورہ بن گیا ہے اور جسوقت تو اپنی نرم نرم اور نازک نازک انگلیون　جنبش دیتا ہے۔ تو وہ طنبورہ تھرتھرانے لگتا ہے اور صدا دینے لگتا ہے۔ اسوقت نہایت بلند اور دلکش آواز مین ساز موسیقی چھڑ جاتا ہے۔

(۷)

دیکھو اوشا دور دراز منزل جاودان ،، سے تیرتی ہوئی چلی آرہی ہے اور اسکے اندام فرحت بخش تمام پر خوابہائے نازکے نور سپید کا ملبوس زینت بخش ہے۔

لہر پر لہر اس سفید سفید تنویر خواب مین۔ خوابون کو فراہم کر رہی ہے۔ آسمان پر نور پھیلا ہوا ہے۔

ہر طرف ایک جاودانی راگ چھڑا ہوا ہے۔ ہوائین سکتے مین ہین اور اپنے ارمانون سے معمور سینے کو موسیقی بناکر تو راگ کی سرمستی مین آواز کو ساکت کرتا ہے۔

اور ساز ندہ ازلی۔ تیری ترانہ سنجیون کی صدا کس عالم مین سنائی دیتی ہے۔ کس خاموش دنیا مین ؟ ہان کس صبح دوامی کے عالم سکون مین ؟۔

(۸)

مین تقریر کے ہنر سے بالکل ناآشنا ہون۔ زباندانی مین مجھے ذرا بھی دخل نہین، نہ مین راگ کی دھن سے واقف ہون۔ نہ تان، لے اور سُر سے آشنا؛
لیکن میرے دل کے اندر آزاد اور غیر محکوم آسمان کا قیام ہے۔ ذات لا انتہا کے پرتو سے میرا کاشانہ دل سراسر معمور ہے اور مجھے اسکی صدا نور کے تڑکے اور رات کی تاریکی مین۔ تیرے گیت کے اندر مستور۔ سنائی دیتی ہے۔
مین نے اپنے دل کے کواڑ کھولدیئے ہین۔ اور مین خود اپنی ذات کو، تیری ترانہ سنجی مین تلاش کر رہا ہون۔ اور اس عجیب و غریب ہم آہنگی مین سے محض چند گیتو ن نے میری روح کو اُبھار دیا ہے۔ انھین گیتو ن کو مین تیرے قدوم پر تصدق کرتا ہو ن۔

(۹)

تمام دن میرے دلمین تیرے راگ کی صدا سنائی دیتی ہے ہان ہان مین تیرے ہاتھون مین ایک ستار بن گیا ہو ن۔ جسکو تو چھیڑ چھیڑ کر بجاتا ہے۔ مین بالکل تیرا ہوگیا ہو ن۔ ہان تو میرے تارون پر اپنا راگ چھیڑے جا۔ ہمیشہ جاری رکھ، دن کے وقت۔ رات کو، اندھیرے اُجالے، اور اس بحر کے ساحل پر جہان کوئی دوسرا موجود نہو۔ ہان ہان سناٹے کے عالم مین سقف گردون کے نیچے۔ جہان مایا کا دور دورہ ہے۔ جو ایک عالم پر تو نما ہے۔ نور کے تڑکے جب امیدین بیچین ہو ہوکر اپنا پورا زور دکھا رہی ہون اور ہان ایسی شام کے وقت جب خواہشات معدوم ہوجاتی ہین اور شوق بیحد اضطراب ابھرنے لگتا ہے۔
او مطرب خوشنوا۔ مین ستار ہون۔ اور تو مجھے چھیڑے جا۔ میرے تارون کو مرتعش کرتا رہ اپنی نہایت تعجب خیز مایا کے عالم مین جہان اسوقت تک ظلمت کا نام و نشان نہین ہے۔ تو مجھے محو فغان رہنے دے۔

(۱۰)

تو میری زندگی کو تسخیر کر رہا ہے۔ ایسا کون کھیل ہے جو تو نے نہین کھیلا ہے۔ ہان تو نے نہایت حیرت انگیز طریقے سے میرے دل کی آنکھین کھولدی ہین۔

میرا دل ایک غنچۂ ناشگفتہ تھا مگر تیرے راگ کی بدولت وہ کھل کھل کر اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ آہ میری زندگی اب ایک اچھی طرح کھلے ہوئے پھول کی مانند ہوگئی ہے جو نہایت نکہت آمیز اور رنگدار ہے اور اس پھول کے رگ و ریشے مین مبہم اور عمیق ارمان پیوست ہین۔

تیرے راگ نے میری زندگی کو ایک ساز لافانی بنا دیا ہے۔ سمندر، اور اس ساز پر برابر شب و روز گیت گائے جاتے ہین۔

(۱۱)

اُف۔ ساز مطربانہ کی صدائے دلکش سے اضطراب زدہ دل، راگ کے عجیب و غریب عالم مین مُرغ صفت پر پرواز تولے ہوئے ہے لیکن مجھے کسی مقام اور کسی زمانہ مین اسکی انتہا نہین نظر آتی اور اسی لیے مین اُس خطۂ بے پایان مین پر پرواز تولکر ہوا کے جھونکون سے کھیل رہا ہون۔

اس صدائے جادوانی کی تنہائی بے انتہا ہے اور اس عجیب و غریب ساز کی گتین بھی محروم آواز ہین۔

مین راگ کی اس دنیائے جادوانی مین مستغرق ہوگیا ہون، اور مجھے کہین اور کبھی اس کی گہرائی کا پتہ نہین لگتا۔

اُف راگ، کا عمیق اور ناپیدا کنار سمندر بھی کیا چیز ہے، جسکے اندر نہایت خاموشی کے عالم مین میرے دل کا کنول کھل جاتا ہے۔

سی۔ آر۔ داس

گفتگو خوشگوار بغیر خوشامد کے مذاق آمیز بغیر بناوٹ کے۔ آزاد بغیر بد تہذیبی کے عالمانہ بغیر غرور کے اور بغیر جھوٹ کے ہونا چاہئے۔

سچ بولنا خوشنویسی کی مثال ہے: یہ عادت کا معاملہ ہے نکہ خواہش کا اور کوئی موقع جسمین اس نیک عادت کی بنیاد مشق ہو چھوڑا نہین کہا جا سکتا۔

جواہرات عالم

(ہیرا سانسی)

(۶)

اس ہیرے کے متعلق وثوق سے کہنا مشکل ہے کہ یہ کب اور کسطرح دستیاب ہوا۔ صرف ایک روایت یہ بیان کیجاتی ہے کہ اسکو تقریباً سنہ ۱۵۷۰ء مین سلطان ترکی نے ایک فرانسیسی سفیر کو عطا کیا تھا مگر یہ روایت بھی قابل یقین نہین۔ کیونکہ تاریخی حیثیت سے اس ہیرے کا تذکرہ ۱۴۷۶ء کے میدان جنگ سے شروع ہوتا ہے۔

جب چارلس ڈیوک برگنڈی نے اپنی فوج مقام موراٹ مین جمع کی تو یہ ہیرا ایک بروچ مین لگا ہوا اسکی ٹوپی مین آویزان تھا۔ اسوقت تک اسکا کوئی نام نہ تھا۔ اور نہ یہ معلوم تھا کہ یہ ڈیوک کے پاس کسطرح آیا۔ ڈیوک اس ہیرے کو اس شان استغنا سے لگائے پھرتا تھا کہ گویا اس جنگ کو کوئی اہمیت ہی نہین دیتا مگر امید کے خلاف اسکو اس لڑائی مین شکست فاش نصیب ہوئی اور میدان جنگ سے اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا قاعدہ ہے کہ ہزیمت خوردہ فوج کی پسپائی مین نظم و ترتیب کا خیال نہین رہتا چنانچہ ڈیوک بھی اسطرح بھاگا کہ اپنے لبادے اور ٹوپی کی بھی سدھ نہ رہی اور ٹوپی کے ساتھ ہیرا بھی مال غنیمت مین شریک ہوگیا۔

جب غنیم کے سپاہی، مال غنیمت کے لیے میدان جنگ مین گشت لگا رہے تھے تو سوئس فوج کے ایک سپاہی کو ڈیوک کی ٹوپی ملگئی جسمین یہ ہیرا تھا سپاہی بیچارہ اس قیمتی پتھر کی قدر و قیمت سے ناواقف تھا چنانچہ اسنے اس بروچ کو چند آنون مین ایک پادری کے ہاتھ فروخت کر دیا پادری بھی اسکی اصلی قیمت سے بے بہرہ تھا۔ اسنے بھی اس ہدیہ روشن کو ناقابل استعمال سمجھکر فرانسیسی کمان افسر MONSIEUR DESANCI کو دیدیا اور اسکے عوض مین ایک قلیل سی رقم قبول کرلی۔ اس طرح یہ گرانبہا ہیرا خاندان سانسی SANCI مین آیا۔ اور اسی لقب سے مشہور ہوا۔

---

[۱] اس سلسلے کے ابتدائی مضامین گذشتہ نمبرون مین شائع ہوچکے ہے۔

فلپ نے PHILIPPE DE COMMINES جو شاہ لوئی یازدہم کا مشیر خاص تھا
اس ہیرے کو دنیا کا سب سے بڑا ہیرا لکھا ہے حالانکہ اسکا وزن صرف ۲۴ قیراط تھا سبب یہ کہ ہنوز تک
کوہ نور اور دیگر مشہور پتھرون کا یورپ کو علم ہی نہ تھا ورنہ کوہ نور وغیرہ کے مقابلہ مین اسکا چراغ
اتنا روشن نہ ہوتا - یہ ہیرا اس خاندان مین کم و بیش ایک صدی تک رہا - شاہان فرانس اسکو
ہمیشہ للچائی ہوئی نظرون سے دیکھا کئے مگر ان کو نہ مل سکا -

اسکی نسبت بھی پٹ ڈائمنڈ کی طرح فرمانروایان فرانس کا خیال یہ تھا کہ بیش قیمت ہیرا
رعایا کے لیے موزون نہین - تاہم وہ اپنے قبضے مین نہ لا سکے - لیکن ایک صدی کے بعد (ہنری
سوم) والی فرانس کی قسمت چمکی اور یہ بیش بہا چیز عجیب طریقہ سے اسکے ہاتھ لگ گئی -

واقعہ یون ہے کہ ایک مرتبہ ہنری سوم کو سپاہ اور روپیہ کی ضرورت ہوئی اور اسنے اس
ہیرے کے مالک کو سپاہی بھرتی کرنے کے واسطے سوئزرلینڈ بھیجا - وہان کے باشندے فوج مین
داخل ہونے کے لیے کثیر رقمین طلب کرتے تھے - شاہ ہنری کے پاس اتنا روپیہ نہ تھا اسلیئے اسنے
اسکے مالک سے یہ پتھر عاریتاً مانگا تاکہ اسکو سوس گورنمنٹ کے پاس گرو رکھکر موجودہ مالی مشکلات
کو رفع کرے - اظہار وفاداری نے کاونٹ کو مجبور کیا اور اس کو بادل ناخواستہ اس عزیز ترین شے
کی جدائی گوارا کرنی پڑی - بادشاہ نے اس ہیرے کو کاونٹ کے ایک معتمد خاص کی معرفت سویس
گورنمنٹ کے پاس روانہ کر دیا - لیکن وہ ملازم راستہ مین سے غائب ہو گیا - اس واقعہ سے بادشاہ
کے غصہ کی کوئی حد باقی نہ رہی شبہہ یہ ہوا کہ اُسی معتمد خاص کی بدنیتی ہے اور وہ ہیرا لیکر کہین
روپوش ہو گیا - مگر ڈیوک کو اسپر پورا اعتبار تھا کہ وہ کبھی ایسی بے ایمانی نہ کریگا - آخر ڈیوک خود
چند آدمیون کو لیکر اسکی تلاش مین نکلا اور اُسی راستہ سے چلا جس سے ملازم گیا تھا - جستجو کے بعد
ایک سنسان جنگل مین ملازم مذکور کی لاش ملی، جو راستے مین قزاقون کا شکار ہوا تھا - مرتے مرتے
بھی وفادار ملازم اپنی وفاداری پر قائم رہا اور ہیرے کو قزاقون کی دست برد سے بچا لیا - کہتے ہین
کہ ہیرے کو ملازم نے نگل لیا تھا - اور ڈیوک نے ایک حیرت انگیز طریقے سے اسے پھر حاصل کر لیا -
غرض وہ ہیرا سوس گورنمنٹ کے یہان گرو کر دیا گیا - مگر پھر ہنری سوم نے اسے چھڑا کر شاہی جواہرات
مین شامل کر لیا -

جب HENRIETTAMARIAH دختر فرانس کی شادی چارلس
والئی انگلستان سے ہوئی تو یہ ہیرا اسے جہیز مین ملا۔

جسوقت انگلستان مین ایک عظیم بدامنی پھیلی اور والی انگلستان اجتماع فوج کے لیے
روپیہ کیفرورت محسوس ہوئی تو ملکہ میریا نے اس ہیرے کو چند اور قیمتی جواہرات کے ساتھ ارل ارسٹر
EARLY WARCESTER کے پاس جس خدمات اور وفاداری کے صلے مین
بھیجا اور ایک خط بھی لکھا۔ ارل اپنے آپ کو اس ہیرے کے رکھنے کا مستحق سمجھتا تھا۔ اسیلیے
علیحدہ کر دیا مگر یہ وثوق سے نہین معلوم ہوسکا کہ کب اور کسطرح ایک روایت یہ ہے کہ اُسنے اُسکو
چارلس اوّل کو واپس کر دیا اور شاہ نے اسے پادری جکسن BISHOP JUXON
کو وایٹ ہال مین پھانسی چڑھنے کے وقت یہ کہکر دیا کہ اسے چارلس دوم تک پہونچا دے۔
اگر یہ واقعہ سچ ہے تو یہ پھر بادشاہ کے پاس کیون نہ نکلا جبکہ ملک دوبارہ واپس ملا۔ بہرحال
یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ ہیرا وہان نہ تھا۔

اس واقعہ کے تیس سال بعد یہ ہیرا جیمس دوم کے پاس واپس آیا جبکہ وہ
ST GERMAN مین جلاوطن تھا۔ مگر اسنے پھر اسکو بہت جلد لوئی چاردہم والی
فرانس کے ہاتھ پچیس ہزار پاونڈ (پونے چار لاکھ روپیہ) کو فروخت کر دیا۔ اور اسطرح
یہ ہیرا پھر فرانس کے شاہی جواہرات مین شامل ہو گیا۔

یہ ہیرا تقریبًا ایک صدی تک فرانس کے شاہی خزانہ مین رہا۔ اور ستمبر ۱۷۹۲ء کے انقلاب
فرانس مین چوری گیا انتہائی تجسس و تفحص کے بعد بھی اس چوری کا راز نہ کھلا۔ پولیس نے
سیکڑون مکانون کی تلاشی لی۔ بہتون کو اس شبہہ مین گرفتار کر لیا۔ دریائے سین کی گہرائیون
مین تلاش کیا۔ مگر یہ ہیرا نہ ملنا تھا نہ ملا۔ اس ناکامی کے بعد یہ خیال ہوا کہ شاید اس ہیرے کے تراش
تراش کر ٹکڑے کر لیے گئے۔ اور یہ اصلی صورت مین کبھی نہ ملیگا۔

۱۸۳۰ء مین جب بربن BOURBONS فرانس سے ملک بدر
کیا گیا تو یورپ کے جوہریون مین پھر اس لعل نایاب کا چرچا ہونے لگا۔ واقعہ یہ تھا کہ یہ ہیرا اسوقت ایک
یہودی جوہری کے پاس سے برآمد ہوا۔ رفتہ رفتہ نصف درجن کے قریب اسکے دعویدار اٹھ کھڑے

ہوئے۔ اور فیصلے کے واسطے معاملہ عدالت مین رجوع کیا گیا۔ آخر ۱۸۳۲ء مین عدالت سے فیصلہ ہوا اور نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ہیرا فروخت ہوکر زار روس کے پاس پہونچگیا۔

۱۸۳۵ء مین یہ ہیرا شاہنشاہ روس کے شاہی خزانہ مین داخل ہوا۔ مگر ابتدائے جنگ مین اسکا ذکر شاہ جرمن کے جواہرات مین کیا گیا ہے، اسکے بعد اب معلوم نہین کہان ہے

رام سرن نگم

"دولت"

دولت اچھی چیز ہے مگر ایمان اس سے بدرجہا بہتر ہے، خدا کی دی ہوئی نعمتین بیش بہا ہین اور اسی لیے انکو ہم قیمت سے نہین خرید سکتے، سورج، چاند، ستارے، اور فطرت کے سارے مناظر خدا نے ہمین مفت عنایت کئے ہین۔ دولت کے لیے ایمان کو چھوڑ دینا عقلمندی نہین

دولت سے ہم خوراک خرید کرسکتے ہین نہ کہ بھوک

〃 〃 نرم بچھونے 〃 〃 〃 〃 〃 تندرستی

〃 〃 عینک 〃 〃 〃 〃 〃 نیند

〃 〃 ہمنشین 〃 〃 〃 〃 〃 نظر

〃 〃 مقوی غذا 〃 〃 〃 〃 〃 دوست

〃 〃 کتابین 〃 〃 〃 〃 〃 قوت

〃 〃 نفسانی خوشی 〃 〃 〃 〃 〃 روحانی

〃 〃 سکون ظاہری 〃 〃 〃 〃 〃 شانتی

〃 〃 نوکر 〃 〃 〃 〃 〃 دلی خدمت

〃 〃 زیورات 〃 〃 〃 〃 〃 خوبصورتی

〃 〃 خوشامد 〃 〃 〃 〃 〃 محبت

〃 〃 مذہبی کام 〃 〃 〃 〃 〃 ایمان

دیوانۂ اَدب

ادیب کا دل، ادب لطیف کے پاکیزہ جذبات کا مرقع تھا۔ اور اُسکی آنکھین حسنِ فطرت کی آئینہ دار۔ وہ جذبات فطرت کا پرستار۔ اور خیالات رنگین کا بندۂ محبت تھا۔ ساری کائنات اُسکی نظر مین جلوہ گاہ حسن تھی۔ فضائے بسیط مین اُسے حسن کی بجلیاں کوندتی نظر آتی تھین ہوا کے جھونکے۔ اُسے حسن نظر فریب کے ترانے سنایا کرتے تھے۔ دریا کی موجین اپنی مستانہ کروٹون کے ساتھ گھونگھٹ اُلٹ اُلٹ کر اُسے دلفریبی کی شان دکھایا کرتی تھین۔ غنچون کا غرق حسن ہو کر مسکرانا اُسکے دلمین گدگدی پیدا کرتا تھا۔ پھولون کی ہنسی اُسکے دل مین چٹکیاں لیتی تھی۔ زمین کا ہر ذرّہ آسمان کا ہر ستارہ اُسکی نظر مین مجسمۂ حسن تھا۔ جب اُسکے خیالات حسن خود آرا کی لہرون مین ڈوب کر نکلتے تو اسکا قلم عکّاسی جذبات مین مصروف ہو جاتا۔

پہرون وہ گنگا کے کنارے بیٹھکر اُسکی حسین موجون کے بل کھانے کا تماشا دیکھا کرتا۔ اُسکی چمکتی ہوئی بالو مین پامال محبت قلوب کے ذرون کی جستجو کرتا رہتا۔ اور جب گھر لپٹ کر آتا۔ تو جو کچھ مشاہدے کیفیت آنکھین دل سے کہتین دل اُسے خیالات کے سپرد کر دیتا۔ اور خیالات کی مدد سے حسن پرست ادیب اُسے کاغذ پر نمایان کرنیکی کوشش شروع کر دیتا غرض ادیب حسن فطرت کا اداشناس تھا اور اسکا قلم حقایق کی دلفریب باریکیون کا مصوّر۔ تمام ادبی رسالون اور اخبارون مین اُسکے مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ رسالے پر نظر پڑتے ہی جس مضمون کیطرف پڑھنے والون کی نگاہین شوق سے اُٹھتی تھین وہ اسی حسن پرست ادیب کا مضمون ہوتا تھا۔

ادیب اب تک آزاد تھا۔ اُسکے جذبات محبت رسم پرستش سے ناآشنا تھے۔ اُسکے دلمین کوئی ایسی تمنا ہی نہ تھی جو کسی کی محتاج ہوتی۔ لیکن چند ہی روز مین ماں باپ نے اُسکی آزادی کو سرنگون کر دیا۔ اور اُسکے سر ادارت کے لیے ایک آستان ناز ڈھونڈھ نکالا۔ یعنی اُسکی شادی

ایک معزز گھرانے کی پڑھی لکھی حسین دوشیزہ سے ہو گئی اور اُسکے جذبات ایک ناز آفرین ہستی کے سپرد کر دیئے گئے۔ شادی ہوئی بیوی کو آئے ہوئے مہینوں گذر گئے۔ مگر شبستان عشق مین اب تک شبستان خیال کا رنگ ہے۔ پانی برس رہا ہے کالی کالی گھٹائین امڈی چلی آتی ہین بجلی چمکتی ہے۔ بیوی غریب الگ بیٹھی ہوئی شوہر کی محویت کا تماشا دیکھ رہی ہے۔ اور ادیب کا حقیقت شناس دل حُسن فطرت کی لطف اندوزیون مین محو ہے۔

بیوی حسین تھی۔ کم سن تھی۔ لیکن شوہر کی طرح اُسکے خیالات حسین نہ تھے۔ بالفرض خیالات بھی حسین سہی لیکن اُسکی آنکھون مین شرم تھی۔ ایسی شرم جو دوشیزگی کے لیے مخصوص ہے ادیب چاہتا کہ بیوی حسن فطرت کی سیر مین اسکا ساتھ دے۔ اُسکی تمنا ہوتی کہ وہ ویسا ہی خیال مین اسکی ہمخیال ہو مگر جب وہ اپنے خیالات رنگین کا گلدستہ اُسکے سامنے پیش کرتا۔ تو وہ مسکرا کر آنکھین نیچی کر لیتی بالآخر ادیب نے یہ فیصلہ کر لیا کہ بیوی اسکی رفیق زندگی نہین بلکہ پاؤن کی زنجیر ہے۔ خیال بھی عجیب چیز ہے۔ بیوی کا حسن بھی ادیب سے سفارش نہ کر سکا اور اُسنے یہ فیصلہ کر لیا کہ ماں باپ نے قید کیا ہے۔ تو کیا ضرور ہے کہ مین بھی اپنی آزادی کو اس قید پر بھینٹ چڑھا دون خدا کی وسیع دنیا پڑی ہے۔ غرض پیچیدہ خیالات نے جنون کی صورت اختیار کی۔ اور جنون نے اسے صحرا نوردی پر مجبور کیا۔ وہ ایک روز شب مین گھر سے نکلا اور تاریکی مین کسی طرف غائب ہو گیا۔

والدین نے تلاش کیا۔ عزیزون نے ڈھونڈھا۔ بیوی غریب بھی دل ہی دل مین کڑھی مگر حسن پرست ادیب کا کچھ سُراغ نہ ملا۔ اسی طرح دن ہفتے اور ہفتے ماہ و سال کی صورت اختیار کرتے رہے۔ لیکن اُس جویائے حسن کا کہین پتہ نہ چلا۔ آخر کار لوگون نے سمجھ لیا کہ وہ کسی اور جلوہ گاہ ناز کا پجاری بنگیا۔

چار برس کے بعد۔ لاہور سے ایک ادبی رسالہ شائع ہوا ٹائیٹل پر لکھا ہوا تھا "حسن فطرت" اور اُسکے نیچے تحریر تھا "مرتبہ ادیب" پہلے مضمون کا عنوان "جذبات لطیف" تھا دوسرا مضمون "نمک پاش جراحت" کے عنوان سے کسی معزز خاتون کا تھا جسکے نیچے صرف "خاتون" لکھا تھا۔ یہ مضمون کسی اور رسالے سے لیا گیا تھا۔ ادیب نے اپنے نوٹ مین۔ اس مضمون کی بہت تعریف کی تھی اور حسن فطرت کیطرف سے "سحر نگار خاتون" کا خطاب پیش کیا تھا واقعی نمک پاش جراحت

عجیب و غریب مضمون تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ فصاحت و بلاغت کا دریا موجین مار رہا ہے۔ اور ہر موج درد و اثر مین ڈوبی ہوئی۔ دوسری موج نے سلسلہ ملائی چلی جاتی ہے۔

حسن فطرت کا پہلا نمبر اُسنے اپنے وطن مین بھی بھیجدیا۔ گھر والون کو ایک خاص خوشی ہوئی۔ گویا کھوئی ہوئی چیز خود بخود ملگئی۔ دوستون نے ادیب کو تہنیت کا خط لکھا۔ حسن فطرت کے خیر مقدم مین پرجوش کلمات تحریر کیے۔ اسطرح حسن فطرت نے ٹوٹے ہوے سلسلہ کو پھر جوڑدیا عزیزون اور دوستون سے خط وکتابت کی رسم از سر نو قائم ہوئی۔ اور گھر والون کی آس بندھگئی کہ ادیب ایک نہ ایک دن ضرور آئے گا۔

حُسن فطرت کے ہر نمبر مین، سحر نگار خاتون کا کوئی نہ کوئی مضمون ضرور ہوتا اور مضمون کے شروع مین چند خفی سطرین بھی ادیب کی طرف سے ضرور ہوتین۔ اُسکے تیسرے نمبر مین، خاتون کی ایک دلفریب نظم ناکام آرزو شایع ہوئی یہ نظم قریب قریب ہر ادبی رسالے نے شایع کی اور سحر نگار خاتون کی تعریف سے ادبی دنیا کی فضا رخاموش گونجنے لگی۔

ادیب سحر نگار خاتون کا غائبانہ پرستار تھا۔ وہ اپنے حسن عقیدت کو اپنے نوٹ مین اکثر ظاہر کر دیا کرتا تھا۔ اسکے مضامین مین بھی ایک عجیب تاثیر پیدا ہوگئی۔ وہ جب مضمون لکھنے بیٹھتا تو اُسکی یہ کیفیت ہوتی جیسے کوئی بندۂ محبت کسی آستان ناز پر چڑھانے کے لیے پھولون کے ہار گوندھ رہا ہو۔ سحر نگار خاتون کو یاد کرتے کرتے اکثر اُسکے خیالات مین اُلجھن پیدا ہوجاتی وہ اپنی تقدیر کو کوسنے لگتا۔ اور تصور مین اپنے والدین سے مخاطب ہوکر شکوہ وشکایت کا دفتر کھولدیتا۔ بیوی کی یاد اُسکے دلپر نشتر لگایا کرتی اور اکثر ایک ٹھنڈی سانس کھینچکر بول اُٹھتا۔ اگر وہ سحر نگار نہین نہ سہی، کاش میری ہمخیال ہی ہوتی۔

حسن فطرت کی پہلی جلد مرتب ہوگئی۔ دوسری جلد کے بھی دو تین نمبر شایع ہوگئے۔ سحر نگار خاتون کے مضمون سے کوئی رسالہ بھی خالی ہوتا تھا ادیب کے خیالات عقیدت سے محبت اور محبت سے عشق کے درجے پر پہونچ گئے۔ اُسنے سحر نگار خاتون کے تمام مضامین انتخاب کرکے کتابی صورت مین شایع کردیے شروع مین ایک زبردست دیباچہ تھا۔ جسکے ہر ہر لفظ سے محبت اور آرزو ٹپکتی تھی۔

ایک روز وہ دفتر مین بیٹھا ہوا کسی مضمون کو مرتب کر رہا تھا کہ ڈاکیہ نے ایک تار کا لفافہ لاکر سامنے رکھدیا۔ کھولا تو معلوم ہوا کہ اُسکے والد نے مکان سے تار دیا ہے۔ لکھا تھا کہ فوراً چلے آؤ۔ تار پڑھکر ادیب کچھ سوچنے لگا۔ جی مین آیا کہ تار دیکر مفصل کیفیت دریافت کرے پھر خیال آیا کہ شاید کوئی فوری ضرورت ہو۔ وہ اپنے والد کی ہستی کو ساری دنیا سے برتر سمجھتا تھا۔ دلمین طرح طرح کے پریشان کن خیالات آئے آخر اُسنے گھر جانیکا مصمم ارادہ کرلیا اور منیجر کو دفتر کا کام سپرد کرکے شام کی ٹرین سے وطن کیطرف روانہ ہوگیا۔

گھر پہونچا والد کے قدم چومے۔ باپ نے اپنے مدت کے بچھڑے ہوئے ہونہار بیٹے کو گلے سے لگایا۔ ادیب نے تار کی کیفیت پوچھی۔ باپ نے کہا سب خیریت ہے آجکل یہان طاعون کی شکایت ہے۔ تمہاری بی بی کو کچھ حرارت آگئی تھی۔ سب کی رائے ہوئی کہ تمہین بلالیا جائے چنانچہ تار دیدیا گیا۔ گھر مین جاؤ اپنی والدہ سے ملو۔ وہ تمہارے انتظار مین گھڑیان گن رہی ہین

بیوی کی علالت کا ادیب پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ اور پھر اُسکے والد نے کچھ ایسے معمولی لفظون مین حال بیان کیا کہ جو اثر ہوا تھا۔ وہ بھی مٹ گیا۔ گھر مین قدم رکھتے ہی ماں دوڑکے ادیب سے لپٹ گئی۔ روتی جاتی تھی۔ اور بلائین لیتی جاتی تھی۔ ادیب کی آنکھون سے بھی آنسوؤنکا تار بندھ گیا۔ گھر کے چھوٹے بڑے سب ادیب کے گرد جمع ہوگئے تھوڑی دیر رولینے کے بعد ماں کے آنسو تھمے۔ بیٹے کو لاکھون دعائین دین۔ پھر کہا بیٹے تیرا دل ایسا پتھر ہوگیا کہ چار برس تک صورت بھی نہ دکھائی۔ ایک مہینے کی بیاہی ہوئی دلھن کو بھی چھوڑ گیا۔ دیکھ تو وہ کل سے تیرے لیے کیسا کیسا تڑپ رہی ہے۔ ماں کے آنسوؤن نے ادیب کے دل کی حالت ہی بدل دی تھی۔ اب اُسپر ہر بات کا اثر ہو رہا تھا۔ پوچھا آخر تڑپنے کا سبب۔

ماں نے کہا۔ بخار ہے اور بڑے شدت کا بخار ہے۔

ادیب کا دل خود بخود دھڑکنے لگا۔ بیوی کی بیکسی پر ترس آگیا۔ اپنی بیرخی یاد آگئی دلمین کہنے لگا۔ مین گنہگار ہون۔ ماں نے پھر کہا۔ چلکے دیکھ لو۔ ابھی ایک گھنٹہ پیشتر کہہ رہی تھی کہ اماں خدا جانے تار پہونچا یا نہین پھر تار دلوادو

اسکے بعد ماں نے کمرہ کی طرف قدم بڑھایا۔ ادیب بھی پیچھے پیچھے ہولیا۔ کمرے مین پہنچ

دیکھا۔ بیوی غریب بستر پر پڑی ہے چہرہ بخار سے تمتا رہا ہے ادیب کے دلپر ایک خاص اثر ہوا کہنے لگا امان ان کو بخار کی غفلت کب سے ہے۔

مان بولی ابھی دو گھنٹہ پہلے اُٹھ کے بیٹھی تھین۔ قلم دوات لیکے خط لکھنے لگین۔ مینے منع کیا تھا کہ لیٹ جاؤ بخار کم ہو جائیگا تو خط لکھ لینا۔ اسپر کہنے لگین "مین اچھی ہون خط ضروری ہے" خط لکھکر بکس مین رکھ دیا پھر لیٹ گئین نیند آگئی ہو گی۔

سامنے کرسی پڑی ہوئی تھی ادیب چارپائی کے قریب کرسی کھینچکر بیٹھ گیا۔ ان قصداً باہر چلی گئی۔ ادیب حسرت سے بیوی کا چہرہ دیکھ رہا تھا دلمین طرح طرح کے خیالات کا تلاطم برپا تھا۔ اپنی بے اعتنائیونپر خود نفرت کر رہا تھا۔ اتنے مین مریضہ نے ایک آہ کے ساتھ آنکھ کھولدی بخار کے اثر سے آنکھین سرخ ہو رہی تھین۔ ادیب کو پہچانکر ہونٹونپر مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ کہنے لگی اچھا ہوا آپ آگئے۔ ورنہ یہ تمنا بھی ساتھ ہی جاتی۔

ادیب کا دل بھر آیا۔ آنکھون مین آنسو امنڈ آئے آواز گلے مین رک گئی کسی مایوس زندگی کی آنکھین دیکھکر دلکو قابو مین رکھنا آسان نہین ہوتا۔ بیوی نے پھر کہا۔ وقت کی قدر کرو۔ میری بات سُن لو۔ خدا جانے کب زبان بند ہو جائے۔

ادیب جوش گریہ سے از خود رفتہ ہو رہا تھا مگر کیا کرتا۔ موقع ایسا ہی نازک تھا۔

بھرائی ہوئی آواز مین بولا ہان ہان کہو کیا کہتی ہو۔

مریضہ نے کہا۔ رونے دھونے سے کیا حاصل۔ مین پھر کہتی ہون کہ وقت کی قدر کرو، زندگی کا اعتبار نہین۔ میری تمنا تھی کہ میری صحت مین تم یہان آتے۔ مگر خیر اب بھی غنیمت ہے چارپائی کے پاس میرا صندوقچہ رکھا ہے۔ اسکو دیکھ لینا" یہان تک پہونچکر مریضہ پر پھر غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

ادیب اسوقت وہ سحر طراز ادیب نہ تھا۔ وہ ایک مجسمہ غم تھا۔ ایک لفظ بھی منہ سے ٹھیک نہ نکلتا تھا کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کہ منہ سے ایک چیخ نکلگئی جو آنسوؤن کے جھرمٹ مین درد و غم کا پیام لیکر دل سے نکلی تھی۔ چیخ سنکر ادیب کی مان کمرے مین آگئی۔ گھبرا کے پوچھنے لگی کیا ہوا۔ ادیب کچھ نہ کہہ سکا۔ اُسنے بیٹے کے آنسو پونچھے۔ تسکین دی اور کہا تم اسقدر گھبراتے ہو۔ بخار کی

غفلت ہے۔ ابھی طبیعت سنبھل جائے گی۔ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ مریضہ کے لیے سونا مفید ہے نیند آگئی ہو گی سونے دو۔ ادیب چپ تو ہو گیا۔ مگر کلیجہ منھ کو آرہا تھا۔ بار بار رونے کو جی چاہتا تھا۔

ادیب کی ماں نے بہو کی پیشانی پر ہاتھ رکھکر کہا۔ اب بخار بھی کم ہے سو کے اُٹھینگی تو طبیعت سنبھل جائیگی۔

ادیب کی طبیعت کو ذرا تسکین ہوئی خیال آیا کہ وہ صندوقچے کے متعلق کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئیں تھیں۔ لاؤ اُسے کھولکے دیکھوں۔ پلنگ کے دوسرے طرف صندوقچہ رکھا تھا۔ آہستہ سے اُٹھکے اُسطرف گیا۔ کنجی صندوقچے پر رکھی تھی۔ کھولا تو سب سے اوپر ایک کاغذ نظر آیا اُٹھاکے پڑھنے لگا۔ اوسمین لکھا تھا۔

"ادیب" وہ راز جو اب تک زبان پر نہ آیا تھا۔ آج افشا ہوتا ہے۔ تمنا تھی کہ کسی مسرت کے موقع پر یہ کہانی کھونگی لیکن موت پر اختیار نہین اسکو کسیکی آرزوؤن کی پروا نہین ہوتی۔ اسوقت تو مجھے یہ بھی امید نہین کہ میری زندگی مین تم اس صندوقچے کو دیکھو گے۔ آہ کیا ہونا تھا کیا ہو گیا۔

ادیب تم حرف پہچانتے ہو۔ پہچانو۔ کیا یہ تمہاری سحر نگار خاتون کا خط ہے۔ صندوقچہ کے نیچے کا حصہ کھولو۔ اوپر ایک مضمون پاؤ گے جو حسن فطرت مین شائع ہونے کے لیے لکھا گیا ہے۔ اب مین حسن فطرت کی شبستان ناز مین جاتی ہون وہان بھی تمکو اور حسن فطرت کو یاد رکھون گی تمنے میرے ساتھ تغافل برتا مینے تمہین معاف کر دیا۔ میرے دلکی تڑپ سفارش کرتی ہے۔ کہ خدا بھی تمہین معاف کرے۔

تمہارے مرضی کے مطابق مین تمہارے رنگ مین شامل ہوئی۔ تم میرے۔ دلمین تھے مینے تمہارے دلمین جگہ حاصل کر لی۔ مضمون ہی کا ایک ایسا ذریعہ تھا کہ مین تمہارے تغافل کو شکست دے سکتی تھی۔ اس راز کو سوائے میرے میکہ کی۔ بہن کے کوئی نہین جانتا۔ جنکی معرفت تم تک میرے خطوط آتے جاتے تھے۔ اچھا لو رخصت۔ امان خط لکھنے کو منع کرتی ہین۔ تم آگئے تو مین تمہین ایک نظر دیکھ لونگی۔ ورنہ یہ تمنا بھی دل ہی مین رہجائے گی۔ اب طبیعت نڈھال

ہوتی جاتی ہے۔

"تمہاری سحر نگار خاتون"

خط پڑھکے ادیب کی آنکھوں مین دنیا تاریک ہوگئی - دماغ کے احساس مین کمی آنے لگی -
معلوم ہوتا تھا کہ طبیعت گہری نیند مین ڈوبی چلی جارہی ہے - صندوقچہ کے نیچے کا حصہ کہولا
تو ایک مضمون ملا "ایک مایوس زندگی کی آرزو" اُسکے نیچے وہ خطوط تھے جو خود ادیب کے تھے -
ایک طرف حسن فطرت کے پرچے قرینے سے رکھے تھے - دوسری طرف وہ مجموعۂ مضامین تھا جو
اُسنے شایع کیا تھا -

ادیب کے دماغ پر ایک ہلکی سی غفلت طاری ہونے لگی دیکھنا سب کچھ تھا - مگر ان کا کوئی
خاص اثر دماغ پر مترتب نہوتا تھا - صندوقچہ بند کررہا تھا کہ مریضہ نے آنکھین کھولدین - پتلیاں پھر رہی
تھین ہونٹ کانپ رہے تھے - اسنے ہاتھ بڑھا کے رُکتی ہوئی آواز مین کہا - پیارے ادیب رخصت
دل کی تمنا دل ہی مین رہ گئی - خوشی ہوئی کہ میری زندگی ہی مین راز کا انکشاف ہوگیا - اب سحر نگار
خاتون کو کبھی نہ دیکھوگے - حسن فطرت کی کشش مجھے کھینچ رہی ہے -

آنکھین جھپکنے لگین اور رفتہ رفتہ بند ہوگئین - موت کی گہری نیند نے مریضہ کو ہمیشہ کے
لیے خاموش کردیا - اِس منظر کا ادیب کے دل و دماغ پر ایسا اثر پڑا کہ وہ بیہوش ہوکر اُسی صندوقچے
پر گر پڑا - دو تین گھنٹے کے بعد اُسے ہوش آگیا - مگر حقیقتاً وہ ساری عمر بیہوش رہا - باقی عمر اُسنے
قبرستان مین بسر کی -

سب اُسے دیوانۂ ادب سمجھتے تھے - لیکن اُسکے دل کا حال کسیکو بھی معلوم نہ تھا -

اعظمی

نغمۂ روح پرور

صاحب دلے بمدرسہ آمد ز خانقاہ	بشکست عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عابد و عالم چہ فرق بود	تا اختیار کردی ازان این فریق را
گفت اُو گلیم خویش بدر می برد ز موج	وین جہد می کند کہ بگیرد غریق را

سعدی علیہ الرحمۃ

---

(۱)

گدائی پور جیسا نام ہے ویسا گانوٗن نہین، یہان شریف النسل لوگ آباد ہین جو دیہاتی زمینداروں کی طرح زندگی بسر کرتے ہین اور آباؤ اجداد کی شرافت و نام پر جان دیتے ہین۔

یہان موجودہ طریقۂ تعلیم کا رواج نہین، نہ کوئی بی۔ اے ہے۔ نہ ایم۔ اے۔ مگر سنسکرت کے جاننے والے اکثر موجود ہین جو قوم کے براہمن ہین۔ جنکے حکم کے مطابق یہان کے رسم و رواج برابر مذہبی قاعدون کے بموجب چلے جاتے ہین۔

شام اور صبح کے قدرتی مناظر بیان قابل دید ہین، جسکا مقابلہ نہ شام اودھ کر سکتی ہے نہ صبح بنارس روزانہ کھلی ہوا مین رہنا۔ روشن فضا مین کام کرنا اہل قریہ کا شعار ہے، جاڑے مین گانوٗن والے الاؤ کے گرد آگ تاپنے کے لیے جمع ہوتے ہین اور گرمی مین باغ کے درختون کے نیچے سایہ مین ہنس بول کر زندگی بسر کرتے ہین، جاڑے مین نہ انہین گرم کمرے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ گرمی مین خسخانے کی جہان دو چار آدمی مل بیٹھے، کھیتی باری کی باتین شروع ہوگئین، پاس بیٹھے ہوئے بچونکو موسمی کہاوتین سنا کر اور اپنے ذاتی تجربے بتا کر ایسی نتیجہ خیز تعلیم دیتے ہین جو موجودہ سائنس والون کی تعلیم سے زیادہ سہل اور زیادہ موٗثر ہوتی ہے۔ سب کے سب اسی پرانی لکیر کے فقیر ہین اور اسی علم سینہ سے کام لیتے ہین جو پشتہا پشت سے انکی گھٹی مین چلا آتا ہے۔ یہانتک کہ اپنے آباؤ اجداد کے روش سے رتی برابر بھی کھسکنا عیب سمجھتے ہین۔ اور پیدایش موت۔ شادی۔ غمی مین انھین رسوم کی پابندی کرنا فرض جانتے ہین جو باپ دادا سے ہوتے آتے ہین۔

بابو رام جیاون سنگھ اسی گانوٗن مین رہتے ہین، پہلے زمانہ موافق تھا، لیکن اب عسرت مین بسر ہوتی ہے

تھوڑی سی زمینداری بھی ہے، باپ دادا نے جو دولت جمع کی تھی، وہ اونھین کے زمانے مین دان پن کی نذر ہو چکی، اور رام جیاون سنگھ کے زمانہ مین وہ اگلی باتین کہانی ہوگئین،

ان کے باپ رام کھلاون سنگھ بڑے حوصلے کے آدمی تھے، اس گانون مین ابتک لوگ انھین کے کنوئون سے پانی پیتے اور آپ باتین کرتے ہین، انھین کی پاٹھ شالہ مین لڑکے پڑھتے ہین۔ انھین کے پوکھرے سے مویشیون کی پیاس بجھائی جاتی ہے۔ اُن کے اس پُرلطف کھانون کے مزے لوگون کو ابتک یاد ہین جو اس سہ منزلہ مکان کی تعمیر کے بعد لڑکے کی شادی کے موقع پر برادری کو کھلایا گیا تھا۔

رام جیاون سنگھ جب اپنے باپ کے زمانہ کی یادگارون کو دیکھکر اُس زمانہ کا تصور کرتے ہین تو دل پر سانپ لوٹ جاتا ہے، لڑکی شادی کے قابل ہے، خاندانی حوصلے کے موافق تو کرنا درکنار معمولی طور سے بھی انجام پانا مشکل ہے، گانون والے انھین حوصلہ دلاتے ہین، باپ دادا کی حوصلہ مندیون کی داستان سُناتے ہین مگر بیچارہ رام جیاون مجبور ہے۔ مفلسی بُری ہوتی ہے، دولت ہوتی ہے تو حوصلے بھی پیدا ہوتے ہین۔

نام کی زمینداری ہے۔ وہ ہل کی کھیتی ہوتی ہے۔ جس سے صرف اسیقدر پیدا ہوتا ہے کہ کسی طرح سال کا حساب سال بھر مین پورا ہو جاتا ہے۔ ایک کوڑی فاضل نہین بچتی، پھر حوصلے کے مطابق خرچ کہان سے آئے۔ بیوی کے پاس کچھ زیادہ زیور بھی نہین جو باپ دادا کی نیامیون کی لاج رکھنے کے لیے کافی ہو سکتین ہان چند ہلکے پھلکے زیور جو اونکی بیوی میکے سے لائی تھی ضرور موجود ہین مگر اونکے متعلق رام جیاون کا یہ خیال ہے کہ تلک اور جہیز مین کام آئین گے۔

(۲)

مفلسی مین عقل زائل ہو جاتی ہے اور اکثر کام خراب ہو جاتے ہین۔ لوگ خودکشی کر لیتے ہین۔ جنگلون مین بھاگ جاتے ہین۔ دشمنون کے قابو مین پڑکر برباد ہو جاتے ہین۔ مفلسی کی اذیت موت سے بھی بدتر ہوتی ہے، مرنے کے بعد انسان دنیا کے جنجال سے چھوٹ جاتا ہے لیکن مفلسی اُس کو زندہ درگور بنائے رکھتی ہے۔ مفلس کی حالت بعینہ ویسی ہی ہوتی ہے، جیسے خشک درخت۔ بے پانی کا تالاب یا بے بال و پر کی چڑیا۔

رات کے دس بجگئے ہین رام جیاون سنگھ اپنی دیہاتی کیفیت سے جو بابو رام سمجھ رائے کے پاس والے دالان مین بچھے ہوئے پیال پر تھی ایک عجیب مایوسانہ و دلشکن و پر ملال خیال لیکر گھر آیا اور ایک دردآمیز

وحزن آواز سے کواڑ کھولنے کے لیے اپنی پیاری اور دور اندیش بیوی کو آواز دی۔
مزاج دان۔ دور اندیش سلیم الطبع اور ذی فہم بیوی انکی آواز سنتے ہی شوہر کے قلبی رنج اور مایوسانہ خیال کو لہجہ ہی سے تاڑ گئی۔ فوراً دوڑ کر کواڑ کھولدیئے۔ اور ہنسکر بولی۔
گبو لال کی طبیعت کل سے بہت خراب تھی آج تو ایشور کی کرپا سے بہت اچھی ہے، ابھی وہ مجھسے بولا ہے۔ آپ کو یاد کرتا تھا۔ یہ کہکر اٹھا لائی اور گود مین دیکر کہنے لگی۔
بیٹا! تمہارے چاچا آئے۔ گبو لال! گبو لال!
لڑکا جاگ اُٹھا چونکہ واقعی طبیعت کسیقدر درست ہو گئی تھی۔ لڑکے نے ہنسکر باپ کی گود مین آنکھین کھول دین۔ ہاتھ پانون مارنے لگا۔
لڑکے کو دیکھکر رام جیاون سنگھ کے پریشان خیالات مین سکون کے آثار پیدا ہو گئے اور ذرا دیر کو طبیعت بہل گئی۔
لڑکی بھی جسکا سن ابھی صرف ۱۰ سال کا تھا چونک پڑی۔ باپ کے پاس آبیٹھی ماں کے کہنے پر پانی لائی۔ باپ نے منھ ہاتھ دھو کر کھانا کھایا اور اپنے بستر پر جالیٹا۔ بچہ سو رہا تھا۔ لڑکی کو بھی نیند آگئی رام جیاون سنگھ پھر اسی خیال مین غوطہ کھانے لگا اور بیوی سے مخاطب ہو کر بولا۔ شام دیئی کی ماں!
"لڑکی کی شادی کے دو تین روزانہ ایک دن کی زیادتی ہوتی جاتی ہے سمبندھ کوئی اچھا ملتا نہین کہ بہت کے ساتھ ہمارے اور تمہارے سر کا بوجھ ہلکا ہو جائے"
"آپ کہتے نہ تھے کہ ٹھاکر رگھبیر سنگھ نے بڑے پور کے بابو صاحب کے یہان والا سمبندھ ٹھیک کر لیا ہے"
"ہان ٹھیک تو کر لیا ہے"
"پھر اس مین کیا بکٹ (قباحت) ہے لڑکا بھی سنتی ہون انگریزی کے نوین درجہ مین پڑھتا ہے سن بھی اچھا ہے۔ خوبصورت بھی ہے۔ دو برس کے بعد کر ڈالو"
"کیسے کر ڈالون۔ آج تو نائی آدمی ٹھاکر رگھبیر سنگھ کے پاس انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی پتری لیکر آیا ہے اسمین لکھا ہے" (یہ کہکر خاموش ہو گئے)
"چپ کیون ہو گئے کیا لکھا ہے؟؟"
"وہ لکھتے ہین کہ اگر رام جیاون سنگھ کو امسال کرنا ہو تو کرین مین ڈیڑھ ہزار روپیہ تلک لونگا"

"تو آپ کی کیا راے ہے"
"میری راے کیا ہے۔ مین کہان سے ڈیڑھ ہزار لاؤنگا۔ اسی تردد مین ہون"
"پھر تردد کس بات کا۔ کیون لوگونکی راے پر آپ اتنا اونچا سمبندھ تلاش کرتے ہین جانے دیجیے۔ لڑکی کچھ بڈھی نہین ہوئی جاتی۔ ابھی تو بچہ ہے۔ بچپنے کی شادی بھی اچھی نہین ہوتی۔ کیسی پڑے کیسی نپٹے آپ انکو صاف جواب لکھ دیجیے۔ اطمینان سے تلاش کیجیے۔ تیرہ چودہ برس کے سن مین لڑکی کی شادی کیجیے گا"
"رام جیاون سنگھ (ٹھنڈی سانس بھر کر) ہان انکو تو مین جواب ہی دیدونگا۔ لیکن شادی کا امسال کرنا بہت ضروری ہے"
"کیون بہت ضروری ہے۔ ابھی تو لڑکی بچہ ہے"
"تم کیا جانو۔ لوگ ابھی سے آوازے کستے ہین۔ اگر امسال چوکا تو لڑکی کی کاٹھ ماری ہی جائیگی۔ میرا منھ بھی برادری سے کالا ہوگا۔ اور باپ دادا کا نام بدنام ہو جائیگا"
"منھ کالا ہونے کی کونسی بات ہے۔ ایسی حالت مین سمجھ سے کام لینا چاہیے۔ جب سمبندھ ہی اچھا نہین ملتا۔ تو کیا لڑکی کو کنوئین مین ڈھکیل دیا جائے۔
"تم اپنے خیال مین موافق اسے کنوئین مین ڈھکیلنا کہو۔ مجھے تو برادری کا رسم و رواج طور و طریق دیکھنا ہے"

یہ کہکر کروٹ بدل لی اور اسی خیال مین ڈوب گیا۔ نیند آگئی۔ سو گیا۔ صبح ہوئی۔ ٹھاکر گمبھیر سنگھ کو جواب لکھا۔ اور اسی وقت سے نسبت کی تلاش ہونے لگی۔

(۳)

گدائی پور کی صبح آج کچھ ایسی انوکھی صبح ہے۔ کہ اگر اسے دولت پور کی صبح کہا جائے تو ناموزون نہ ہوگا۔ ایک غیر معمولی چہل پہل ہے۔ رام جیاون سنگھ کے دروازے پر رگھو پور کے بابو صاحب کی بارات دری کھنچی ہے۔ مکان کے قریب والے باغ مین بابو رام سروپ سنگھ کا عالیشان شامیانہ کھڑا ہے گانون والے رام جیاون سنگھ کے اس منتظم انتظام کی نمایشی تعریفین صرف اوپری دل سے کرتے ہین۔ رام جیاون سنگھ پھولا نہین سماتا اور اپنی لڑکی شاما دیوی کی شادی کی خوشی مین جامے سے باہر

ہوا جاتا ہے، اسکی نسبت ایک سب جج صاحب بہادر کے ساتھ طے ہو گئی ہے۔ جنکی رشوت ستانی کی چاردانگ عالم مین دھوم ہے۔ قریب پنشن کے پہونچے ہین۔ ابھی تین مہینہ کے بعد ایک ایسے ہی مقدمہ کی علت سے خدا خدا کر کے گلو خلاصی ہوئی ہے۔ بس انداز بہت ہے۔ موضع دولت پور کے رہنے والے ہین۔ اپنے موضع مین روپے والے گنے جاتے ہین، قرب وجوار کے مواضعات سے بھی لین دین ہے گذشتہ سال کے ہیضہ مین بیوی مرگئی، اب دوسری شادی کی خواہش ہے۔ کئی ایک بچے بھی ہین چھوٹا بھائی جسکی عمر اسوقت چالیس سال کی ہے ان سے سولہ برس چھوٹا ہے اور کسی ضلع مین منصف ہے۔ خاندانی رشوت ستانی ساتھ ہے۔ نیز روپیہ روز سود کی آمدنی ہے۔ جسکی وجہ سے دولت نے گھر دیکھ لیا ہے۔

رام جیاون سنگھ صاحب۔ آبا و اجداد کے نام کے ساتھ اپنا نام بھی روشن کرنے کیلیے ایسی ہی دولت کی تلاش مین تھے۔ چاہتے تھے کہ اگر میری شادی اور برم بھوج کے کھانونکا مزہ ابتک نہین بھولا تو میری لڑکی کی شادی کے کھانون کا مزہ کیون بھولنے لگا۔ کم از کم اُسے ایسا تو ضرور ہونا چاہئیے کہ لوگونکی زبان سے یا تو وہ مزہ بھولجائے یا اسکا مزہ بھی اس مزے کے ساتھ یاد رہے۔ اسلیئے انھین نہ تو اس نسبت سے بہت خوشی ہوئی۔ بیوی کو ناگوار ہوا مگر اسکی سنتا کون۔ یہان تو نہ شوہر کا خوف تھا نہ لڑکی کی زندگی کے برباد ہونے کا ڈر۔

در پردہ دولت پور کی دولت گدائی پر مین کھینچ آئی۔ دھوم ہے۔ بگوان بک رہا ہے۔ دینے کا نام تک نہین آیا۔ بلکہ اس ہنسی خوشی کے زمانہ مین بابو صاحب کے کچھ ایسے آبائی علاقہ بھی چھوٹ گئے، جو کہ عرصہ دراز سے گردی تھے۔

بابو صاحب کے دروازے پر جم غفیر ہے۔ نئی، پرانی رعایا۔ دوست، دشمن۔ بکار۔ ریاکار خوشامدی سب کے سب آج دوست بنے ہوئے بابو صاحب کی مدح سرائی کر رہے ہین۔ نائین۔ دھوبن باری۔ ہر دا ہے۔ چرواہے سب بابو صاحب کی فیاضی کے مداح ہین۔

شام ہوئی۔ بارات آئی۔ بیاہ ہو گیا۔ بابو صاحب مالامال ہو گئے۔ ناچ رنگ سبنے دیکھے لڑکی سسرال جاکر بغرض پرورش پھر واپس آئی۔

اس شادی سے لڑکی کو تو نفع پہونچ چکا، البتہ رام جیاون کا دلی ارمان پورا ہو گیا۔ لڑکے

کے نام بھی کافی منافع کی جائداد ہو گئی۔ دروازے پر گھوڑا بندھ گیا۔ ایک جھوڑ دو دو بیل گاڑیاں رکھ لی گئیں۔ بیسوں نوکر چاکر کام کرنے لگے۔ گویا زمانہ ہی بدل گیا۔

بیوی کبھی کبھی اس شادی کے نتیجہ سے متوحش و پریشان ہوتی۔ لڑکی کو دیکھکر خون کے آنسو روتی۔ اور رام جیاون سنگھ کے اس عیش و آرام کو دیکھکر دل ہی دل میں مسوس کر رہ جاتی۔ لیکن بس ہی کیا تھا۔ وہ ہزار چیخی چلائی مگر رام جیاون سنگھ نے ایک نہ سنی۔ سچ ہے جب انسان کو اپنے آرام کی خواہش دامن زر دیرین بے لیتی ہے۔ تو انسان کی عقل اندھی ہو جاتی ہے اور نتیجہ تک پہونچنا دشوار ہو جاتا ہے۔

(۴)

ان واقعات کو ایک زمانہ گزر گیا، شادی کے تھوڑے دن بعد شاما دیوی بیوہ ہو گئی۔ سخت دل اور ناعاقبت اندیش باپ اُسے تیرتھ کے بہانہ سے لیجا کر بچپنے ہی میں بنارس چھوڑ آیا۔ اور دولت و کامرانی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔ ساری توجہ گبولال کی تربیت میں صرف ہونیلگی گبولال سن شعور کو پہونچا۔ تو رام جیاون نے اسکی شادی ایک رئیس کے یہاں کردی۔ بیٹے کی اولاد دیکھنے کی تمنا تھی۔ مگر جب گبولال کے گھر میں منگل گانے کا وقت آیا تو رام جیاون سنگھ نہ رہے۔

دنیا اپنا کام کئے جاتی ہے۔ شادی و ماتم کا ساتھ چلا جاتا ہے۔ رام جیاون سنگھ نہیں ہیں لیکن گبولال کے لڑکے کی برہی (بارھواں دن) کی دھوم ہے۔ آج گدائی پور میں پھر جشن کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ لوگوں کا اصرار ہے کہ بنارس سے رادھا بائی بلائی جائے۔ گبولال کو روپیہ کا تو کچھ خیال نہیں ہے، صرف خیال ہے تو یہ ہے کہ رادھا بائی آئے گی تو کیسے اور لائیگا تو کون۔ وہ تو بغیر صاحب خانہ کی گفت و شنید کے اپنی جگہ سے ہلتی ہی نہیں۔ اور بنارس کا سفر بھی کوئی معمولی سفر نہیں ہے چوبیس گھنٹے میں۔ ای۔ آئی۔ آر کا اکسپریس اپنی پوری رفتار سے جاتا ہے۔

بنارس میں رادھا بائی کے گانے کی دھوم ہے، کوئی محفل اسوقت تک آراستہ نہیں سمجھی جاتی جبتک رادھا بائی اوسکی رونق محفل نہو۔ گانے کے علاوہ حسن صورت میں بھی رادھا بائی بنارس میں صرف ایک ہے،

غرض برادری کے دباؤ عزیز و اقارب کے اصرار سے قہر درویش برجان درویش بابو گبولال سنگھ

صاحب گھر کے انتظام کاروباریوں کے ذمہ چھوڑ کر رادھابائی کے لینے کو چلدیئے۔ بنارس پہونچے ۸ بجے رات کو رادھابائی کے مکان پر گئے، رادھابائی نے بڑی آؤ بھگت سے بٹھایا اور بولی۔
"کہیئے آپ نے کیسے تکلیف کی؟"
بابو صاحب۔ میرے یہاں جیٹھ سدی چھٹھ کو جشن مولود ہے۔ ایک شب کی تکلیف دینا چاہتا ہوں
رادھابائی۔ گو میرے پاس وقت نہیں ہے۔ مگر جی چاہتا ہے کہ آپکی بات کو رد نہ کروں۔ بہتر کہاں جانا ہوگا۔
بابو صاحب۔ موضع گدائی پور ضلع لائل۔
گدائی پور کا نام سنتے ہی رادھابائی چونک پڑی۔ اور بابو گبو لال کو سر سے پیر تک بغور دیکھنے لگی، پھر ذرا سنبھل کر بولی۔
"کیا وہی گدائی پور جو سمن پور کے قریب ہے؟"
بابو صاحب۔ ہاں ہاں وہی گدائی پور
رادھابائی۔ اب تو بالکل بیچین ہو گئی مگر ذرا اور قلب مضطر کو سنبھال کر بولی۔ بابو صاحب معاف فرمایئے گا۔ مجھے تو جہانتک معلوم ہے گدائی پور میں تو کوئی رئیس اس قابل نہیں۔
بابو صاحب۔ کیا آپ نے بابو رام جیاون سنگھ مرحوم کا نام نہیں سنا ہے۔ وہ تو بہت بڑے مشہور رئیس تھے۔
رادھابائی۔ باپ کا نام سنتے ہی تھرا گئی ضبط کا یارا نہ رہا۔ قریب تھا کہ چیخ کر بھائی کے گلے کا ہار بن جائے۔ مگر ذرا سخت دلی سے کام لیکر بولی۔
رادھابائی۔ اور آپ کا نام کیا ہے۔
بابو صاحب۔ مجھے گبو لال سنگھ کہتے ہیں۔ میں انھیں کا لڑکا ہوں۔
اتنا سننا تھا کہ رادھابائی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اور بے اختیار گبو لعل کے قدموں پر گر کر بولی۔
بھیا! گبو لعل۔ اب میں اس دروازے پر جانے کے قابل نہیں ہوں۔ میں تمکو دو سال کا چھوڑ کر وہ ہونے پر بابو کے ساتھ بنارس آئی تھی۔ وہ مجھے یہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ میرا گھر کا نام شاما

دیوی ہے۔ دولت پور کے سب جج صاحب سے بیرا بیاہ ہوا تھا۔

(۷)

کیا بات ہے کہ آج گدائی پور کے ہر گھرون سے آہ و ماتم کے نالہ بلند ہین۔ جسے دیکھو وہی حیران۔ پریشان ہے۔ جو ہے ننگے سر ننگے پیر بابو گبو لعل سنگھ کے مکان کیطرف دوڑا جا رہا ہے۔ گھر کے درو دیوار سے رونے کی صدا آتی ہے۔ دروازے پر خاک برستی ہے۔ مایوسی چھائی ہے اب نہ وہ اگلی سی خوشی ہے۔ نہ چہل پہل۔ ابھی تو بچے کی برسی بھی نہین ہوئی۔

بابو گبو لعل بنارس سے واپس آئے تو بد نصیب مان سے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ واقعہ سچا نکلا۔ زندگی انہین بنارس ہی مین دوبھر معلوم ہو رہی تھی۔ شکھیا وہین سے لیتے آئے تھے۔ آخر غم سے نجات پانے کیلئے سنکھیا سے مدد لینی پڑی۔

اسوقت گبو لال بستر مرگ پر پڑے ہوئے ہین دم توڑ رہے ہین۔ بے اختیاری مین کبھی کبھی ہائے شیاما دیوی زبان پر آجاتا ہے۔ تھوڑی دیر مین گبو لعل کا اضطراب کم ہوتے ہوتے کم ہو گیا۔ اور اس آگ نے جو رادھا بائی کے کوٹھے پر لگی تھی انکے متاع حیات کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

منیر حمید قریشی ملہلی

جذباتِ ٹیگور

وہ جو ہمیشہ میرے ہستی کی گہرائی اور تابانی و درخشانی کی شفق مین جاگزین رہی، وہ جسنے کبھی مجھ سے پردہ نہین کیا، اے میرے خدا! مین اُسے اپنے نغمہ آفرین کی آغوش مین لیکر تیری خدمت مین تحفہ کی صورت مین پیش کرونگا۔

میری دنیا اپنی سینکڑون شمعین تیرے شعلہ سے روشن کریگی۔ اور انہین تیرے معبد کی قربانگاہ پر رکھدیگی۔

میرا عشق بھی عقب راز مین تیری ہی طرف ان سب کا میلان تھا، تیری آنکھون کی ایک فیصلہ کن نگاہ، اور میری زندگی ہمیشہ کے لیے تیری ہو جاویگی۔

(ترجمہ) افتخار الرسول بدؔ

جذباتِ سلیم

وہ عالمِ تجلّی جب بے نقاب ہو گا — ہر ذرّہ کی بغل میں اِک آفتاب ہو گا
رکھتے ہین اس چمن جو دیدۂ بصیرت — گلبرگِ تر نظر مین اُن کی کتاب ہو گا
وہ راہ کی فضا کا کیا کر سکے نظارہ — جو راہِ زندگی مین پا در رکاب ہو گا
آنکھین کھلین گی تیری زاہد کنارِ کوثر — سائے مین تاک کے تو گر محوِ خواب ہو گا
جلوے سے تیرے دلبر کوندین گی بجلیان سی — جب تیرا اے تمنا عہدِ شباب ہو گا
ناچین گی دل مین کب تک یہ عیش کی امنگین — اِک روز یہ شبستان غافل خراب ہو گا
ارنی زبان سے کہکر جب منتظر تھین آنکھین — موسےٰ کے دل مین یارب کیا اضطراب ہو گا
میری وفائین کتنی ان کی جفائین کتنی — اس کا حساب فیصل روزِ حساب ہو گا
اے روح کیون چمک کر اُڑتی نہین فضا مین — کب تک شرر کے منھ پر خاکی نقاب ہو گا
بادِ بہار سے ہے گلزار مین تلاطم — دنیائے رنگ و بُو مین پھر انقلاب ہو گا
ہم غنچے کا تبسم رکھتے ہین نام جس کا — بلبل کے دل کا شاید وہ اضطراب ہو گا
پھولون سے ہین بگڑتے تارون سے ہین جھگڑتے — ایسا بھی کوئی یارب مستِ شباب ہو گا
پہنچے غبار اُڑکر جو رہگذر سے تیری — وہ فصلِ گل کے منھ پر رنگِ شباب ہو گا
اے عالمِ تجلّی جو پہنچے تیری حد مین — وہ طائرِ تصوّر جلکر کباب ہو گا
ٹھوکر سے حوصلے کی تجھکو جگا دُون گا مین — تو اے نصیب غافل گر محوِ خواب ہو گا
ارمان ہین میرے دلمین گردن اُٹھا کے بیٹھے — یان آنے مین کیونکر انکو حجاب ہو گا
پھر اُن کو لکھ رہا ہون افسانۂ تمنا — پھر نامہ طول پا کر مثلِ کتاب ہو گا
اے تند نشّے کیا گذری ہو گی تجھ پر — جب تاک کی نظر مین تو محوِ خواب ہو گا
ہان اے سلیم ہو گی تیری جبین منوّر — گر خاکِ در سے اُسکی تو فیضیاب ہو گا

وحید الدین سلیم

محشرِ خیال

جی رہا ہے کہ مر گیا کوئی — کاش اتنا تو پوچھتا کوئی

جسنے دیکھا مجھے وہ کہہ اُٹھا — اس جنون کی ہے انتہا کوئی

لے بیٹھے ہین دلمین کیا کیا کچھ — ہمسے پوچھے تو مدعا کوئی

دیکھکر آئینے مین اپنا شباب — آئینہ بن کے رہگیا کوئی

ہائے کیا چیز ہے جوانی بھی — بنگیا قدرتِ خدا کوئی

کہے جاؤن گا اُنسے مین اچھا — کہے جائے مجھے بُرا کوئی

آپ اثر لین نہ لین قصور معاف — بات کہنے کی کہہ گیا کوئی

چپ لگی یون کہ پھر نہ بول سکا — عمر بھر اتنا چپ رہا کوئی

چھیڑئیے چھیڑئیے جہانتک ہو — لطف ہوگا جو رُو دیا کوئی

نہ بگڑئیے تو اتنا ہم پوچھین — ناز بیجا کی انتہا کوئی

ہوئے برہم دعائین دیکر — یہ بھی شاید کہ ہے خطا کوئی

مرض عشق کے لیے محشرؔ
نہ دوا ہے نہ ہے دعا کوئی

محشر لکھنوی

شام وصل

اے دلنواز اے سببِ زیست عاشقان — اے ہمسوادِ خال و رخ زلف مہوشان
تجھ سے امید و بیم کے جلوے ہوئے عیان — پردہ مین تیرے حسن دل افروز ہی نہان

مے عشق کی چھلکتی ہے تیرے ایاغ مین
تیری ہی دلکشی ہے کہان باغ و راغ مین

اللہ رے ناز و تمکنت و عشوہ و حجاب — کیا انت نئی نمود ہے کیا عالم شباب!
آنچل شفق کا دوش پہ۔ رخ پر سیہ نقاب — کرتی ہین شوخیان تری خود تجھ سے یون خطاب!

امروز شاہِ انجمن دلبران یکیست
دلبر اگر ہزار شود دلبر آن یکیست — حافظ رح

زیر نقاب رخ پہ نہین اے نگین حسن — آغوش عشق مین ہے کوئی نازنین حسن
اے لیلیٔ سمن بر و اے مہ جبین حسن — ہمرنگ آسمان ہے تری سرزمین حسن

بیخود ہے ہر ادا تری مستانہ چال پر
خود ناز کہہ رہا ہے "ذرا دیکھ بھال کر"

ہر دل ہے تیری دید کا ارمان کش وصال — ہر آنکھ کو ہے حسرت نظارۂ جمال
گویا زبانِ نطق تری مدح مین ہے لال — شاہد ہے تیرے حسن کا خود رب ذوالجلال

واللیل کہکے مرتبہ تیرا بڑھا دیا
شان اذا سجیٰ کا تماشا دکھا دیا

تیرا وصال روح روان راحت جہان — تیرا جمال آئینہ حسنِ دلستان
تیرے سواد مین ہے بیاض سحر نہان — نیرنگ انقلاب ہین تیری دو رنگیان

ہے تجھ مین ساز عشرت و سامان غم کبھی
الجھن کبھی خلش کبھی یادِ صنم کبھی

تسکین قریشی

شاعر کی دنیا

جلوہ ہائے حسن فطرت، ذرہ ہائے کائنات
ہے ہر اک وجہ ترنم ریزیٔ سازِ حیات

کسقدر حیرت فزا ہے یہ فضائے آسمان
یہ ستارون کا چمکنا، یہ بہار جاودان

جلوہ گستر آسمان کی سطح پر ہے ماہتاب،
بے حجاب اسوقت ہے اک شاہد رنگین نقاب

اک نمود سیمیا ہے منظر حیرت فزا
ہے تعجب خیز تارون کا نکلنا ڈوبنا

کیف افزا یہ خموشی، یہ سکونِ مستقل
اِن مناظر سے طرب اندوز ہے شاعر کا دل

مطلع مشرق سے نکلا آفتاب صبح خیز
پتہ پتہ، ذرہ ذرہ ہوگیا پھر جلوہ ریز

طائرانِ خوش نوا پھر ہوگئے نغمہ سرا
گونج اُٹھی جن کے نغمون سے گلستان کی فضا

لو نسیم صبح پھر اٹھکھیلیان کرنے لگی
گلرخون کے پیرہن مین رنگ و بو بھرنے لگی،

ہوگیا خوشبو سے پھولون کی معطر پھر دماغ
دھو دیے شبنم نے پھر شاعر کے دلکے سارے داغ

دن ہوا آخر، چھپا مغرب مین جاکر آفتاب
شاہدان شب نے چہرون سے اُٹھایا پھر نقاب

پھر نئے سر سے وہی آراستہ محفل ہوئی
پھر نظر شاعر کی سوئے آسمان مائل ہوئی

یہ سمندر کا محیط بیکران، یہ کوہسار
یہ لب جو کی فضائے دلفریب و سبزہ زار

یہ ترشح روح افزا، اور یہ کالی گھٹا
یہ فضائے آسمان مین بجلیون کا کوندنا

پھر نشاط و کامرانی کے ہوئے سامان بہم
پھر دل شاعر سے رخصت ہوگئے رنج و الم

پھر خیال آیا اُسے کچھ، پھر اُٹھی اُسکی نظر
پھر طلسم دہر کا منظر ہوا زیر و زبر

ہے نگاہون مین کبھی سدرہ، کبھی باغ جنان
کوئی دیکھے تو سہی اُسکی نظر پہونچی کہان

نور مطلق سے غرض اسکی نظر معمور ہے
دلمین اُسکے جلوہ گستر تابش سد طور ہے

العرض جو کچھ بھی ہے کون و مکان مین جلوہ گر
اُن مین سے ہر ایک ہے ،،دنیائے شاعر،، بسر

سید راز چاند پوری

لطفِ موسیقی

کیا ہی دلکش ہے تماشائے غروبِ آفتاب
چھپتا جاتا ہی نظر سے روئے خوبِ آفتاب

مہر تابان شکوہ پرواز جفا ہے رات سے
کیا سہانا وقت ہے دن مِل رہا ہے رات سے

دیکھنا صورت شفق مین آفتابِ شام کی
ساغرِ زرّین مین سُرخی ہے مے گلفام کی

دُھوپ کے بدلے نظر آتا ہے سایہ ہر طرف
پھیلتا جاتا ہے تاریکی کا جلوہ ہر طرف

یہ شفق کا عکس پانی کی یہ رنگینی ہے خُوب
گویا سُورج ہو رہا ہے آج دریا مین غروب

سطحِ دریا پر شفق کی روشنی ہے جلوہ گر
لو وہ دولہن نکلی پانی کی چادر اوڑھکر

خوب پھیلایا شفق نے اپنا دامن آب مین
دُور سے دیکھو تو ہے اِک آگ روشن آب مین

کسقدر پُر کیف ہے ساحل کی متوالی فضا
یہ سُرور افزا سمان اور ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا

یہ عروسِ شام کی زینت یہ صحرا کا نکھار
جھاڑیان ہین ہر طرف پہنے ہوئے پھولونکا ہار

کچھ عجب منظر نظر آتا ہے ساحل کے قریب
کیون یہ اک بجلی چمکتی ہے مرے دلکے قریب

یعنی اِک جادہ فروشِ حُسن و مستِ نازِ حُسن
چھیڑتی جاتی ہے اِک پتھر پہ بیٹھی سازِ حُسن

دستِ سیمین مین ہے اسکے اِک رباب[۵۲] جانفزا
جسکا ہر نغمہ ہے گویا ایک بابِ جانفزا

انگلیان تارون پہ ہین آنکھین ہین ساحل کیطرف
تیر ان نغمون کے آتے ہین مرے دلکی طرف

---

۵۱ ملاحظہ ہو تصویر سرورق زمانہ جنوری ۱۹۲۴ء

۵۲ مشابہت اور ضرورت شعری کیوجہ سے ستار کو رباب لکھا ہے۔ ذکی

شام کا یہ وقت یہ تصویرِ جذباتِ شباب
مجھکو لائی ہے کہان تاثیرِ جذباتِ شباب

نغمۂ مخمور سے ساری فضا لبریز ہے
اب مرا ہر ہر نفس گویا جنون انگیز ہے

ہاے وہ ہاتھون کا خم اور وہ ادائے جانفزا
میرے دلمین ایک نغمہ بجا ہے تلاطم ہے بپا

اسکی نغمہ ریزیون نے ہاے یہ کیسا کر دیا
انگلیان سے ایکے دلمین درد مین غم بھر دیا

ہاے اس قتالۂ عالم کا حسن فتنہ کوش
جو کھڑی ہے انکے پیچھے بُت بنی بالکل خموش

دل ہے بیخود اسکی محویت کا عالم دیکھکر
جو کمر پر ہاتھ ہے اس ہاتھ کا خم دیکھکر

دیکھئے اس فتنۂ عالم کی صورت دیکھئے
چشمِ حیران دیکھئے انگشتِ حیرت دیکھئے

زیرِ لب انگلی ہے یا اک تیغِ خون آشامِ حسن
مانگ ہے زلفون مین یا سمٹا ہوا ہی دامِ حسن

اسکے ابرو کرتے جاتی ہین اشارا حسن کا
سرخ ٹیکا انکے چمکا ہے ستارا حسن کا

بت بنی جاتی ہے ساحل کی فضا کو دیکھکر
کون دیکھے دلکو اُنکی اس ادا کو دیکھکر

نغمہ سنجِ آرزو وہ فتنۂ خاموش ہے
آج گویا حسن موسیقی سے ہم آغوش ہے

کس طرح دلکو سنبھالون ای ذکی مین کیا کرون
کاش یہ منظر ہو اور مین عمر بھر دیکھا کرون

ذکی کچھوچھوی

جذبات وارث

ہاے کیا کیا اے نقشبندِ آب و گِل تو نے
کہ جب یون توڑنا تھا کیون دیا تھا مجھکو دل تو نے

ٹھہرای آہِ سوزان خرمنِ گل پر گری بجلی
لگا دی آگ آخر آشیان کے متصل تو نے

مری ذوقِ نظر کا خون کر اے گریۂ خونین
نگاہِ شوق کو کیون کر دیا ہے پا بہ گِل تو نے

تصادم کو دِ غم کا اور دل اک شیشۂ نازک
مرے پہلو مین یارب کیون نہ رکھدی کوئی سِل تو نے

یہ دردانگیز نالے اور یہ یاس آفرین آہین
کوئی پوچھے تو وارث کیون دیا تھا اُسکو دل تو نے

(محبوب حسن وارث بہرہ)

فروری کے دوسرے ہفتہ مین جناب راز چاندپوری (رکن حلقۂ ادبیہ) کے مکان پر بصدارت حضرت احسن سبھی ناظم حلقۂ ادبیہ ایک بزم مشاعرہ منعقد ہوئی تھی ناظرین زمانہ کی ضیافت طبع کے لیے چند غزلون کا انتخاب حاضر ہے،

جناب ذکی کچھوچھوی

جب وہ جمال جلوہ ریز ابرقِ نظر نواز ہو
کیون نہ نگاہ شوق کو ذوقِ نظر پہ ناز ہو

اپنی خودی کو کر فنا عشق مین سرفراز ہو
ذرۂ کوئے دوست بن خاکِ رہِ نیاز ہو

دل ہے وہ ساغرِ نشاط ٹوٹے تو آئینہ بنے
پھر وہی مستی الست پھر وہی شیشہ و ساز ہو

جلوۂ شام غم مین ہو صبح نشاط مستتر
کاش کہ مثلِ زلفِ دوست میری شبِ دراز ہو

سنگِ درِ صنم کدہ سجدہ گہِ ذکی سہی
خیر کسی طرح ادا سجدۂ بے نیاز ہو

جناب راز چاندپوری

تیرا ہی آئینہ اگر آئینۂ مجاز ہو
تو ہی بتا کہ کسطرح مجکو پھر امتیاز ہو

روح مین اک خروش ہو دل مین اگر گداز ہو
سوزِ جگر کے ساتھ ساتھ نالۂ دل کا ساز ہو

کاش نگاہ ناز مین کیفیت نیاز ہو
یعنی جو دلکو درد دے پھر وہی چارہ ساز ہو

عرش برین ہے منتظر سجدۂ شوق کے لیے
سر جو خلوص سے جھکے کیون نہ وہ سرفراز ہو

عقل سے اب ہون بے نیاز ورنہ اسیر ہوش تھا
سلسلۂ جنونِ عشق عمر تری دراز ہو

جناب فرحت کانپوری

کچھ تو فزونِ شوق مین باعثِ امتیاز ہو
میری نظر کے سامنے ان کی حریم ناز ہو

سوزِ دردِ نہان و آہِ دل عشق مین دونون ایک ہین
ہمکو تو اک سرور ہے سوز ہو یا کہ ساز ہو

واہ دلِ نظارہ کوش تیرا یہ ذوقِ بیخودی
جلوہ کی تاب ہو نہ وان کی حریم ناز ہو

دل کی تڑپ مین ایخدا کچھ تو ہو ذوقِ عافیت
درد وہ دے جو عشق مین باعثِ امتیاز ہو

فرحتِ آرزو پسند درس نیاز عشق سے
کوچۂ معرفت مین آ کے شیفتۂ مجاز ہو

جناب معین صدیقی عثمانپوری

ان کی نگاہ ناز اگر درد کی چارہ ساز ہو
روح کو دل پہ رشک ہو زخم پہ دلکو ناز ہو

اپنے کو سب سے کم سمجھ، خلق مین سرفراز ہو
خاکِ رہ نیاز بن بندۂ بے نیاز ہو

صبح سے پہلے ختم ہون، شامِ الم کی کلفتین
مجھپہ کرم کرلے اجل عمر تری دراز ہو

شکوۂ جور ہے فضول خیر وہ ملتفت تو ہین
ان سے مین کیون گلہ کرون کیون انہین احتراز ہو

سوزش دل سے کام لے شمع صفت کہ ہو نمود
قابلِ التفات بن باعثِ امتیاز ہو

ترکِ خودی کر اے معین ہوش پہ ناز ہے فضول
عشق کے میکدے مین آ مستِ مئے نیاز ہو

جناب محبوب حسن صاحب وارث مارہروی

اے دلِ اضطراب کوش، خوگر سوز و ساز ہو
سوزشِ غم کی قدر کر عمر تری دراز ہو

چپ بھی رہ اے زبان شوق، رخصتِ عرض ہی تو ہو
کیون تری جنبشِ نیاز، پردہ کشائے راز ہو

ذوق ہے مرے کریم کو ذوقِ طلب کی جستجو
بابِ قبول باز ہے، دستِ دعا دراز ہو

ہو گئی میری عرضِ شوق، چشم کرم کی منتظر
مجھسا نیاز مند ہو، آپ سا بے نیاز ہو

جناب ہادی ویلوری مدراسی

دل ہے وہ دل جو رنج مین عیش سے بے نیاز ہو
آپ ہی درد مند ہو آپ ہی چارہ ساز ہو

عیش مئے نشاط مین مستی عذر ساز ہو
شیشۂ مے ہو سامنے، اور در توبہ باز ہو

ان کی نظر ہو آئینہ میری نگاہِ شوق کا
یعنی غرور ناز مین بیخودی نیاز ہو

گر طریقِ عشق مین دل بھی مٹے تو غم نہو
کاش کہ پہلے ہی فنا قوتِ امتیاز ہو

آج خوشی تو دیکھیے ہادیٔ غم پسند کی
وہ ہین نظر کے سامنے، کیون نہ پھر اسکو ناز ہو

حضرت باسط بسوانی نے ازراہ عنایت قدیمانہ انتخاب مشاعرہ بزم جگر (منعقدہ ۲۶ جنوری ۱۹۲۴ء) ارسال فرمایا ہے، جسکو ہم شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔

جناب خلیل بسوانی

سیاہ کار ہوا دل جو عہد پیری میں — سفید بال ہوئے ہیں خضاب ہوتا ہے
جو چپ رہوں تو نہیں دلکو ضبط کی طاقت — جو عرض حال کروں تو عتاب ہوتا ہے

جناب مصطفٰے کانپوری

گدائے کوئے خرابات جو ہے اے ساقی — دل اسکا ساغر جم کا جواب ہوتا ہے
وہ بیقرار ہوں لیتا ہوں میں اگر کروٹ — سکون دہر میں اک انقلاب ہوتا ہے

جناب ناز بسوانی

ہوا ہے گور کنارے مریض یوں تیرا — کہ جس طرح لب بام آفتاب ہوتا ہے

جناب واثق بسوانی

جو سر بام پہ تو بے نقاب ہوتا ہے — تو دن رہے سے غروب آفتاب ہوتا ہے
تمام رات نہ واثق کیا کرو نالے — خلل پذیر زمانے کا خواب ہوتا ہے

جناب باسط بسوانی

دل حزیں مرا جلتا ہے ہجر ساقی میں — شراب ہو تو سکون کباب ہوتا ہے
خدا کے واسطے ناصح معاف کر ہمکو — کہ اب دماغ ہمارا خراب ہوتا ہے
رقیب ہو کہ نہ کوئے یار میں لیکن — ضرور باسط خانہ خراب ہوتا ہے

حضرت جگر بسوانی

وہ مسکرا کے وہاں بے نقاب ہوتا ہے — جہاں چمن میں شگفتہ گلاب ہوتا ہے
زہے نصیب کہ آتا تمہیں خیال آیا — یہ آج کیا ہے جو ہم پر عتاب ہوتا ہے
جو مے پرست نکلتا ہے میکدے سے کوئی — تو پارساؤں میں ملکر خراب ہوتا ہے
وہ نیچے کہتے ہیں تم اپنا دل اٹھا لیجاؤ — پڑے پڑے مرے در پر خراب ہوتا ہے
جگر خدا کے لیے الفت بتاں چھوڑو — وہ کام کرتے ہو تم جو خراب ہوتا ہے

جلد ۴۱ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء نمبر ۴

مسلمان اور علوم ہند[1]

فن موسیقی کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ خود سنسکرت بھی اسپر بہت سے تصانیف کی سرمایہ دار ہونے کا فخر نہین کر سکتی۔ اور وجہ اسکی ظاہر ہے۔ اس فن کا کمال حاصل کرنے مین کتابون سے علمی امداد کی امید رکھنے پر صرف آجکل کے استاد جی ہی نہین ہنستے بلکہ تمام نایک گندہرب اور گنی ہمیشہ سے اسکا مضحکہ اڑاتے چلے آتے ہین۔ خیال تھا اور اب بھی ہے کہ اس فن کی نظریات اور عملیات ایسے آپس مین جکڑے ہوئے ہین کہ اول الذکر کا الگ جداگانہ وجود حیطۂ تصور سے باہر ہے۔ بلکہ ہندوستانی موسیقی سے طریقۂ تحریر بذریعہ علامات کے مفقود ہونے کا ذمہ دار بھی سب سے زیادہ یہی خیال معلوم ہوتا ہے۔

رہا اس فن کا ریاض اور عملی اکتساب تو بہت سی راگنیون کے مخترع اور ستار کے مشہور موجد حضرت امیر خسرو دہلوی کے زمانہ سے لیکر جو بلبن اور خلجی بادشاہون کے دربار کے سرمایۂ ناز تھے۔ آج کی دن تک مسلمانون کی توجہ اسپر ہندؤن سے غالباً زیادہ ہی رہی ہے۔ پچھلی چند صدیون مین راجپوتانہ اور وسط ہند کی اکثر دیسی ریاستون مین مسلمان صاحب کمال بے اسرار فن کے اکیلے خازن شمار کئے جاتے رہے ہین۔ چونکہ اس بحث پر اس سے پہلے جریدہ "جادو" مین بزیر عنوان "اسلام اور فنون لطیفہ" ہم اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہین۔ لہذا یہان اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی۔

---

[1] اس مضمون کے دو حصے جنوری و مارچ کے رسالے مین شایع ہو چکے ہین۔

فلسفہ و مذہب

ان دونون مباحث مین سے آخرالذکر کو عرب چونکہ ادنے اقسم کے بت پرستی خیال کرتے تھے گر گو اسمین شک نہین کہ یہ خیال غلط فہمی کا نتیجہ تھا، قدرتی طور پر اُنھون نے اُسے قابل توجہ نہ سمجھا۔ رہا اول الذ تو فلسفۂ یونان پیش قدمی کرکے اس سے بہت پہلے میدان مین آچکا تھا اور عربون کے دماغون پر اپنا زبردست قبضہ جما چکا تھا۔ اسکے ماسوا ہندی فلسفی نظام چونکہ نہایت ادق اور بہت زیادہ دماغی پریشانی ذہنی حیرانی کے باعث تھے لہذا ان کے دماغون کو جو ہنوز فلسفہ کی چاٹ سے ناآشنا تھے اپنی جانب پھیرنے کی صلاحیت کم رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عباسیون کے زمانہ مین سنسکرت کی جن کتابون کے ترجمے ہوئے اور ان مین فلسفہ کی تصنیف مین شاذونادر ہی نظر پڑتی ہے اور جو اکا دُکا ہے بھی تو مذکورہ بالا طبیبون مین سے کسی نہ کسی کے قلم سے نکلی ہوئی ہے نہ کہ کسی مشہور ہندی فلسفی کی لکھی ہوئی۔ البیرونی کے زمانہ تک اس علم کی مطالعہ کی باقاعدہ کوئی کوشش نظر نہین آتی۔ بیرونی کی کتاب الہند خود ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ حکیم مذکور کو ہندوستان کے مذہبون اور فلسفی نظامون سے کیسی گہری دلچپی تھی۔ اور وہ ان دونون سے کیسا واقف تھا۔ ان وادیون مین اُسے تجسس و تحقیق کا جو پرجوش شوق تھا اُسکے مزید ثبوت کی ضرورت ہو تو اُسکی ذیل کی تصنیفات سے ملسکتا ہے (۱) ترجمہ پتنجلی یا موکشہ یعنی جسمانی زندگی کی قیدون سے نجات (۲) ترجمہ سانکھیہ (۳) واسودیو کے دوبارہ ظہور پر رسالہ اور چند دیگر رسائل۔

ایک دوسرا عہد جسمین ہندو مسلمانون مین مصالحت کرانے، باہمی بہی خواہی اور برادرانہ جذبات کو ترقی دینے اور ایک دوسرے کے حالات سے مزید وقوف کے ذریعہ سے مذہبی منافرت کو دُور کرنے کی کوشش کی گئی۔ سلطان زین العابدین کا شمیری کا شاندار زمانۂ حکومت ہے جسنے اپنے ہندو رعایا سے ایسا الفت و محبت کا برتاؤ کیا کہ اُن مین سنجیدہ و راسخ اعتقاد پیدا ہوگیا تھا کہ سلطان اپنے جسم مین ایک ہندو کی روح رکھتا ہے تناسخ کے نہ ماننے والون کو یہ خیال کیسا ہی خلاف عقل کیون نہ معلوم ہو اُس زمانہ کے ہندون مین یہ گھر گھر مشہور تھا کہ تخت نشینی سے کچھ روز پہلے سلطان کا مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کرچکا تھا اور ایک ہندو جوگی نے سلطان کے مردہ جسم مین اپنے روح منتقل کرکے دوبارہ زندگی عطا کی تھی

چونکہ انھین یقین نہ آتا تھا یا یقین کرنے کو جی نہ چاہتا تھا کہ ایک پلّہ ایسے غیر معمولی روا داری، رحم و نیکدلی کے قابلیت رکھتا ہو - اسکی ان خصال حمیدہ و صفات پسندیدہ کی توجیہہ کرکے دل خوش کیا کرتے تھے - اُسکے عہد سلطنت کے مورخ باتفاق بیان کرتے ہین کہ اُسکے ایام حکومت مین سنسکرت کے جن کثیر التعداد کتابون کے فارسی مین ترجمے ہوئے - وید شاستر، پران، اور بہت کتھا بھی اُن مین شامل تھین -

مذکورۂ بالا تراجم مین سے افسوس کہ ایک بھی دست برد زمانہ سے باقی نہین - ہندون کے مذہب کے متعلق ہمارے فارسی ذرائع اطلاع عملاً شاہنشاہ اکبر اور اُسکے جانشینونکے زمانہ کے تراجم و تصانیف تک محدود ہین سب سے مہتم بالشان سنسکرت کی تصنیف جسکا اکبر کے زمانہ مین ترجمہ کیا گیا تھا مہابھارت تھی۔ ہمارے زمانہ مین بڑی بڑی کتابون کے تصنیف کرنیکا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے یعنی ایک جماعت مصنفین کتاب کے مختلف حصون کو آپس مین بانٹ کر ایک ساتھ لکھنا شروع کردیتی ہے - اور اسطرح برسون کا کام دنون مین نبٹ جاتا ہے وہی طریقہ اکبر کی جدت آفرینی سے اس مقدس ضخیم کتاب کے ترجمہ مین اختیار کیا یعنی بخیال عجلت اسکے مختلف حصّون کا ترجمہ پانچ شخصون کے حوالہ کرکے پانچون کو بیک وقت کام پر لگا دیا گیا - ان فاضل مترجمون کے نام - نقیب خان، مولانا عبدالقادر بدایونی، ملا شیری، سلطان محمد تھانیسری اور فیضی فیاضی - ہین - سوائے آخرالذکر کے جسے مولانا عبدالقادر صرف دو پربون کا مترجم بتاتے ہین اورون کا ٹھیک حصہ معین نہین بڑے بڑے دو وان پنڈت مثل دیبی کے ان کے امداد پر مامور تھے - اسطرح کتاب کے اٹھارہ پرب ختم کیے گئے اور بعد ازان ۱۵۸۹ء مین فیضی نے کل ترجمہ پر نظر ثانی کی اور پاکیزہ شاعرانہ نثر کا جامہ پہنایا اور ابو الفضل نے لمبی چوڑی تمہید کا اضافہ کرکے پادشاہ کے نیک اندیشانہ ارادون پر پوری روشنی ڈالی اکبر نے اسے رزم نامہ کا لقب عطا کیا مورخین کا بیان ہے کہ اس ترجمہ کے جو عموماً فیضی کی طرف منسوب ہے خوبصورت قلمی نسخون مین سے ایک ریاست جے پور کے کتب خانہ مین موجود تھا۔ ہمکو طالبعلمی کے ابتدائی زمانہ مین جسے اب تقریباً چونتیس برس کا زمانہ ہوتا ہے - ہمین بھی زیارت نصیب ہوچکی ہے - آجکل ہندوستان و یورپ دونون مین اسکے مطبوعہ نسخے بھی بکثرت و سہولت دستیاب ہین اسکے بعد اس ہندی قومی رزمنامہ نے اور بھی کئی فارسی جونین بدلین جنمین سے ایک تو شاہزادہ دارا شکوہ کا ترجمہ نثر ہے (انڈیا آفس نمبر ۱۳۵۸) اور دوسرا محمد شاہ کے عہد کا حاجی

بیح الجب کا منظوم ترجمہ ہے۔ مہابھارت کے دو برس بعد اکبر کے حکم سے مولانا عبدالقادر بدایونی نے چار سال کی محنت میں ہندوستان کی دوسری قومی نظم یعنی رامائن کا ترجمہ ۱۲۰۰ صفحوں کا انجام کو پہنچایا۔ مولانا عبدالقادر تو اسکو تنہا انجام دینے کے مدعی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ابوالفضل ملا شیری نقیب خان اور سلطان محمد تھانیسری کو برابر کا شریک بتاتا ہے (کتب خانہ کیمرج نمبر ۳۲)۔ اسکے بعد اس کتاب کے تین ترجمے اور ہوئے (۱) شیخ سعد اللہ مسیح کیرانوی پانی پتی کا ترجمہ موسوم بہ رام وسیتا (برٹش میوزیم نمبر ۱۳۲۰، ۲۶۳۵ اور ۲۷۶۳) (۲) دوسرا گردھرداس کایستھ دہلوی کا (انڈیا آفس نمبر ۱۰۳) اور (۳) چندرمن ولد سریرام کا۔ پہلے دونوں منظوم ہیں اور شہنشاہ جہانگیر کے نام سے معنون ہیں تیسرا نثر میں ہے اور ۱۶۸۶ء کی تالیف ہے۔ شیخ سعد اللہ مسیح مقرب خان کے وابستگان دولت میں سے تھا جو جہانگیر کے دربار کا نامور امیر تھا۔

بھاگوت گیتا کے فارسی ترجمہ کا سہرا بھی عموماً ابوالفضل کے سر باندھا جاتا ہے (برٹش میوزیم ضمیمہ ۵۶۵۱) اور بھاگوت پران یا سری کرشن کے قصہ کا جو نوے ادھیایوں پر مشتمل ہے۔ فیضی کے سر (انڈیا آفس نمبر ۵۲۴) اور میونچ لائبریری آویر کا جمع کردہ ذخیرہ ۳۵۰) فیضی نے اسکے علاوہ اپنے شارق المعرفت میں جو بارہ فصلوں پر مشتمل ہے اور سنسکرت کی مشہور و معروف و مستند تصنیفات مثل سابق الذکر بھاگوت پران یوگ وسشٹھ وغیرہ کی مدد سے ویدانت کے فلسفہ پر مفصل بحث کی ہے (انڈیا آفس نمبر ۱۲۵۵) جو یوگ وسشٹھ سے بھی رشی وسشٹھ اور سری رام چندر جی کے مکالمہ کی شکل میں ہندی ناستک فلسفہ کے اصول کی تشریح کرتا ہے۔ ۱۵۹۷ء میں اکبر کے حکم سے فارسی خلاصہ کی صورت میں اسلامی دنیا کو واقف کیا گیا (برٹش میوزیم ضمیمہ ۵۶۳۷) اس کتاب کے دوسرے فارسی ترجموں کے لیے ہم شیخ صوفی شریف کے جو عہد جہانگیری کے فضلا میں سے تھے اور شاہزادہ دارا شکوہ کے ممنون ہیں (کتب خانہ آکسفورڈ ۱۷۵) اول الذکر کا ترجمہ موسوم بہ "اطوار در حال اسرار" یوگ وسشٹھ سار یعنی یوگ وسشٹھ کے خلاصہ پر مبنی ہے۔ حال میں یہ مطبع نولکشور لکھنؤ سے چھپکر شایع ہو چکا ہے۔

ایک اور اہم ہندو مذہبی کتاب یعنی اتھرو وید کا ترجمہ اول مولانا عبدالقادر کے سپرد کیا گیا تھا مگر چونکہ وہ برہمن جوان کی امداد پر متعین تھا اپنی تشریح و توضیح سے ان کا اطمینان نہ کر سکا

اور اُنھون نے بادشاہ سے شکایت کی تو بادشاہ نے یہ دشوار کام حاجی ابراہیم سرہندی کے حوالہ کردیا اور ایک زیادہ ذی علم پنڈت امداد کے لیے مقرر کیا کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد حاجی موصوف نے اس کار خطیر کو بخیر و خوبی انجام کو پہنچایا۔ مولانا عبد القادر اُس مختصر زمانہ کا کہ وہ اس کام مین مصروف تھے ایک عجیب و غریب قصّہ بیان کرتے ہین۔ وہ برہمن جو وید کے مضامین مولانا کے ذہن نشین کرانے پر مامور تھا ایک روز اس مقدس کتاب کو پڑھتے پڑھتے ایسے مقام پر پہونچا جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ گائے کا گوشت کھانا ممنوع نہین اور یہ کہ ویدون کے زمانہ مین ہر طبقہ کے ہندو واسی بیدھڑک و بے تکلّف نوش جان کیا کرتے تھے اس سے پہلے اُسنے کبھی وید کا مطالعہ نہ کیا تھا اسلیے تعجب بھی ہوا اور ساتھ ہی پنڈتون پر جھنجھلاہٹ اور غصّہ بھی آیا کہ اتنیک برابر دھوکے ہی مین رکھّا۔ اسیطرح یہ ہوا کہ چند ہی روز بعد ایک اور عبارت نظر پڑی جسمین لکھا تھا کہ نجات ایک ایسے کلمے کے دوہرانے اور جپنے پر موقوف ہے جسمین حرف لام اکثر آتا ہے۔ یہ دیکھکر برہمن کو یقین آگیا کہ وہ کلمہ جسکی طرف یہان اشارہ کیا گیا ہے کلمۂ اسلام لا الٰہ الا اللہ ہے چنانچہ اُسنے بزور بلند آواز سے کلمۂ طیبہ پڑھا اور مشرف باسلام ہوگیا اس برہمن کا نام مولانا عبد القادر شیخ بھاون بتاتے ہین غالبًا شیخ کا اضافہ مسلمان ہونے کے بعد کیا گیا ہوگا۔

اکبر ہی کے زمانہ مین ہری ونشہ کا جو سری کرشن جی کے حالات پر مشتمل مہابھارت کا ضمیمہ ہے (انڈیا آفس نمبر ۱۷۷۲) اور سوم دیو کی مشہور کہانیون کی کتاب کتھا سرت ساگر کا ترجمہ ہوا جو بلحاظ طرز بیان فیضی کے ترجمہ سے بہت مشابہ ہے گو کہ مترجم کا نام یقین کے ساتھ معلوم نہین (انڈیا آفس نمبر ۲۴۱۰)

سنسکرت کی مذہبی کتابون کے مابعد کے ترجمون مین بدنصیب شاہزادہ دارا شکوہ کے ترجمون کا ذکر کرنا ہنوز باقی ہے جو شاہجہان کا سب سے بڑا بیٹا اور ولی عہد تھا اور ۱۶۱۵ء مین پیدا ہوا اور ۱۶۵۹ء مین ارتداد کے جرم پر مارا گیا۔ اس کام مین دارا شکوہ کے محرک وہی جذبات تھے اور وہ وہی نیک اغراض پیش نظر رکھتا تھا جو اکبر کے رہنما ہوئے تھے یعنی ہندو مسلمانون مین سمجھوتا کرانا اور آخر الذکر کے تعصبات کو مذہب برہمہ سے دور کرنا مگر سب سے بڑھکر یہ کہ صوفیون کو

جنکے خیالات سے وہ ایسے اچھی طرح واقف تھا یہ جتاناکہ ان کے مسئلہ وحدت وجود یا وحدت میان کثرت کا پتہ آخر جا کر ویدون مین اور علی الخصوص اپنشد یا اپنکھت کے رسائل آلہیات مین ملتا ہے۔ چنانچہ اسی غرض سے اُسنے شہر بنارس مین وہان کے وودان پنڈتون کی مدد سے کتاب مذکور کا ترجمہ کرانا شروع کیا ۱۶۵۵ء مین یعنی اُسکے قتل سے دو سال قبل یہ اتمام کو پہنچا تو اسکا نام اُسنے "سرِ اکبر" یا جیساکہ بعض قلمی نسخون سے معلوم ہوتا ہے "سرالاسرار" رکھا۔ اس ترجمہ کی تمہید مین جسکا ایک قلمی بوسیدہ نسخہ ہمارے پاس بھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ قرآن شریف مین جس امّ الکتاب کا ذکر آیا ہے اور جس سے مفسرین لوح محفوظ یا علم الٰہی مُراد لیتے ہین اُس سے اس کتاب یعنی اپنشد کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ لہذا کوئی تعجب کی بات نہین اگر علمائے اسلام نے اُسپر زندقہ والحاد کا فتویٰ جاری کر دیا۔ اس سے ایک سال قبل اس آزاد خیال شاہزادہ کے زیر اہتمام یوگ وسشٹھ کا فارسی ترجمہ اتمام کو پہنچ چکا تھا (انڈیا آفس نمبر ۱۱۰۵، ۱۳۵۵، ۱۰۵۹)۔ جرمن عالم ہرمن ایٹے اپنی تصنیف "نواے پرسشے لٹراٹر" یعنی "علم ادب فارسی جدید" مین داراشکوہ کی مدح سرائی ذیل کے لفظون مین کرتا ہے "داراشکوہ ایک علی الخصوص روشن دماغ شخص تھا وہ توراۃ زبور انجیل، اور دوسری مقدس کتابون کا مطالعہ کر چکا تھا اور انھین ویسا ہی مستند اور سچا کلام الٰہی سمجھتا تھا جیسا قرآن کو۔ یہی اقرار اس امر کا باعث ہوا کہ مفتیان اسلام نے اُسپر الحاد کا الزام لگایا"۔ مگر مسٹر ہرمن ایٹے کو شاید یہ معلوم نہ تھا یا داراشکوہ کے جوش حمایت مین بھُول گئے کہ داراشکوہ کی اسمین خصوصیت کیا تھی ہر مسلمان عہد قدیم اور عہد جدید کے صحیفون کو کتب آسمانی کلام ربانی جانتا اور مانتا ہے۔

داراشکوہ نے ہمارے واسطے ایک اور رسالہ بھی چھوڑا ہے یعنی مجمع البحرین جسے اُسنے ۱۶۵۵ء مین تصنیف کیا اور اسمین اُسنے ہندی آلہیات کے مصطلحات کا صوفیہ کی اصطلاحات سے مقابلہ کرکے یہ دکھانا چاہا ہے کہ ان دونون مین فرق صرف اعتباری ہے لب لباب بالکل ایک ہی۔ فلسفۂ مذہبی پر ہندی اور ایرانی علمائے آلہیات سے جو اُسنے مباحثے کئے وہ بھی دلچسپی سے خالی نہین۔ ان مین سے دو یعنی بابالال یا لال داس کے ساتھ اور شیخ محب اللہ کے ساتھ والے خاص اہمیت رکھتے ہین۔ متعدد قلمی نسخے ان کے یورپ کے کتب خانون مین موجود ہین۔

اَدبیات

اس سلسلہ مین سب سے بڑا تحقیق طلب مسئلہ تو یہ ہے کہ وہ الف لیلہ جسکی شہرت نے تمام متمدن دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے ہندوستان جنت نشان سے کوئی رشتہ رکھتی ہے یا نہین۔ اکثر مستشرقین یورپ کا خیال ہے کہ اسکے بعض قصّے صریحًا اپنے ہندی اصل کا پتہ دیتے ہین یعنی ہندوستان سے ایران اور وہان سے نام نہاد شہرزاد کی زبانی عربون کے کانون تک پہنچے ہین افسوس ہے کہ اس عجیب خیال کی تنقید کے لیے سردست نہ ہمارے پاس وقت ہے نہ مصالح۔ شاید بشرط فرصت آیندہ کبھی لکھہ سکین۔ یا اور کوئی با مذاق اہل علم سبقت کرکے اسپر مزید روشنی ڈال سکے،

اسکے بعد سب سے مشہور اور قابل قدر ادبی تصنیف جو خلفائے عباسی کے عہد مین ہندوستان سے بروایت مشہور ایران کا سفر کرتی ہوئی عراق پہنچی اور بعد ازان عربی لباس مین مہذب دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جادہ افروز ہوئی وہ کلیلہ و دمنہ ہے، کہتے ہین کہ کسریٰ نوشیروان کے زمانہ مین یہ قصہ جا بجا مشہور تھا کہ ہندوستان مین ایک ایسا شجر حیات ہے۔ کہ جسکا پھل مُردون کو زندہ کرتا اور زندون کو حیات جاوید بخشتا ہے۔ کسریٰ کو اگرچہ پہلے ہی نوشیروان کا خطاب مل چکا تھا۔ جسکا لفظی ترجمہ "غیر فانی روح" ہے۔ اس درخت کا ایسا اشتیاق پیدا ہوا کہ اُس نے برزویہ طبیب کو اس غرض سے ہندوستان روانہ کیا کہ اس شجر حیات کو ایران لے آئے۔ یہ ایرانی طبیب ہندوستان پہنچا اور بہ تبدیل لباس ہندو بنکر پنڈتون سے سنسکرت سیکھی تو شجر حیات کا معمہ یون حل ہوا کہ یہ محض ایک استعارہ ہے جس سے مُراد درخت نہین ایک کتاب ہے جسے پنچ تنتر کہتے ہین۔ جسمین نیتی شاستر یعنی سیاست مدن کا بیان ہے اور راج نیتی کے اصول جانورون کے قصّون کے پیرایہ مین برمز و اشارہ بتلائے گئے ہین۔ علیٰ ہذا القیاس حیات سے مراد جسمانی زندگی نہین بلکہ دائمی نیکنامی ہے۔ غرضکہ طبیب مذکور نے اسکا پہلوی زبان مین ترجمہ کیا جسکی نوشیروان نے ایسی قدر دانی کی کہ اسے شاہی خزانہ مین جگہ دی۔ ایران کے قدردان علم بادشاہ کتابون کو جواہرات کی برابر قیمتی خیال کرکے بجائے کتب خانون کے خزانون ہی مین محفوظ رکھا کرتے تھے۔ اس پہلوی ترجمہ کو روزبہ المعروف بہ ابن مقفع نے خلافت بنی العباس کے ابتدائی زمانہ مین عربی جامہ پہنایا۔ یہ عربی ترجمہ کلیلہ دمنہ کے نام سے

آجتک زندہ اور مشہور ہے۔ کلیلہ و دمنہ سنسکرت کے کرتکہ اور دمنکہ سے ماخوذ ہے۔ یہ دو گیدڑوں کے نام ہین جنکی زبانی پنچ تنتر کے پہلے باب مین کہانیان کہلائی گئی ہین۔ روایت مشہور کے مطابق یہی ابن مقفع کا عربی ترجمہ ایشیا و یورپ کے دوسرے اکثر تراجم کا ماخذ ہے اسکا ترجمہ رودکی نے نصر بن احمد سامانی کے حکم سے ۳۳۰ھ ہجری مین فارسی مین نظم کیا ہے۔ بہرام شاہ غزنوی کے زمانہ مین یعنی ۵۴۰۔۵۱۲ھ مین ابو المعالی نصر اللہ بن محمد نے ازسر نو نثر مین لکھا۔ آخر الذکر کو قانعی خراسانی نے ۶۵۸ھ مین ایک فارسی مثنوی کے شکل مین مرتب کیا۔ اسی کو ملا حسین واعظ کاشفی نے امیر شیخ احمد سہیلی کے حکم سے باضافہ حکایات کثیرہ صنایع و بدایع کے زیوروں سے لدی پھندی فارسی مین لکھا۔ کئی ترجمے اردو مین بھی ہوئے جنمین خرد افروز زیادہ مشہور ہے۔ ابو الفضل علامی نے پھر سلیس فارسی مین لکھا۔ کئی ترجمے اردو مین بھی ہوئے جنمین خرد افروز مشہور ہے۔ اور زبانون مین جو ترجمے ہوے ہین ان سب کے بیان کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے ابن مقفع کے علاوہ اور لوگون نے بھی معلوم ہوتا ہے اسکے عربی مین ترجمے کئے مگر افسوس کہ طاق نسیان کے نذر ہو گئے۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ ہارون رشید کے مشہور وزیر یحییٰ برمکی کے حکم سے عبد اللہ ابن ہلال نے اسکا عربی مین ترجمہ کیا تھا۔ جسپر خیال ہے کہ عبرانی ترجمہ مبنی ہے۔ یہ عبرانی ترجمہ محققین جرمنی کی رائے مین ابن مقفع کے ترجمے کی بہ نسبت بہت زیادہ پنچ تنتر سے ملتا جلتا ہے ابن مقفع کے ترجمہ مین پنچ تنتر ہتوپدیش اور مہابھارت کے بعض قصے گڈمڈ ہین۔

اسکے بعد کاشمیر کی بے مثل تاریخ راج ترنگنی مصنفہ کلیان یا کلہان کا نمبر ہے ابو الفضل اسکی نسبت صرف اسقدر لکھتا ہے کہ شاہنشاہ اکبر کے حکم سے جو کتابین فارسی مین ترجمہ کی گئین اُن مین یہ بھی شامل تھی - مترجم کا نام اُس نے ملا محمد شاہ آبادی لکھا ہے۔ اسکے مزید حالات ہمین مولانا عبد القادر بدایونی سے معلوم ہوتے ہین جو تحریر فرماتے ہین کہ اکبر نے مجھے اس ترجمہ کے خلاصہ اور نثر ثانی کا حکم دیا اور جب مین نے دو ماہ کے عرصہ مین اسے تمام کیا تو بادشاہ کو ایسا پسند آیا کہ شاہی کتب خانہ مین داخل کرنے کا حکم دیدیا۔ یہی مصنف اپنی مشہور تاریخ مین ایک اور مقام پر رقمطراز ہین کہ مجھے فرمان ہوا کہ ہندی حکایات وقصص کی اُس کتاب کو جسکے ایک حصہ کا ترجمہ سلطان زین العابدین کاشمیری کے حکم سے بنام بحر الاسمار ہو چکا تھا فارسی

کا لباس پہناؤن چنانچہ مین نے اسکی دوسری جلد کو جو تقریباً آٹھ سو بیس صفحون پر مشتمل تھی اتمام کو پہنچایا۔ اس بیان سے صاف نہین معلوم ہوتا کہ یہ کتاب وہی راج ترنگنی تھی یا اور کوئی سلطان زین العابدین کے مورخون کا بیان ہے کہ اُسکے زمانہ سلطنت مین راج ترنگنی کا ترجمہ شروع کر دیا گیا تھا افسوس کہ یہ ترجمہ مفقود ہو گیا ورنہ ہم معلوم کر سکتے کہ اکبر کے زمانہ کے ترجمون مین اس سے کہانتک مدد لیگئی تھی ورا صل سنسکرت کو کہانتک فارسی کے قالب مین ڈہالا گیا تھا۔

اکبر کے زمانہ کے ابتدائی ترجمون مین سنگھاسن بتیسی یا جسطرح کہ وہ سنسکرت مین کہلاتی ہے سنگھاسن دو ترنشتی یا وکرما چرترم کا ترجمہ ہے جسمین وکرما دتیہ کے کارنامے بیان کئے گئے ہین ۹۸۲ھ مین بدایونی نے ایک برہمن کے مدد سے اسے ختم کیا۔ یہ ایک نظم و نثر کا مخلوط مجموعہ ہے جسکا تاریخی نام اکبر نے نامۂ خرد افزا رکھا تھا ۱۰۰۳ھ ہجری مین پھر بدایونی نے اسپر نظر ثانی کر کے ایک زیادہ دلفریب نسخہ تیار کیا۔ اسی زمانہ مین اور غالباً اکبر ہی کے ایما سے چتربہوج داس ولد مہر چند کالستھ نے اسے تیسرا فارسی کا خلعت عطا کیا اور شاہنامہ لقب دیا۔ اکبر کے جانشین جہانگیر کے عہد یعنی ۱۰۱۹ھ مین بہاری مل ولد اجل بہتری نے ایک نیا ترجمہ تیار کیا (اسپرنگر ۱۲۶۰ برلن اور انڈیا آفس نمبر ۱۲۵)۔

صاحبقران ثانی شاہجہان کے عہد دولت مین یعنی ۱۰۶۱ھ مین وشوراسے ولد ہرگربھداس کایستھ نے مذکورۂ بالا دونون نسخون سے ایک تیسرا نسخہ تیار کیا۔ اورنگ زیب کے زمانہ مین کرشن داس لاہوری نے پھر نیا لباس پہنا کر کرشن بلاس نام رکھا۔ ان کے باسوا اسکے چند اور ترجمے بھی ہوئے ہین۔ (۱) شاہجہان کے زمانہ کا کسی مجہول الاسم مترجم کا (انڈیا آفس نمبر ۱۲۷) (۲) چند و ولد مادھورام کا ترجمہ کو پنہیگن نمبر ۰) (۳) گلشن راز جسکے مترجم کا نام نامعلوم ہے ۔ ۱۲۱۹ھ مین مسٹر ای جی بیلی کے حکم سے سید امداد علی اور شیو سہائے کایستھ کا ترتیب دادہ۔

اب ہم چند نقطۂ ان مصنفون کی خاص و مستقل تصانیف کی نسبت لکھینگے جو یا تو ہندوستان ہی مین پیدا ہوے یا اسکو وطن بنا لیا تھا۔ ایسے عشقیہ یا حیرت انگیز قصون پر طبع آزمائی کی اور زور قلم دکہایا جنہون نے اس ملک مین جنم لیا تھا۔ یہین پہلے پہولے تھے اور فارسی لباس مین جلوہ

دکھانے سے پہلے ہی ہندوستان کی موجودہ بھاشاؤں خصوصاً ہندی و سندی مین بڑ اچھے تھے مولانا ضیاء الدین برنی فرماتے ہین کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ مین اور اُسی کے نام پر مولانا داؤد نے نورک و چندا کی داستان عشق و محبت پر ایک ہندی نظم لکھی جو حرارت و جذبات عشق سے ایسی بھری ہوئی تھی کہ اُس زمانہ کے نہایت مقدس واعظ مخدوم شیخ تقی الدین جامع مسجد دہلی مین ممبر پر اسکے اشعار با لحان پڑھتے اور وعظ کہنے لگے۔ ایک روز ایک بوجہ بھکر مولوی صاحب نے اس ہندی نظم کے ساتھ اس عجیب شغف کا سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب مین ارشاد کیا کہ اس نظم کے مضامین صوفیون کے عقائد سے پورا اتحاد رکھتے ہین اور آیات قرآنی سے متفق ہین ہندوستانی قوال اسے نہایت ذوق و شوق سے وجد مین آآکر گایا کرتے تھے۔

اب ہم اُن قصون کا ذکر کرتے ہین جو فارسی شعراء کے ہاتھ لگانے سے پہلے قومی اہمیت پیدا کر چکے تھے۔ اس قسم کے پانچ افسانے حسب ذیل ہین (۱) کامروپ و کام لتا (۲) مدھو مالتی و منوہر (۳) پدماوت و رتن سین (۴) نیون و سیسی (۵) ہیر و رانجھا۔ نل و دمینتی کی داستان بھی جسے فیضی نے اپنے خمسہ مین پہلی جگہ دیکر نظم کیا۔ نہایت لطیف و دلکش ہے مگر مذکورۂ بالا پانچون داستانون کی طرح قومی معاشرت پر اثر ڈالنے والی نہین پہلا قصہ راجہ او دھ راج پتی کے بیٹے کامروپ اور لنکا کی شاہزادی کام لتا کے عشق کا افسانہ ہے۔ اسکا سب سے پہلا فارسی منظوم دستور ہمت ہے جو سنہ ۱۰۲۶ مین نظم کیا گیا اور جسمین وزن نے ضرورت سے ناظم کو مجبور کیا ہے کہ نائکہ یعنی شاہزادی کی نام کو بدلکر لتا کام بنا دے۔ اگرچہ کتاب کے نام سے تو ایسا ہی ذہن مین آتا ہے مگر کتاب کے مصنف غالباً وہ ہمت خان نہ تھا جسے اورنگ زیب کی عنایت نے ترقی دیکر میر بخشی کے درجہ تک پہنچا دیا تھا بلکہ شاہزادہ مراد بخش تھا جو ہمت خان کی بہ نسبت ہندی ادبیات سے کہین زیادہ واقف تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہمت خان کے انتقال کے بعد اُسکی قبل از مرگ خواہش و التجا کے مطابق مراد نے اُسکے نثر ترجمہ کو منظوم کیا یہ ابتک بھی بحث طلب سوال ہے کہ ہمت خان کا یہ نثر ترجمہ عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر میر کاظم حسین کریم کے ترجمہ پر کہان تک مبنی تھا عالمگیر کی سلطنت مین ٹیک چند ولد بلرام نے اپنی مثنوی گلدستۂ عشق مین پھر اسی قصہ کو بیان کیا۔ اسکے بعد حاجی ربیع انجب نے پھر اسے فارسی مین نقل کیا۔ اس شخص نے سو برس کی عمر پائی

محمد شاہ کی سلطنت مین بہت سی سیر و سیاحت کے بعد دہلی مین سکونت گزین ہوا تھا نظامی گنجوی
کے خمسہ کے جواب مین ایک خمسہ نظم کیا۔ مہابھارت کا جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے منظوم فارسی
ترجمہ کیا اور ایک ضخیم دیوان اور دوسرے کئی ایک نثر کی کتابین یادگار چھوڑین۔ اُسکی اس نظم
کا نام فلک اعظم ہے۔ ۱۷۴۲ء مین یہ اختتام کو پہنچی (برٹش میوزیم) ۱۸۰۵ء مین میر علی شیر نے جو بہت
سی بڑی بڑی کتابون کے مصنف ہین۔ پھر اسی داستان کے میدان مین اشہب خامہ کو جولان
دی سب سے آخر جسنے اسپر خامہ فرسائی کی وہ کوڑامل تھا۔ جسنے ۱۸۴۲ء مین انتقال کیا۔

دوسرے ہندی افسانے یعنی مدھو مالت اور منوھر کے قصہ کو اولاً تو شیخ جمن نے ہندی
مین اور اُسکے بعد ۱۶۴۹ء مین ناصر علی سرہندی نے فارسی مین نظم کیا۔ مگر زیادہ مشہور اور پسند خاطر
خاص و عام میر عسکری عاقل خان کی نظم ہے جو عالمگیر کے عہد مین چوبیس سال کی عمر سے لیکر مرتے
دم تک دہلی کے حاکم تھے۔ اُنکی مثنوی جسکا نام مہر و ماہ ہے ۱۶۵۵ء مین لکھی گئی۔ اسمین مدھو مالت و
منوہر کی جگہہ زیادہ دل آویز فارسی نامون مہر و ماہ کو دیدی ہے۔ اسکے تین سال بعد علی عادل شاہ
والی بیجاپور نے عاقل خان کی مہر و ماہ پر اپنی گلشن عشق کی بنیاد رکھی جسکی زبان دکھنی اُردو ہے۔
۱۷۴۹ء مین اپنی مثنوی مجمع البحرین مین ظہیر کرمانی نے پھر اسی افسانہ پر طبع آزمائی کی۔

تیسرے ہندوستانی افسانہ یعنی پدماوت و رتن سین کے قصے کو پہلی بار شاعرانہ طرز بیان دو
ہندی نظمون کی بدولت نصیب ہوا جنمین سے چتل اور دوسری ملک محمد جائسی نے ۱۵۴۰ء مین بھاشا
مین لکھی جسین غزنوی کی اسی مضمون کی فارسی مثنوی کی تاریخ چونکہ معلوم نہین۔ لہذا کہا جا سکتا ہے
کہ اس قسم کی پہلی نظم جو فارسی ادب کے افق پر نمودار ہوئی وہ غالباً عبد الشکور بزمی کی مثنوی تھی۔
جو ۱۶۱۹ء مین رت پدماوت کے نام سے عالم وجود مین آئی۔ اسکے بعد نواب عاقل خان نے ۱۶۵۹ء
شمع و پروانہ لکھی جسے لچھمی رام نے نثر کا لباس دیکر فرح بخش نام رکھا۔ ۱۶۶۱ء مین حسین الدین نے
اسی مضمون پر زور طبع دکھا کر اورنگ زیب کے نام پر حسن و عشق لکھی۔ بعد ازان ضیاءالدین عبرت
دہلوی اور ان کے اُستاد عشرت نے فارسی سے اردو مین نقل کیا۔ پھر میر عبد الجلیل بلگرامی نے اسی
پر طبع آزمائی کی اور اخیر مین کسی ابراہیم نامی نے پشتو مین نقل کیا۔

پنو اور سسی کا عام پسند قصہ مذکورہ بالا تینون افسانون سے مختلف ہے یہ محض خیالی افسانہ

نہین بلکہ اسکی استوار بنیاد ایک سچے واقعہ پر رکھی گئی ہے۔ اس سندھی عاشق و معشوق کے قصہ کو سب سے پہلے مولانا حاجی محمد رضائی سندھی نے سنہ ۱۶۲۳ء مین فارسی نظم کے زیور سے آراستہ کیا اور زیبا و نگار نام رکھا۔ یہ نظم سید علی ٹھٹوی کی نثر پر مبنی ہے جنہون نے اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا اور قلمبند کیا تھا سنہ ۱۷۲۳ء مین منشی جسونت نے پھر اسی مضمون پر ایک فارسی مثنوی مین زورِ قلم دکھا کر سسی و پنون نام رکھا اٹھارہوین صدی کے شروع مین لالہ چندر پرکاش نے اسی قسم کے واقعات پر ایک اور فارسی مثنوی لکھکر دستورِ عشق نام رکھا اور روہیلون کے نامی سردار حافظ الملک حافظ رحمت خان کے بیٹے نواب محبت خان نے مسٹر جانسن کی درخواست پر اُردو مین بھی ایک سسی و پنو لکھی اور اسرار محبت نام رکھا۔

پانچوین اور آخری ہندی افسانے یعنی پنجاب کے وامق و عذرا ہیر اور رانجھا کے قصہ کو ابتدأ دامودر پنجابی نے ہندی مین لکھا تھا۔ اسکے دو فارسی منظوم قالب اتبک موجود ہین ایک شاہ فقیر اللہ آفرین کا ہیر و رانجھا یا راز و نیاز (برٹش میوزیم آر ۳۴۸) جنھون سنہ ۱۷۴۱ء مین اپنے وطن لاہور مین انتقال فرمایا۔ اور دوسرا میر قمر الدین منت کا ہیر و رانجھا جو سنہ ۱۷۳۶ء مین دہلی مین متولد ہوئے سنہ ۱۷۷۷ء مین لکھنو رونق افروز ہوئے۔ مسٹر رچرڈ جانسن کی عنایت سے وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل کی ملاقات سے کلکتہ مین مشرف ہوئے۔ نواب ناظم بنگالہ کے دربار سے ملک الشعراء خطاب پایا اور سنہ ۱۷۹۳ء مین بحالم غربت کلکتہ سے رہگراے عالم بقا ہوئے۔ اُنھون نے اپنی مثنوی سنہ ۱۷۸۱ء مین ختم اور اپنے مربی مسٹر جانسن کے نام سے معنون کی (انڈیا آفس نمبر ۱۳۱۹)۔ آخر الذکر دونون مثنویون کے بیچ مین منشی منسارام کا افسانۂ نثر جگہ لیے ہوئے رہے۔

اسی قسم کے مگر ان سے کم مرتبہ دوسری نظمین جو سراسر ہندی سرچشمون ہی سے نکلی ہین۔ حسب ذیل ہین (۱) ملا حمید کا عبرت نامہ جو سنہ ۱۶۰۷ء مین اختتام کو پہنچا (۲) ایک تنبولی کے لڑکے رامچند کا دل ہلانے والا قصہ میر شمس الدین فقیر مصنف حدایق البلاغت کے زورِ قلم کا نمونہ (۳) حسن علی عزت کی مثنوی لعل و گوہر جو ٹیپو سلطان والی میسور کی فرمائش سے لکھی گئی۔

ہندوستان کی فارسی افسانہ نویسی منظوم کے نشو و نما اور ارتقا کے اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے امیر خسرو دہلوی کے اُس اچھوتے انوکھے طریقہ پر جو اُنھون نے اپنی مثنوی دیول رانی خضر خان

مین اختیار کیا۔ یعنی خود اپنے زمانہ کے دیسی واقعات و حادثات کو موضوع فسانہ نویسی بنانے پر ایک نظر ڈالنا از بس مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ طوطی ہند کے اس طبع زاد امید افزا نوائے تازہ کے متعلد بہت کم پیدا ہوئے۔ بعد کے نساخ و انکارمین بہت ہی کم ایسے ہین جو واقعہ نگاری منظوم کی اس قسم مین شامل ہونے کے شایان ہون انہین اور افسانون مین سے ایک حسین اور نوعمر ہندو لڑکی کے حسرتناک موت کا قیامت خیز قصہ ہے ماثر الکرام کے بیان کے مطابق اسکی مختصر داستان یہ ہے کہ اکبر اعظم کے عہد حکومت مین ایک ہندو نوجوان اپنی شادی خانہ آبادی سے ایکدن پہلے آگرہ مین چہتے کے بازار سے گزر رہا تھا کہ چھت دفعتہً دہم سے آرہی اور جوان دب کر مرگیا۔ بدنصیب عروس نے جو دولت حسن سے مالا مال تھی یہ خبر سنکر ہندو رسم ورواج کے مطابق ستی ہونے کا یعنی نامزد شوہر کی چتا پر اپنے آپ کو جلاکر اپنی راکھ کو شوہر کی راکھ مین ملا دینے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ افواہ بادشاہ کے کان تک پہنچی تو اُسنے اس نوعمر ناشاد نامراد جان دینے والی کو بلاکر طرح طرح کی تسلی دی سمجھایا بجھایا قسم قسم کی عنایتون اور مہربانیون کے وعدے کئے کہ اس خوفناک خودکشی سے باز آئے مگر من چلی لڑکی نے ایک بھی نمانی اُسکے مستقل عزم مین ذرہ برابر بھی تزلزل نہ آیا اور دلیرانہ شعلون مین کودکر شوہر کے ساتھ راکھ کا ڈھیر ہوگئی۔ ملا نوعی خبوشانی نے جو اکبر کے زمانہ مین ایران سے وارد ہندوستان ہوا اور ۱۰۱۹ھ مین بمقام برہانپور سفر آخرت کیا شاہزادہ دانیال کے حکم سے اس دردناک حادثہ کو نہایت موثر مگر خون کن الفاظ مین اپنی چھوٹی سی مگر نہایت دلفریب مثنوی سوز وگداز مین بیان کرکے ثبت جرید دُرو زگار کیا۔

اب تک ہم اُن خزینہائے علوم کا ذکر کرتے رہے ہین جو سنسکرت سے عربی و فارسی مین منتقل ہوئے اسمین شک نہین کہ ابو معشر ابراہیم نوخی اور ابوریحان بیرونی جیسے ہمت والے لوگ جنھون نے لانبے اور پُرخطر سفر اختیار کرکے طرح طرح کی دشواریون کا سینہ سپر مقابلہ کرکے، اور برہمنون کے سخت تعصبات پر غالب آکر جو ہندون کو اپنے دیوبانی سکھانے اور اپنے علوم مقدسہ کے خزانے اُنپر کھولنے کو ناقابل معافی گناہ سمجھتے تھے ام الالسنہ کے سیکھنے اور ان بیش بہا فنون کے حاصل کرنے مین کامیاب ہوئے بیحد تحسین وآفرین شکر وسپاس کے مستحق ہین مگران بزرگون نے ہندی علوم و ادبیات پر جو کچھ بھی لکھا یورپ کے مستشرقین کی طرح اپنی مادری زبان یا عربی مین لکھا سنسکرت یا اور کسی ہندوستانی

زبان کے مضمار مین کبھی شدید ز قلم کو جولان نہ دی۔ لہذا اب ہم ہندوستان کی سب سے چلتی ہوئی
برج بھاشا یا ہندی کے ادبیات مین مسلمانون نے جو اضافے کئے اُن کا مختصر حال بیان کرین۔
رہی سنسکرت تو وہ مسلمانون کے اس ملک مین آنے سے بہت پہلے ہی مردہ ہو چکی تھی۔ ہندوستا
مین مسلمانون کے بود و باش اختیار کرنے سے پہلے ہی یعنی بہرام شاہ غزنوی ہی کے زمانہ مین اُسکے
درباری شاعر مسعود سعد سلمان نے بھاشا مین ایسی مہارت پیدا کر لی تھی کہ تذکرہ نویسون کے بیا
کے مطابق ایک ہندی دیوان اپنے بعد یادگار چھوڑا۔ اُس نادرۂ روزگار اعجوبۂ زمان امیر خسرو
کی نسبت جو فارسی مین اگر نظامی و سعدی کا مقابلہ کرتے تھے تو ہندی مین بھی کچھ کم اُستادی کے
ڈنکے نہ بجاتے تھے اور ملک محمد جائسی مصنف پدماوت کے متعلق ہمین بیان کچھ زیادہ کہنے کی ضرو
نہین کیونکہ اُنکی ہندی تصنیفات ہی اُنکے کمال کی کافی شاہد ہے آخر الذکر کی اُستادی کا لوہا اگ
ہندی کے ماہر مانتے ہین تو اول الذکر کو چھوٹے بڑے سبھی جانتے ہین۔ مولانا شبلی کا بیان ہے
پدماوت کے علاوہ ملک محمد جائسی نے دو اور ہندی نظمین بھی چھوڑی ہین جنکے قلمی نسخے ہنو
شاعر کے گھرانے مین محفوظ ہین شاہزادہ دانیال اور عبدالرحیم خان خانخانان بھی اپنے زمانہ
مشہور ہندی شاعر تھے جنکا جہانگیر اپنی تزک مین خاص طور پر ذکر کرتا ہے۔

ہمارا مضمون چونکہ اب بھی اون ابعاد ثلثہ سے جو ابتدا ہم نے اپنے ذہن مین اُسکے لیے
کئے تھے متجاوز ہو چکا ہے اور مسلمان مصنفین اور شعرائے ہندی کی تعداد ہزارون ہے لہ
ہمکو بطور مشتے نمونہ از خروارے صرف ایک شہر کے سربرآوردہ منتخب اصحاب کے مختصر ذ
پر بمجبوری قناعت کرنی پڑتی ہے تاکہ ناظرین کو سارے ہندوستا کی مجموعی تعداد کی عظمت کا کچھ اندا
ہو سکے۔ اس غرض سے ہمنے جس مقام کو منتخب کیا ہے وہ صوبہ اودھ کا مردم خیز خطہ بلگرام ہے۔
قصبہ کے بیشمار دیبان ہندی مین سے مولانا غلام علی آزاد مرحوم نے اپنی مشہور تصنیف آثر الکرا
مین صرف آٹھ شخصون کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جنکی اعلےٰ درجہ کی شاعرانہ لیاقت او
ہندی کی حیرت انگیز مہارت نے ہمعصر ہندو ادیبون اور شاعرون سے سند استحسان و اعتر
فضیلت حاصل کی تھی مولانا موصوف نے ان حضرات کے نہ صرف مختصر حالات لکھے ہین بلکہ ہند
تصنیفات کے کثرت سے انتخابات بھی دیئے ہین ان سب کے پیش رو اور سب مقدم حضرت

نج شاہ محمد فرملی ہین جو عہد اکبری و جہانگیری کے ممتاز اور صاحب اقتدار امرا رین سے تھے جس
انہ ہین کہ آپ سرزمین رپرہی چندوار کے حاکم تھے ایک روز اثنائے شکار مین اتفاقاً فوج سے
اہو گئے اور ایک گانون کے پاس سے گزر ہوا۔ ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھا کہ اُپلے تھاپ رہی ہے
ڑکی جسکا نام چنیا تھا کلائیون مین وہ زیور جسے ہندی مین تایت کہتے ہین پہنے ہوئے تھے جسمین
یاہ ریشمی ڈورا پڑا تھا شیخ شاہ محمد نے دیکھتے ہی یہ برجستہ فقرہ کہا "کیا اچھا بھونرا کنول پر بیٹھا ہے
لی نے فوراً جواب دیا "بھونرا نہین گوبر دندہ ہے" شیخ لڑکی کی اس حاضر جوابی اور بذلہ سنجی سے
سے محظوظ ہوئے کہ اسکا گہرا نقش دماغ پر مرتسم ہوا تھا جلد ہی نکاح کی شکل مین ظاہر ہوا شیخ اور چنیا
اس قسم کے بہت سے سوال و جواب کا مدتون لوگون مین چرچا رہا دوہرا نے والے ہونٹ چاٹتے
سننے والے سر دھنتے رہے حضرت آزاد نے خود بہت سے نقل کئے ہین مگر افسوس کہ ہمارے
س ان کے لیے گنجائش نہین۔

ان سے بھی زیادہ صاحب آواز ہندی شاعر سید نظام الدین مدہنایک تھے جنھون نے مدتون
س مین رہکر سنسکرت و بھاشا کی باقاعدہ تحصیل کی اور ان زبانون مین اور نادتال، سنگیت
علم مین وہ کمال پیدا کیا کہ جسطرح تان سین کی نسبت مشہور ہے کہ دیپک گاکر بن مین آگ لگادی
اسی طرح ضعیف العقل اوہام پرستون مین ان کی نسبت بھی ایک روایت مشہور تھی کہ آپنے ایک
ے سالی کے زمانہ مین لوگون کے گڑگڑانے پر میگھ راگ گاکر پانی برسا دیا تھا۔ آپ موسیقی مین دو
لانہ کتابون کے مصنف بھی ہین جنمین سے ایک کا نام نادچندر کا اور دوسری کا نام مدہنایک سنگار

ایک اور بلگرامی ہندی شاعر جنھون نے دور دور تک شہرت حاصل کر رکھی تھی سید رحمت اللہ
وشاہ شجاع ابن شاہجہان کے مدح سرا مشہور ہندو شاعر چنتامن کے ہمعصر تھے یہ بڑے خاندانی
ے عالمگیری مین سے تھے۔ چنتامن نے ہندوستان کی مخصوص قسم تشبیہ ازمنیا النکار پر مشتمل ایک
لما جسکے آخر مصرعے مین اُس نے اس صنعت کو اپنے خیال مین ایسے خوبصورتی سے برتا تھا کہ سارے
مین سے گوے سبقت لیجانے کا دعویٰ وفخر کرتا تھا صنعت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شئے کو آپ ہی اپنا
نا کر اُسکے عدیم النظیر ہونے کا دعویٰ کیا جائے جیسے جلالائے طبا طبائی کہتا ہے۔

آب رخ آئینۂ جم منم ہو منے گر بود آہنم ستم

چنتامن نے اس تشبیہ کو یون ادا کیا تھا "دامر گ نینی کی لکھے واہی کیسی نین" حکومت جاجہو کے زمانہ مین چنتامن کے ایک شاگرد نے یہ مصرع بڑے فخر کے ساتھ سید رحمت اللہ کو سنایا تو سید موصوف سنتے ہی بول اُٹھے کہ پہلی بسم اللہ ہی غلط ہے یعنی لفظ مرگ نینی (آہو چشم) ہی مین تشبیہ غیر موجود ہے۔ چنتامن کے کان تک یہ تنقید پہنچی تو پھڑک اُٹھا اور غلطی کا بے تکلف اقرار کے مصرع کو یون بدلا "واسمندر کی مین لکھی واہی کیسی نین" اور سید کی دقیقہ سنجی نکتہ رسی کا ایسا گہرا نقش دماغ پر بیٹھا کہ تھوڑے ہی دن بعد سید کی مدح مین ایک آب و تاب نظم لکھکر حاضر خدمت ہوا جسکے صلہ مین سید صاحب نے ایک خلعت اور بیش بہا انعام شاعر کے پاس بھیجا مگر چنتامن نے خود سید کے دست مبارک سے خلعت پہننے پر اصرار کیا چنانچہ اُسکی التجا پوری کی گئی اسپر اُسنے سید موصوف کی مدح مین کئی ایک اور نظمین لکھین جو سب کی سب اُسکی کبت بچار مین موجود ہین۔ سید رحمت اللہ نے ایک ضخیم مجموعہ ہندی نظمون کا اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ اسکا نام پورن رس ہے۔

ان کے بعد میر عبد الجلیل بلگرامی بھی جنکے مثل عربی کا ادیب و شاعر خاک ہند نے دوسرا نہین پیدا کیا ہندی کے مشہور شاعر تھے۔ ایک ضخیم جلد ہندی نظمون کی موسوم بہ سکھ نکھ ان کی یادگار میر عبد الجلیل کے بھانجے سید غلام نبی بھی ہندی کے جلیل المرتبہ شاعر اور دو ہندی کتابون انگ درپن (سراپا) اور نائکہ درپن یا رس پر بودھ کے مصنف تھے۔ اسی طرح سید برکت اللہ پریم پرکاش کے مصنف ہین جو دوہون، کبتون، بشنپد دوہرپد وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ان کا ہندی تخلص پیمی تھا۔

اس ضمن مین اُن کثیر التعداد ترجمون کو بھی نظر انداز نہین کرنا چاہیے۔ جو عربی فارسی سے ہندی مین کئے گئے۔ انکی تعداد اتنی بڑی ہے کہ ہم یہان اُسے ہاتھ بھی نہین لگا سکتے۔ جنھین شوق دریافت ہو وہ سکندر لودی، سلطان زین العابدین، ابراہیم عادل شاہ، اکبر اور اُسکے جانشینون کے مورخین معاصر کے تصنیفات کا مطالعہ فرمائین۔

فدا علیخان رامپوری ایم اے

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی

آپ تقریباً ۱۸۳۷ء مین بمقام پانی پت ضلع کرنال پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش
ن مین ہی والد بزرگوار کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ اور آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے
بڑے بھائی خواجہ امداد حسین کی زیر نگرانی رہی۔ کچھ عربی فارسی کی استعداد حاصل کی تھی کہ عنفوان شباب ہی
مین تعلقاتِ دنیا کے پھندون مین پھنس گئے اور آپ کی شادی ہو گئی۔ لیکن شہباز علم آپ کو پرواز
کی تعلیم دے رہا تھا اور چونکہ آپ کی سسرال خوشحال تھی اور گھر بار کی طرف سے ایک گونہ آپ کو بیفکری تھی۔
لہذا آپ پانی پت سے بغرض تحصیل علم دہلی پہنچے اور یہان علوم مروجہ مین انتہائی درجہ تک تکمیل علم کی۔
۱۸۵۶ء مین فارغ التحصیل ہو کر ضلع حصار کی محکمۂ کلکٹری مین مختصر سی جگہ پر مامور ہوئے لیکن
۱۸۵۷ء کے پرآشوب زمانہ مین یہ ملازمت بھی ترک کرنی پڑی اور ابتدائے شباب ہی مین نواب مصطفیٰ خان
شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کے صاحبزادون کی تعلیم آپ کے سپرد ہوئی۔ اس تعلق سے آپ کو مفتی صدر الدین
خان نیر درخشان اور حضرت غالب مرحوم کی خدمت مین باریابی کے اکثر مواقع ملتے رہے۔ آپ دہلی
کے اُن معرکۃ الآرا مشاعرون مین شریک ہوئے ہین جنکے دیکھنے والے بھی اب شاید مفقود ہو چلے ہین۔
آپنے مرزا غالب کو دیوان عام دہلی کے شاہی مشاعرون مین فارسی اور اردو دونون زبانون مین غزل
پڑھتے سنا ہے۔ الحاصل آپ حضرت غالب کے حلقۂ تلمذ مین داخل ہوئے آپ جناب مرزا صاحب کے
ارشد تلامذہ مین سے ہین۔ آپ کی عالی دماغی اور سخن فہمی اُس زمانے مین بھی اپنے جوہر دکھاتی تھی۔
طبیعت مین شعر کا صحیح مذاق تھا۔ عربی اور فارسی دونون زبانون مین آپنے دادِ سخن دی ہے۔ آپ مرزا غالب
کی آخری علالت اور وفات کے موقع پر دہلی مین موجود بلکہ اُن کی تجہیز و تکفین مین شریک تھے۔ ان کی
وفات پر سالک مجروح اور حالی تینون رشید شاگردون نے ایک ساتھ مرثیے لکھے ہین اور وفات کی
تاریخین کہی ہین مگر انصاف یہ ہے کہ جو رتبہ و مقبولیت مولانا حالی کے اس مرثیے کو حاصل ہوئی ہے وہ

کسیکو نصیب نہین ہوئی۔ اسی طرح جو مرثیہ آپ نے حکیم محمود خانصاحب مرحوم دہلوی کی وفات پر لکھا آپ کے تمام کلام مین ایک عالی رتبہ رکھتا ہے۔

عرصے کے بعد لاہور مین بسبب تعلقات ملازمت پہنچے۔ یہان آپ نے برکھارت اور حب وطن انصاف و تعصب اور چند دیگر قومی نظمین لکھین نیچرل شاعری کا شوق آپ کو کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے دلایا چنانچہ آپ نے چند نیچرل نظمین لکھین۔ لیکن آپ بسبب ناموافقت آب و ہوا ایک دو سال کے بعد اینگلو عربک اسکول دہلی مین بعہدۂ مدرسی واپس چلے آئے۔ اور یہان آپنے اپنا مشہور و معروف مسدس (مدوجزر اسلام) لکھا جسکی شہرت چاروانگ ہند مین پھیلی نثر مین تعلیم نسوان کے متعلق آپ نے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام مجالس النسا رہے۔ اسمین بالکل عورتون کی زبان اور عورتون کے محاورات برتے ہین۔ یہ کتاب عورتون کی ضروری تعلیم و اصلاح کے لیے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی حیات سعدی۔ یادگارِ غالب اور حیات جاوید آپ کی بہترین تصانیف ہین۔

آپ نے اپنے مقدمہ دیوان مین جو شعر و شاعری پر بحث کی ہے اور اساتذہ عرب و یورپ کے اقوال کا مقابلہ کیا ہے وہ قابل دید ہے۔ اور فنّ شاعری حاصل کرنے کے لیے ایک عمدہ ذریعہ ہے۔

آپ ۱۸۹۰ء مین سرسید احمد خان کی معیت مین حیدرآباد دکن بغرض فراہمی چندہ علیگڈھ کالج کی طرف سے گئے تھے۔ اسوقت وہان کے مدارالمہام نواب سر آسمان جاہ بہادر تھے۔ وہان آپنے کئی نظمین پڑھین۔ اُسی زمانہ مین آپ کا ماہوار وظیفہ بھی ریاست دکن سے مقرر ہو گیا۔ جسکے بعد آپ بارِ ملازمت سے بالکل سبکدوش اور دست کش ہو گئے۔

آپ آخر عمر مین پانی پت مین قیام رکھتے تھے اور گاہ گاہ دہلی یا میرٹھ چلے جاتے تھے۔ آخر ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔

حالی کی شاعری اطرافِ ہند مین مقبول خاص و عام ہوئی۔ لیکن یہان ہمکو آپ کے دیگر اصناف سخن سے قطع نظر کرکے صرف رنگ تغزل کو دیکھنا ہے کہ اس کوچہ مین آپ کی کہان تک رسائی ہے۔ عام طور پر آپ کو محض نیچرل یا قومی شاعر سمجھا جاتا ہے۔ اور لوگ آپ کی قدیم شاعری پر ایک نظر ڈالنے کی بھی تکلیف گوارا نہین کرتے۔ یہ سراسر غلطی ہے۔ آپکا قدیم و جدید کلام رنگ

تغزل مین اپنا ایک خاص اثر رکھتا ہے۔ پڑھیے تو معلوم ہو کہ زبان کسقدر صاف اور منجھی ہوئی ہے خیالات کسقدر بلند ہین۔ بیش یا افتادہ مضامین نہین پائے جاتے صرف کنگھی اور چوٹی کے اشعار نہین۔ بعض اشعار غالب مرحوم کے رنگ مین پائے جاتے ہین۔ مطالب کے لحاظ سے بھی دقیق ہین۔ غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے کیا بات کہی ہے اور کیا خوب کہی ہے۔ طرز کلام شیرین اور طرز ادا نرالی ہے۔ بعض اصحاب آپ کی بعض نظمون پر یہ اعتراض کرتے ہین کہ وہ متروک الفاظ استعمال کر جاتے ہین یہ اعتراض کہانتک صحیح اور بجا ہے اس سے ہمین غرض نہین لیکن ہم یہ ضرور کہین گے کہ آپ کی غزلون مین تو ایک لفظ بھی کوئی صاحب ایسا نہین دکھا سکتے جو ان کے زعم مین بھی قابل اعتراض سمجھا جاوے۔ اسمین شبہ نہین کہ آپ کے کلام مین وہ رنگینی و دلفریبی نہین پائی جاتی جو حضرت داغ کا جوہر اصلی ہے۔ تغزل کا میدان بہت تنگ ہے اور اگلے استادون نے اب کوئی بات چھوڑی نہین تاہم آپ کی غزلین پڑھنے اور سر دھننے کے لایق ہین۔

بیگانگی مین حالی یہ رنگِ آشنائی
سن سن کے سر دھنین گے قال اہلِ حال تیرا

ذیل مین مولانا حالی کے بہتر اشعار انتخاب کرکے درج کیے جاتے ہین۔ دیوان مین اس قسم کے اور اشعار بھی بکثرت ہین لیکن ہماری مفروضہ تعداد ہمکو آگے بڑھنے کی اجازت نہین دیتی۔

کلامِ حالی

۱ پردہ ہو لاکھ کینۂ شمر و یزید کا — چھپتا نہین جلال تمہارے شہید کا

۲ قفلِ درِ مراد سب اک بار کھل گئے — چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا

۳ دوزخ ہے گرد سیع تو رحمت وسیع تر — لاتقنطو جواب ہے ہل من مزید کا

---

۴ یون بے سبب زمانہ پھرتا نہین کسی سے — لے آسمان کچھ اسمین تیرا بھی ہے اشارا

---

۵ رونا نہ ہوگا حالی شاید یہ کم تمھارا | جیب دیکھو تو آنسوؤن سے دامن ہے نم تمھارا

۶ روسی ہوان یاتاری ہم کو ستا تنگ کیا | دیکھا ہے ہم نے برسون لطف و کرم تمھارا

---

۷ یارب غالب وصل ہو یا ہو طرب وصل | جسدن کہ یہ دونون ہون وہ دن نہ دکھانا

---

۸ کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا | اک چراغ اور سر راہ جلایا جاتا

۹ عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید | خودبخود دل مین ہے اک شخص سمایا جاتا

---

۱۰ خلوت مین تری صوفی گر نور صفا ہوتا | تو سب مین ملا رہتا اور سب سے جدا ہوتا

۱۱ تھا آفت جان اُسکا. انداز کمانداری | ہم بچکے کہان جاتے گر تیر خطا ہوتا

۱۲ کل حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ | سننے ہی کے قابل تھا تمنے بھی سنا ہوتا

---

۱۳ پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا | تھا حسن میزبان کوئی مہمان نہ تھا

۱۴ ملتے ہی ان کے بھول گئین کلفتین تمام | گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہ تھا

۱۵ سچ ہے کہ پاس خاطر نازک عذاب ہے | تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہربان نہ تھا

۱۶ تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دلمین چبھ گئی | مانا کہ اسکے ہاتھ مین تیر و سنان نہ تھا

---

۱۷ اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا | رو رو کے اور ہمکو رلانا ضرور تھا

۱۸ تھی ہر نظارہ محرم دیدار ورنہ یان | ہر خار نخل ایمن و ہر سنگ طور تھا

۱۹ حالی نہ قدر رحمت حق پارسا نے کچھ | ٹھہرا قصوروار اگر بے قصور تھا

---

۲۰ دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائیگا | سینے مین داغ ہے کہ مٹایا نہ جائیگا

۲۱ تمکو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط | الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا

---

۲۲ وہ امید کیا جسکی ہو انتہا — وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

---

۲۳ اک خوشی ہو گئی ہے تحمل کی ورنہ اب — وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا

۲۴ غربت کے مشغلوں نے وطن کو بھلا دیا — خانہ خراب خاطرِ الفت شعار کا

---

۲۵ وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبطِ راز تھا — چہرہ سے اپنے شورش پنہاں عیاں ہوا

---

۲۶ گو جوانی میں تھی کج رائی بہت — پر جوانی ہمکو یاد آئی بہت

۲۷ وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے — مینھ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

---

۲۸ اُسکے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت — نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

۲۹ کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل — کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت

۳۰ ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں — دیکھنا آپ کی اور آپکے گھر کی صورت

---

۳۱ تعزیرِ جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب — بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

۳۲ کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم — ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد

۳۳ مدت سے تھی دعا کہ ہوں بدنام شہر شہر — بارے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

---

۳۴ داستان گل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل — ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز

۳۵ آخری دور میں بھی تجھکو قسم ہے ساقی — بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز

---

۳۶ اعتراضوں کا زمانہ کی ہے حالی پہ ہجوم — شاعر اب ساری خدائی میں ہے کیا ایک ہی شخص

---

۳۷ رہا ہون رند بھی اے شیخ پارسا بھی مین — مری نگاہ مین ہے رند و پارسا ایک ایک

---

۳۸ آگے بڑھے نہ قصہ عشق بتان سے ہم — سب کچھ کہا مگر نہ کھلے رازدان سے ہم

۳۹ اب بھاگتے ہین سایۂ عشق بتان سے ہم — کچھ دل سے ہین ڈرے ہوئے کچھ آسمان سے ہم

۴۰ جنت مین تو نہین اگر اے زخم تیغ عشق — بدلینگے تجھکو زندگی جاودان سے ہم

---

۴۱ کہتے ہین جسکو جنت وہ اک جھلک ہے تیری — سب واعظون کی باقی رنگین بیانیان ہین

---

۴۲ ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہان — اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہان

۴۳ یا رب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر — تھا اسکو ہم سے ربط مگر اسقدر کہان

۴۴ ہم جس پہ مر رہے ہین وہ ہے بات ہی کچھ اور — عالم مین تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہان

---

۴۵ کچھ پتا منزل مقصود کا پایا ہم نے — جب یہ جانا کہ ہمین طاقت رفتار نہین

---

۴۶ بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر — ابھی کچھ لوگ باقی ہین جہان مین

---

۴۷ جی ڈھونڈتا ہے بزم طرب مین انھین مگر — وہ آ کے انجمن مین تو پھر انجمن کہان

۴۸ کہتا ہے غیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے — شکوہ کو ہیگا لیک وہ بیداد فن کہان

---

۴۹ مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا — مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

---

۵۰ کہدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہین پیاسے — گر مے نہین دے زہر ہی کا جام بلا سے

۵۱ درگذرے دوا سے تو بھروسہ یہ دعا کے — درگزریں دعا سے بھی دعا ہے یہ خدا سے

---

۵۲ کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے — کل بتا دیگی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

۵۳ واعظا اک عیب سے تو پاک ہے یا ذاتِ خدا — ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے

---

۵۴ کہا جو ہمنے وفا کرتے آئے ہیں احباب — کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے

---

۵۵ دیکھ اے بلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھولکر — پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے

۵۶ تجھ میں جوت اے شمع ہے کس برقِ عالم سوز کی — جان و دل سے جسپہ پروانہ یوں قربان ہے

---

۵۷ پردے بہت سے وصل میں بھی درمیاں رہے — شکوے وہ سب سنا کئے اور مہرباں رہے

۵۸ پوچھی گئی نہ بات کہیں پاس وضع کی — اتنے ہی ہم سبک ہوے جتنے گراں رہے

۵۹ دیر و حرم کو تیرے فسانوں سے بھر دیا — اپنے رقیب آپ رہے ہم جہاں رہے

۶۰ یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا — ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

۶۱ دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام — کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

۶۲ حالی سے ملکے ہوگئے تم افسردہ دل بہت — اگلے سے ولولے وہ اب انمیں کہاں رہے

---

۶۳ جسکو غصہ میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے — آج دل لیگا اگر کل نہ لیا یاد رہے

۶۴ ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر — نہو برتاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے

۶۵ ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ — حضرت اس لطف کا پائینگے مزا یاد رہے

---

۶۶ ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے — آخر کو ہم حوالۂ تقدیر کر چکے

۶۷ اے دل اب آزمائشِ تقدیر کا ہے وقت — وہ امتحان جوہرِ شمشیر کر چکے

۶۸ ہیں عاشقی کی گرما ئین معلوم اُسکو ساری　　حالی سے بدگمانی بیجا ہنین ہماری

---

۶۹ دلکو درد آشنا کیا تو نے　　درد دل کو دوا کیا تو نے

۷۰ رہرو تشنہ لب نہ گھبرا نا　　اب لیا چشمہ بقا تو نے

---

۷۱ جان بھی نظر ہنین آتی　　غیر الفت بہت جتانے لگے

---

۷۲ حشر تک یان دل شکیبا چاہیے　　کب ملین دلبر سے دیکھا چاہیے

محمد یحیی تنہا

*

آج کل کثرت سے اخبارات وجرائد مین اس قوم کا نام آرہا ہے اسیلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر اسکے تاریخ بیان کردیجائے کہ گذشتہ زمانہ مین کیا کیا حالت تھی اور اب کیا سے کیا ہوگئی ہے -

اس قوم کا نام خود اسکے لیے قبائل مین مختلف طور سے لیا جاتا ہے چنانچہ قبیلہ کیفہ اربانیہ اور قبیلہ موسقہ مین اربریا مشہور ہے - آر بمعنی کھیت ہین اور بان وہ شخص جو کھیتی کرتا ہے اور کبھی کبھی نون کو رے سے بھی بدل لیتے ہین اس نسبت سے اربانیا یا اربریا کے معنی کاشتکار کے ہوئے - یہ پہلی قوم ہے جسنے سب سے پیشتر اس مفید ترین صنعت کو ایشیا سے لیجا کر یورپ مین رواج دیا -

اہل یونان اور اربانیا کو غلطی سے اروانتیس کہتے ہین وہ ب کو ے سے بدل لیتے ہین کیونکہ اول الذکر صرف ان کی زبان مین مقصود ہے اروانتیس مین نیتس اظہار نسبت کے لیے ہے اور اہل یونان کی اس غلط خیال کی بنا یہ ہے کہ وہ اربانیہ اس جگہہ کا نام سمجھتے ہین جہان یہ قوم رہتی تھی ترک ان بلاد مین داخل ہوے تو وہ اہل یونان کی طرح آرنا ایت کہنے لگے اور انھون نے سین زائد کو حذف کردیا اور تحریف کے طور پر واؤ اور نون کو مقدم ومؤخر کردیا (جس طرح عربی مین عربون سے رعبون ہوگیا) اور تا کو طا سے بدل کے واؤ کو بغیر کسی سبب کے کسرہ کے بجاے ضمہ دیدیا اور ناؤط ہوگیا -

آج کل یورپ مین بلکہ (عام طور پر) اس قوم کو البانی کہا جاتا ہے یعنی را کو لام سے بدل لیا ہے اور یہ دونون قریب المخرج ہین اکثر ایک دوسرے سے بدلتے رہتے ہین - عربی مین البرت اور البست کے ایک ہی معنی ہین - یعنی کاٹنا یہ بات علماے السنہ کے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ البانی زبان قدیم یونانی ، لاتینی ، صقلی ، غوطی ، اور سنسکرت کے مشابہ ہے ،

سلہ اس مضمون مین قاموس الاعلام مصنفہ شمس الدین سامی بک اور کتاب التاریخ سے مدد لیگئی ہے - حسان

نیز یہ کہ قدیم آرین زبان کی تمام شاخون سے زیادہ قدیم ہے، لیکن ان الفاظ کے متعلق جو قدیم یونانی اور البانی مین مشترک ہین کہ اس امر کی تحقیق کرنا کہ انکو یونانی سے البانی نے لیا ہے یا البانی سے یونانی نے بہت مشکل امر ہے۔ صرف وہی حضرات جو ان دونون سے واقفیت اور مہارت تامہ رکھتے ہون اور ان دونون زبانون مین ان کی دلچسپی توغل کی حد تک پہونچگئی ہو اس امر پر قادر ہوسکتے ہین

شمس الدین شامی بک نے دعویٰ کیا ہے کہ اکثر مشترک الفاظ ان کی البانی اور یونانی صورتین اس امر پر دلیل ہین کہ یہ الفاظ البانی الاصل ہین اور یونانی مین البانی سے ماخوذ ہین اور یہان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ زبان یونانی اور لاطینی سے قدیم تر ہے۔

دوسری آرین زبانون کے مقابل ہین ژند فارسی اور سنسکرت اسکی زیادہ مشابہت اس امر پر دال ہے کہ یہ آریہ زبان کے سوا کسی اور زبان کی شاخ نہین بلکہ براسہ ہجرت عمومی کے زمانہ مین وسط ایشیا سے آئی ہے۔

وطن اصلی سے ہجرت کرکے یہ لوگ مشرقی یورپ مین پھیل گئے جیسا کہ ان کے دوسرے ہمجنسون نے مغربی یورپ کو رہنے کے لیے پسند کیا۔ مشرقی یورپ مین پہنچکر کچھ لوگ الیریا جو آجکل البانیا کہلاتا ہے اور جسکے حالات کا اظہار اسوقت مقصود ہے، بومینیا ہرزے گونیا اور دوماسیا مین منتشر ہوگئے، کچھ لوگ دلماسیا قدیم (یعنی ولایت سانونی کا مناستر اور اسکوپ) کچھ تھریس مین جو دار السلطنت ایڈریانوپل ہے اور کچھ لوگ بلغاریہ کے ایک حصہ مین منتشر ہوگئے۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ جنھون نے اپنے وطن یعنی ایشیا کو یورپ پر ترجیح دی اور حب وطن کے جذبۂ صادق کے باعث یورپ کی دلفریبی ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے مین ناکام رہی، یہ لوگ فریجیون کہلاتے ہین اور ان کا ملک بحر ابیض مین اناطولیہ کے ساحلون سے لیکر سورس سے لیکر انگورہ تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ بات تاریخی دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہونچگئی ہے کہ مذکورۂ بالا چارون شاخین ایک ہی درخت کے تنے سے نکلی ہین۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اہل الیریا اہل مقدونیہ سے اور اصل تھریس اہل فریجیا سے زبان اخلاق عادات اور خصائل کے اعتبار سے ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہین ان چارون شاخون سے مرکب تنہ کو زمانہ قدیم مین بلاسج یا بلاسجی کہتے تھے۔

بعض محققین السنہ کا خیال ہے کہ یہ بلاق سے ماخوذ ہے اور بلاق مجلس شیوخ کو کہتے ہین آج بھی پہاڑی لوگ آپس کے نزاعات کو اپنے یہان کی مجلس شیوخ سے فیصل کراتے ین اور اسے بلاتونیہ کہتے ہین -

یہان سے یہ بات واضح ہوگی کہ یہ زبردست اور عظیم الشان قوم آج سے دو ہزار برس پیشتر ٹریسٹ سے منتقل ہوکر ہنگری سیورس اور اناطولیہ مین پھیل گئی -

جو لوگ اناطولیہ مین رہ گئے تھے، متعدد بار فارس اور یونان نے ان پر چڑھائی کی اور فتحیاب ہونے یہی وجہ تھی کہ فاتح قوم سے خلط ملط ہوکر ان کی قومیت ٹنگئی بلغاریہ اور سقتالیہ نے بھی اسیطرح اہل الیریا اور مقدونیہ سے بھی سلوک کرنا چاہا اور دو ایک مرتبہ چھیڑ چھاڑ بھی کی اس موقع پر متحد و متفق ہوکر وہ اس حصہ کو چھوڑکر الیریا کے حصون مین جا بسے اور اسی کو اپنی آزادو ماموں زندگی کے لیے کافی سمجھا -

وہ دوسری قومون سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے، حتیٰ کہ خود ان مین بھی جمعیت مفقود بھی چلیسا کہ آج بھی دیرہ اور اشقودرہ کے پہاڑ ونمین انکے اس انوکھی طرز تمدن کا پتہ لگایا جاسکتا ہے -

بعض اسیوجہ سے ان کے عادات خصائل قومی خصوصیات اور زبان اب تک محفوظ رہی لیکن اسکے ساتھ ہی اس تفرقہ کے باعث ان مین ادبیات اور قومی لٹریچر کا فقدان بھتا -

ایک زمانہ مین اس قوم نے حکومت کبھی بنا ڈالی تھی، چنانچہ اشقودریا مقدونیہ اور سالونیکا مین کئی ریاستین قائم کین ان سب کا مرکز تلایا شہر تھا جو سالونیکا کے ملک ارمق کے کنارے اوریکچہ داردا کے قریب آباد تھا -

اس قوم کے امرائے سلاطین مین سکندر بن فیلب سب سے زیادہ مشہور ہے، یہ بادشاہ البانی الاصل اور البانی النسب ہے، اُسنے یونان مین تعلیم و تربیت حاصل کی اور یونانی عادات و اخلاق اسمین سرایت کرگئے حتیٰ کہ یہ لوگ اُسے یونانی ہی سمجھنے لگے؛ حالانکہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے -

اسکے یونانی نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یونان کے مشہور خطیب دِمستھینس کی وہ تقریرین

ہیں جسمین اُسنے اہل آشینہ کو البانیہ کے خلاف بھڑکایا ہے۔ اور ان آفریدون مین وہ سی مادث کا نام لینے کے بجائے بار بار وس یعنی عجمی کہا ہے۔

البانیہ کے مشہور بادشاہون مین پیروس کا نام لیا جاسکتا ہے۔ اُس نے دو مرتبہ رومانیہ پر غلبہ حاصل کیا اور ایک سے زائد مملکتو نپر قابض ہوگیا۔ لیکن اس فتح وظفر کی حالت بالکل سیلاب کی سی تھی فتح کرنے کے بعد مستقل قبضہ نہ ہوسکا اور نہ حکومت قائم کیجا سکی۔ اسی لئے اس بادشاہ کے جانشینون کے پاس صرف وہی ممالک رہ گئے جو آباؤاجداد سے چلے آئے تھے۔

اہل البانیہ جنھون نے سکندر کے عہد مین اپنے قبضہ اثر سے ایک زمانہ پر تسلط قائم کرلیا تھا۔ اہل روم کے زیر اقتدار رہنا اپنی سخت ذلت سمجھی بلاشبہ وہ ایک شجاع قوم تھی اُسکی زبردست کارنامے فاتحانہ معرکہ آرائیان شجاعت و دلاوری کی زبردست دلیلین تھین۔

۱۶۸ء (ق م) مین جول آئیل روم کا ایک مشہور جنرل ایک لشکر جرار کے ساتھ ان کو ہم دکھانے آیا اُسنے اُنکو کامل شکست دی۔ شہر کے شہر اور گانون گانون تباہ و برباد کردینے سے ہزار البانی مقتول اور ڈیڑھ لاکھ کے قریب قید ہوے جنکو اُسنے اپنے ملک مین لیجا کر بیچ ڈالا۔

لیکن کیا اُنھون نے روم کی طاعت قبول کرلی، ہرگز نہین انھون نے اُس وطن کو جسپر غیرون نے قبضہ کرلیا تھا خیرباد کہا اور پہاڑون کے قدرتی قلعون کو اپنا مامن سمجھکر اُس مین جا بسے اور اسطرح فقر و فاقہ کی آزادانہ زندگی کو عیش و آرام کی غلامانہ زندگی پر ترجیح دی انھین حالات مین زندگی گذر رہی تھی کہ سلاطین بنو عثمان روم مین داخل ہوئے لیکن ۱۴۴۳ء مین البانیہ کے امرا مین سے ایک شخص اسکندربک نے جو ایک بہادر انسان تھا اور غیر معمولی دل و دماغ رکھتا تھا تمام قوم اپنی زیر سیادت جمع کرکے ۲۴ برس تک استقلال کے ساتھ عثمانی عساکر کی مدافعت کی چنانچہ اس عرصہ مین عثمانیون کے اس ملک مین قدم نہ جمنے پائے۔

لیکن اسکے مرتے ہی تمام نظام درہم و برہم ہوگیا۔ اور آل عثمان ان تمام ممالک پر قابض ہوگئے۔

اسوقت ان کے جذبات حریت پرستی کو حرکت ہوئی اور اسطرح کی غلامانہ زندگی کو روایات

قومی کے لیے ننگ و عار سمجھکر وطن مالوفہ کو چھوڑ مختلف بلاد میں منتشر ہو گئے۔ کچھ لوگ ملا بر یا اور صقلیہ میں جا بسے کچھ جینوا اور سلیسیا میں چلے گئے اور کچھ لوگوں نے اسپانیہ میں توطن اختیار کر لیا۔

لیکن بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے نقل و حرکت مناسب نہیں سمجھی اور وطن کی آب ہوا کی محبت ان کے تمام جذبات پر غالب آگئی۔ ان لوگوں میں رفتہ رفتہ اسلام پھیل گیا یہانتک کہ صرف تہائی حصہ آبائی مذہب پر باقی رہا۔ اسمیں بھی نصف کیتھولک تھے اور نصف آرتھوڈاکس۔

تھوڑی ہی مدت میں یہ قوم حکومت کی دست راست بن گئی اور اسمیں کے متعدد افراد محض ذاتی قابلیت کی بنیاد پر جوان کی فطرت میں ودیعت ہے مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ اور اسکا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کم و بیش بیس البانی ترکی حکومت کے وزیر اعظم رہ چکے ہیں۔ حکومت ترکی کا ایک مشہور جرنل جو ترکی فوج کا کمانڈر انچیف تھا اور جو سب سے پہلا شخص تھا جسنے عمان اور یمن کو عثمانی حکومت میں داخل کیا اور عثمانی علم خلافت کو آجینیہ اور صومائرہ تک پہونچا دیا اور البانی الاصل تھا۔ اسی طرح وزیر، محمد پاشا، جو عثمانی فوجوں کو وائنا کی دیواروں تک لے گیا وہ البانی قوم کا ایک فرد تھا۔

ہر البانی قوم اپنی خلقت، عادات و اخلاق اور طرز بود و ماند میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے ہر ایک البانی عام طور پر بلند قامت قوی الجثہ۔ کشادہ پیشانی ہوتا ہے۔ سر بڑا ہوتا ہے۔ یہ تمام مخصوص صفات اُسکی ذہانت و متانت اور اعلےٰ دماغی پر دلیل ہیں۔ وہ وعدہ پورا کرنے میں جان کی بھی پروا نہیں کرتا، قبیلہ اور خاندان کی محافظت اسقدر سختی کے ساتھ کرتا ہے کہ ہمیشہ جان دینے کو تیار رہتا ہے، جو بات منھ سے نکل گئی بہادروں کی طرح اُسے پورا کر دکھاتا ہے۔

سبک روی کے ساتھ تیز قدم ہے حسن اور تناسب اعضا میں اپنی عورتوں سے بڑھا ہوا ہے۔ عورتیں ذرا گداز جسم کی ہوتی ہیں اور یہ اُن کو عزت و وقعت محبت اور خلوص کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔

پردہ کا بالکل رواج نہیں لیکن اس قوم کی احتیاط، تقویٰ، غیرتمندی۔ حیا و شرم کی انتہا ہے کہ اہل عورت یا کسی نوجوان دوشیزہ کے متعلق ذرا بھی شبہ ہو جائے تو اُس وقت ہوش

غضب مین بدترین سلوک کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔[۵]

عورتین صناع، دستکار، محنتی اور جفاشعار ہوتی ہین گھر کی مالک ہوتی ہین اور گھر کا سارا اثاثہ انہین کے سپرد ہوتا ہے۔ مردون کی حیثیت بالکل مہمان کی ہوتی ہے۔

شادی بیاہ صرف اپنے ہی قبیلہ اور خاندان ہی ہوتا ہے۔ خواہ ایک دوسرے سے جسقدر بھی فاصلہ پر ہون۔

بیٹیون کو وراثت سے محروم رکھتے ہین (یہ رسم آباؤاجداد سے ورثہ مین ملی ہے) بیچاریون کے لیے جہیز تو درکنار عروسی کے جوڑے کا انتظام بھی دولھا کے سر ہے۔ مذہب کی پابندی مین بہت سخت ہین البتہ عملی عبادت مین حالت کسی قدر کمزور ہے۔ بعض مراسم وعادات کی جو یا تو قدیم مذہب بت پرستی یا عیسائیت کے زمانہ سے چلی آرہی ہین اب تک حفاظت کرنے مین اختلاف مذاہب کے باوجود ان مین زبردست اتفاق واتحاد ہے۔

یہ ہین البانی کی خصوصیات جنکو ہمنے مختصر طور پر بیان کیا۔ زبان کے متعلق پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ آرین زبان کی ایک مستقل شاخ ہے۔ لیکن اپنی دوسری ہمسایہ بہنون کے دوش بدوش نہ چلنے کی وجہ سے فصاحت وبلاغت کے اعلےٰ معیار پر نہین پہونچ سکی۔ اگرچہ یہ امر ناقابل تردید ہے کہ یونانی اور لاطینی مین کونسی زبان قدیم ہے کیونکہ یونانی ولاطینی کی قدیم قصص ومقامات ہین۔ تبون کے نام اسی زبان سے لیے گئے ہین۔

آثار قدیمہ کے محققین نے جو مقامات مین (حکومت ان کی نہین ہے) ایک قدیم خط کا انکشاف کیا ہے اسی طرح فریجیا مین اس قسم کے خطوط پائے گئے ہین ان خطوط کو لاطینی کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی گئی تو بہت کچھ کامیابی ہوئی اور یہ خطوط البانی سے بہت زیادہ مشابہ پائے گئے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اس زبان کا ایک خاص خط تھا۔

ان کے پاس مذہب کیتھولک سے متعلق نظم ونثر کی چند کتابین ہین جو ۱۶۰۰ء مین لکھی گئی تھین اب تک موجود ہین۔ اسی طرح حب وطن کے بہت سے گیت جو آٹھ نو سو برس پہلے کے لکھے ہوئے ہین۔

---

[۵] صدہا قرنین اس قوم اور ان اہل عرب پر جنکا اخلاق اس قسم کا بدعات سے ملوث نہین اور ان کی اس غیرت مندی اور شرم وحیا پر جنکو ہم تمدن۔ وحشت سے تعبیر کرتے ہین۔

اب تک محفوظ ہین - آج کل کی زبان ان گیتون سے ملتی جلتی ہے، صرف مذہبی اصطلاحات بدل گئی ہین - کیونکہ عیسائیون نے یہ اصطلاحات یونان سے اور مسلمانون نے عرب سے لی ہین - یہ وجہ ہے کہ ان کی قدیم مذہبی اصطلاحات بالکل فنا ہو گئیں -

محمد حسین حسان دار العلوم ندوۃ

"تاج آگرہ"

پتھرو - اے تاج محل کے نام سے موسوم ہونیوالے غیر فانی پتھرو کس نے تمہاری بیجان رگون مین روح دوڑا دی ہے کسنے تمکو زندہ جاوید بنا دیا ہے، کون تمکو متواتر آب حیات پلا رہا ہے؟ حیاب جاودان حاصل کرکے تمنے دنیا دی خوشیون کا جام اپنی سر بفلک عمارت کے ذریعہ آسمان کی طرف بڑھایا ہے، موسم بہار کے آخری زمانہ کی رخصتی آہین تمہارے دریچون کے پاس ہوا مین گونجتی ہین - صبح شب وصل بیشتر عشاق کے اشکہائے غم یکہ و تنہا چراغ سحر کی دھندھلی روشنی مین چمکے ہین - ہان تمام زمانون کے عشاق ناکام کے آنسو تمہارے قدمون کی نذر ہین -

اے شہنشاہ بیگم تیری یاد تیری بعد بھی ہمیشہ باقی رہی - امتداد زمانہ سے اسمین اضافہ ہوتا جاتا ہے - وہ ایک غیر فانی مجسمہ حسن و خوبی کی شکل مین منتقل ہو گئی - وہ جذبہ محبت صورت پذیر ہو گیا ہے اور اس دائمہ الفت شہنشاہ کے عشق صادق کی یاد اہل عالم کے دلون کو ہلا رہی ہے -

بیگم تو اپنی تمثیل محبت کا تاج گوشہ حرم سے باہر لائی - تمام دنیا کے عشاق اس سے اپنے معشوقون کی آرایش کرینگے - محل اور جھونپڑے دونون مین اسکے نظارے سے مردہ دلون مین جان پڑجاتی ہے - تیرا مقبرہ صرف تیری ملکیت نہین ہے یہ تمام موجودہ اور آیندہ عشاق کا معبد ہے پرستشگاہ ہے -

اس مندر مین شاہی شان و شوکت کا نشان نہین ہے خیر کوئی مضائقہ نہین، شان و شوکت عارضی چیز ہے فانی ہے انسانی روح کا اشتیاق اسکا طواف کرتا ہے اسپر سایہ افگن ہے جبتک دنیا مین کسی عاشق کا وجود رہے گا جبتک سپہر برین کا ایک ستارہ بھی چشم شوق سے اسکو دیکھتا ہے - سنگین ملکہ یہ تاج محل یون ہی ہمیشہ چمکتا رہے گا -

(از ٹیگور) باسط بسوانی

مسز کاڈل کا غصہ

چھتری کے لیے

مسٹر کاڈل نے اپنے ایک ملاقاتی کو اپنی چھتری عاریتاً دیدی یہ بات اُنکی میم صاحبہ کو ناگوار گذری، جھنجھلاکر بولین، یہ بڑے دن کے بعد تیسری چھتری جا چکی ہے۔ تم کرتے کیا؟ اوسے اپنے گھر پانی برستے مین جانے دیتے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اوسکے پاس تھا ہی کیا جو خراب ہوجاتا۔ زکام ہوجاتا۔! بیشک!۔ اُسکی صورت سے تو نہین ظاہر ہوتا کہ حضرت کو زکام ہوجاتا۔ اور زکام ہوجاتا تو بلا سے ہوجاتا۔ اچھا ہوتا اگر ہوجاتا، ہماری چھتری کیون لیگیا۔ مسٹر کاڈل! تمکو پانی برسنے کی آواز بھی کچھ سنائی پڑتی ہے!۔ سنتے بھی ہو؟ پانی برسنے کی آواز بھی کان مین آتی ہے؟ بیشک آج سینٹ سیوٹن کا دن ہے۔ کیسا کھڑکیون کے اوپر پانی پڑرہا ہے۔ واہیات مجھے نہ بہکاؤ اس زور کا تو پانی پڑرہا ہے اور تمہین نیند! سچ بتاؤ! تم سنتے ہو؟ غنیمت ہے کہ تمنے سُنا تو۔ ابھی یہ ایک طوفان آیا ہے جو کم ازکم چھ ہفتہ رہے گا اور ہمکو گھر سے باہر قدم نکالنا دشوار ہوگا۔ خوب! مجھے بالکل ہی بیوقوف سمجھتے ہو کیا، مسٹر کاڈل! مجھے چھیڑو نہین، وہ اور چھتری واپس کریے!۔ لوگ نہین کل کا بچہ سمجھین گے۔ کبھی کسی نے آجتک چھتری واپس دی ہے، جو یہ دیگا۔ وہ دیکھو۔ تم سنتے ہو طوفان بڑھتا جاتا ہے۔ موسلادھار پانی برس رہا ہے۔ اور چھ ہفتہ تک۔ ہمیشہ چھ ہفتہ تک رہتا ہے۔ اور چھتری ندارد۔

مجھے کوئی یہ تو بتلادے کہ بچے کل مدرسہ کیسے جائینگے۔ ایسے پانی مین ہرگز نہین جائین گے، نہین! اس طوفان مین گھر ہی بیٹھے چاہے کورے جاہل رہجائین۔ بچارے معصوم بچے۔ ایسے پانی مین بھیگین اور سردی کھائین۔ اگر وہ ان پڑھ رہے تو یہ کسکا قصور سمجھا جاویگا۔ اُنکے باپ کا اور کسکا۔!

جن لوگوں کو خود اپنے بچوں کا ہی کچھ خیال نہ ہو اونکے اولاد ہی کیوں ہو۔

مجھے معلوم ہے کہ تمنے چھتری کیوں دیدی۔ بلاشبہ مین خوب جانتی ہوں، میں اپنی ماں کے ہاں کل جا پہنچنے کو جانیوالی تھی۔ یہ تمکو معلوم تھا۔ اور تمنے عمداً چھتری دیدی، زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ تمہیں میرا وہاں جانا ہرگز پسند نہیں۔ تم مجھے روکنے کے لیے ایسی ہی خفیف حرکتیں کیا کرتے ہو۔ مسٹر کاڈل تم یہ ہرگز نہ سمجھنا۔ چاہے کیسا ہی موسلا دھار پانی برسے میں جاؤنگی اور ضرور جاؤں گی۔ نہیں۔ مین کرایہ کی گاڑی میں نہیں جاؤنگی۔ یہ تو بتاؤ کرایہ کو دام کہاں سے آئینگے۔ تم اپنی اوس کلب میں ایسی دون کی ہانکا کرو۔ کرایہ کی گاڑی! معقول! کم از کم دو روپیہ کرایہ کو چاہیئے۔ ایک روپیہ جانیکا اور پھر ایک روپیہ لوٹ کے آنیکا کیا خوب! کرایہ کی گاڑی۔ یہ تو بتاے کوئی کہ کرایہ کسکے گھر سے آئیگا۔ میرے پاس تو ہے نہیں۔ اور خدا حافظ اگر تمہاری بھی یہی حالت رہی تو تم بھی کہاں سے دوگے۔ آئے دن چھتری خریدا کرو۔ اپنی چیز برباد کیا کرو اور اولاد کے لیے کوڑی نہ چھوڑو۔

پانی برسنے کی آواز تمہارے کانوں میں آتی ہے مسٹر کاڈل؟ بتاؤ! سنتے ہو یا نہیں! مگر خیر اس سے کیا مطلب۔ میں اپنی ماں کے ہاں کل جاؤنگی اور ضرور جاؤنگی اور راستہ بھر پیدل جاؤں گی اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میری حالت کیا ہوگی۔ میرے مرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہیگی۔ مجھے ایک بیوقوف عورت نہ کہو۔ بیوقوف تو ہو تم۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں لکڑی کا بوتہ نہیں بن سکتی۔ چھتری کے بدون اگر میں بارش سے بھیگی تو سردی ضرور لگ جائیگی۔ اور ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ اُنھ۔ اگر سردی لگ بھی گئی تو نہیں کیا پروا۔ میں بیمار پڑوں تمہاری بلا سے۔ اور بیمار پڑنے میں کوئی شک بھی ہے اور پھر ڈاکٹر کا بلبلا چوڑا بل۔ بل آئے تو اچھا ہو۔ تمہیں ذرا چھتری دیدینے کا مزہ تو معلوم ہو۔ تعجب نہیں یہی سردی کا لگنا میری موت کا باعث ہو۔ جی ہاں۔ اور اسی غرض سے تو چھتری دے ہی دی۔ یقیناً!

ایسے موسم میں گھستے ہوئے میرے کپڑوں کی کیا گت ہوگی۔ میری گردن اور ہاتھ تو سنیاناس ہی ہوگا۔ بالکل۔ تم یہ کہتے ہو کہ اونکے پہنے ہی کی کیا ضرورت ہے؟ بیشک مسٹر کاڈل! مین ضرور پہنوں گی۔ نہیں نہیں۔ مجھے کیا تمہارا یا کسی اور کا ڈر ہے کہ مثل ایک پھوہڑ اور ذلیل عورت کے جاؤں خدا گواہ ہے کہ میں شاذ و نادر ہی گھر کی دہلیز نانگتی ہونگی، سچ تو یہ ہے کہ میں ایک غلام سے بدتر ہوں مگر یہ مجھے رہنا۔ مسٹر کاڈل! کہ جب گھر کے باہر قدم رکھونگی تو ایک شریف خاتون کی طرح۔ خدا کی پناہ

کھاپانی گر رہا ہے۔ یہ تو کھڑکیوں کو توڑ کے اندر گھس آئیگا۔

مجھے تو یہ خوف ہے کہ کل کیا نوبت ہوگی۔ مین حیران ہون کہ اپنی ماں کے ہاں کیسے جاؤنگی۔ سوت کا سامنا ہے۔ مگر جاؤنگی ضرور۔ نہیں میاں نہیں! مین کسی کی چھتری نہین مانگنے کی اور نہ تم نئی چھتری خرید پاؤ گے۔ دیکھئے مسٹر کاڈل! یہ بات آپ اچھی طرح سُن لیجئے۔ اگر تم کوئی دوسری چھتری گھر مین لائے تو مین اوسے سڑک پر پھینک دونگی۔ اگر ہو تو میری خاص چھتری ہو ورنہ کچھ ضرورت نہین۔

ہائے! پچھلے ہفتہ ہی تو مین نے اُس چھتری مین نئی مونٹھ لگوائی تھی۔ کاش مجھے یہ خبر ہوتی کہ چھتری کا کیا حشر ہونیوالا ہے تو مین اوسے بالا موٹھ کے رہنے دیتی۔ ہمتو نئی موٹھ مین دام خرچ کرین، اور لوگ ہمارا مضحکہ اوڑاوین۔ ابی تمہاری بلا سے۔ تم چین سے سوؤ۔ نہین اپنی بیچاری عورت اور پیارے بچون کا تو کچھ فکر ہے ہی نہین۔ نہین تو بس ایک فکر ہے کہ اوٹھائی اور چھتری دیدی!

درحقیقت مرد یہ سمجھتے ہین کہ ہم ساری خدائی کے مالک ہین۔ بھلے مالک ہین! جبکہ ایک چھتری کی داشت اون سے نہین ہوسکتی۔

بلاشک کل کا پیدل جانا اور آنا میری جان لیگا۔ مگر یہی تو تم چاہتے ہو۔ پھر تو خوشی سے اپنی کلب کو جانا اور جوجی مین آئے سو کرنا۔ لیکن میرے بیچارے بچون کی کیا گت ہوگی۔ خیر میاں تم تو چین سے رہوگے۔ بہت باتین نہ بناؤ۔ مین خوب جانتی ہون تم بڑے چین سے رہوگے۔ یہ بات ہوتی تو تم چھتری دیدیتے۔!

ہان نہین جمعرات کو جانا ہے وہ جو سمن آیا تھا۔ مگر تم جا کیسے سکتے ہو۔ بغیر چھتری کے تم جاؤگے کیسے، چاہے تمہارا مقدمہ خارج ہوجاوے۔ بلا سے۔ تمہارے کپڑے خراب ہون۔ چاہے تمہارا قرضہ مارا جاوے۔ جو لوگ اپنی چھتری دوسرون کو دیدیتے ہین وہ اسی لائق ہین کہ اونکا قرضہ مارا جاوے۔

مجھے یہ تو بتلایئے کہ کل مین بغیر چھتری کے اپنی ماں کے یہاں کیسے جاؤنگی۔!

نہین اس سے کیا، کہ مین کہتی تھی، مین ضرور جاؤنگی،،۔ یہ بات اور وہ بات اور۔ میری ماں خیال کرے گی کہ مجھے اونکی کچھ پروا نہین ہے۔ اور جو تھوڑا بہت روپیہ ہمکو وہاں سے ملنے والا تھا وہ بھی گیا گذرا ہوا۔ اور کیون؟ ہمارے پاس چھتری نہین ہے۔

اور رہے بیچارے بچے۔ غریب۔ وہ بھی شرابور ہونگے۔ گھر تو خالی بیٹھے رہنے پائینگے نہیں

انکے پڑھنے کا ہرج کیون ہو - اپنا ہی لکھا پڑھا کام آئے گا - اسکے سوا اور اُنکا باپ کیا چھوڑ یگا - یقیناً! وہ مدرسے ضرور جاوینگے یہنین اس سے کیا کہ مینے یہ کہا تھا کہ اب وہ نہ جا ئینگے، کاڈل! تم ناحق بات کا بتنگڑ بناتے ہو - تمہاری باتون سے ایک فرشتہ کا بھی مزاج بگڑ جائیگا - بچے مدرسہ ضرور جائینگے - خوب کان کھولکے سُن لو - اور اگر وہ سردی کے اثر سے مرے تو یہ میرا قصور نہین - مین نے تھوڑے ہی چھتری دی ہے)

(مسٹر کاڈل اپنی دستی تحریر مین لکھتے ہین کہ اس کے بعد اُنکو واقعی نیند آگئی اور اُنہون نے خواب مین دیکھا کہ تمام آسمان کا ایک سبز رنگ کا کپڑا بنگیا جسمین وہیل مچھلی کی آنتون کی تانین لگی تھین اور درحقیقت تمام دنیا ایک بہت بڑی چھتری کے تلے گھوم رہی تھی -)

(ترجمہ) رادھا رمن

...یدرآباد مین ایک ...م اور نادر کتب خانہ

حکیم سید محمد قاسم صاحب طبیب تمیات سرکار عالی کے قبضے مین ایک موروثی کتبخانہ ہے جو آپکے بزرگون کی ایک بیش بہا یادگار ہے، اس کتبخانہ مین عربی، فارسی، سنسکرت، تلنگی (وغیرہ) کی قدیم کتابین موجود ہین - تلنگی و سنسکرت کی بعض کتابین تاڑ کے پتون پر لکھی ہوئی ہین جس سے اِن تصنیفات کی قدامت کا پتہ چلتا ہے - بعض کتابون کا موضوع نہایت حیرت انگیز ہے ...ا مصر قدیم مین جن اجزا سے انسانی لاشں کو اپنی اصلی حالت پر محفوظ رکھا جاتا تھا - ان کا مفصل بیان موجود ہے - اور زمین کے پوشیدہ خزائن و دفائن کا پتہ لگانے، پانی کی دہار بلندی پر لیجانے ...ر سرخ و سبز اور نیلے اور زرد رنگ پیدا کرنے کے اعلےٰ موضوع پر بھی کتابین موجود ہین - کتابین عموماً اُن کاغذون پر ہین جو اس زمانہ مین مستعمل تھے -

یہ کتب خانہ پہلے قصبہ شاہنور مین تھا جو حکیم صاحب کا وطن مالوف ہے لیکن اب حکیم صاحب بسلسلۂ ...زمت حیدرآباد مین فروکش ہو گئے تو کتب خانہ کو بھی ساتھ لائے کتب خانۂ مذکور ابھی غیر مرتب حالت ...ن ہے، اور سچ یہ ہے کہ اسکی ترتیب ایک شخص کے بس کی بھی نہین، یورپ اور امریکہ کے اکثر علماء و فضلا ...ں کتب خانہ کا معائنہ کر چکے ہین حکیم صاحب کا بیان ہے کہ ایک امریکن فاضل نے اسکی قیمت پندرہ ...لہ روپئے تجویز کی تھی، خدا کرے باقاعدہ طور پر اسکی ترتیب و تنظیم ہو جائے -

ہندو اور ہندو مسلم اتحاد

جس مضمون کو منشی پریم چند نے فروری کے زمانہ مین چھیڑا ہے، اسکی گہرائی اس امر کی مقتضی ہے کہ اسکے سارے پہلوؤن کو خوب غور کیا جائے۔ ممدوح کو ہندوؤن کی خلاف کچھ شکایتین ہین، اگر وہ شکایتین واقعی ٹھیک ہون تو ہندوؤن کے لیے نہایت شرم کا موقع ہوگا۔ ہم یہ قصہ چھیڑنا نہین چاہتے کہ اس معاملہ مین مسلمانون کے خلاف بھی انہین کے چند اکابران قوم ایسی ہی بلکہ اس سے بڑھی ہوئی شکایتین پیش کرتے ہین۔ بلکہ ہمارا مدعا صرف یہ ہے کہ منشی پریم چند کی غلط فہمی کے متعلق چند الفاظ مین اپنی راے کا اظہار کر دین!

منشی پریم چند کی پہلی شکایت یہ ہے کہ ہندوؤن نے کبھی خلافت کی اہمیت ہی نہین سمجھی اور نہ سمجھنے کی کوشش کی۔ نہ معلوم کیون آپ پچھلے سارے واقعات کو بھلا رہے ہین، جس وقت عارضی صلح کے برخلاف مہاتما گاندھی نے آواز بلند کی تھی تو کیا عارضی صلح کے جشن سے احتراز کرنے مین ہندو مسلمانون کے دوش بدوش نہین رہے! اسکے بعد جب چندہ وغیرہ دینے کا سوال آیا تو کیا ہندوؤن نے کبھی اپنا حصہ ادا کرنے سے گریز کیا، مولانا شوکت علی کی مشہور تقریر کی جو تفسیر آج منشی جی نے کی ہے شاید مولانا صاحب بھی اسکو ماننے سے ہچکچائین۔ کیا خلافت کے لیے چندہ ضرورت سے کم ہوا ہے؟ اگر یہ ہوتا تو سیٹھ چھوٹانی کے سامان کارخانہ جات کو آج انگورا بھیجنے کی ضرورت نہ پڑتی، کیا ایشیا کے سارے ملکون کو یکجا کرنے کا خیال مسٹر داس کے دماغ سے نہین نکلا۔ معاف فرمائے، کیا ہندو بیچارے ایسے ہی خردماغ ہین کہ وہ خلافت کے سوال کو سمجھ ہی نہین سکے۔ جن عصمت پاشا کی منشی جی اتنے دلدادہ ہین انکی بابت کیا کہا جائے، آج ٹرکی کی جمہوریت نے خلیفہ کے سلسلے کا خاتمہ کر دیا ہے، کیا ہندوستان کے مسلمان اب ٹرکی کو دار الحرب قرار دیکر وہان حملہ کرنے کے لیے طیار بیٹھے ہین۔ مولانا محمد علی بھی ولایت کے ڈیپوٹیشن مین شامل ہوکر جزیرۃ العرب کو خلیفہ کے ماتحت رکھنے اور عربون کو آزادی دینے کے سوال کی

گتھی کو نہ سلجھا سکے تھے۔ ہندؤن کی تو بہ تنگ ظرفی کینہ دلی کی مثال تھی کہ وہ خلافت
کے خیال کو نہ سمجھ سکے۔ اب ٹرکی کی جمہوریت کو آپ کس نام سے
پکارین گے۔ عصمت پاشا ہی کہہ رہے ہین کہ لوگون نے ہماری مدد اسیلیے کی کہ ہم طاقتور
تھے، نہ کہ خلیفہ کے محافظ، ہندو تو سیاسی بیدار مغزی کے وارث ہی نہین بنے، اسکے مالک تو مسلمان
ہی رہے جنہون نے کھدر کا استعمال بہت کم کیا، جنہون نے تلک سوراج فنڈ مین روپیہ بہت کم دیا۔
جن کے کانگریس کے ممبر نہ بننے کے بارے مین علی برادران کو بھی شکایت کرنی پڑی۔ بے وقوف تو
ہندو ہی تھے جو کہ خواہ مخواہ سوراجیہ کے جھمیلے مین پڑے؛

آپ شکایتین بھی عجیب طرح سے کرتے ہین، ہندؤن کے لیے تو نصیحت ہے کہ وہ کیون
خواہ مخواہ گئو ماتا کی تقدیس مسلمانون سے منوانا چاہتے ہین، لیکن اسکے ساتھ ہی آپ ان سے
یہ بھی کہہ رہے ہین کہ مسجدون کے سامنے باجے بجانے سے احتراز کرو، کیون؟ اس لیے کہ حقیقی مسلمانون
کے مذہب مین حرام ہے یا کبھی ان کی نماز مین اس سے خلل پڑنے کا امکان ہے۔ پرماتما کا شکر ہے
کہ اب ہندو ایسے دو رخے ناصحون کی بات ماننے کے لیے کم تیار ہین۔

مان لیا کہ ہندؤن کو وقت عبادت باجا بند کرنا مذہبی تنظیم کے لحاظ سے ضروری ہے،
تو کیا منشی صاحب کا یہ مطلب ہے کہ جہان کہین یہ جھگڑے ہوتے ہین، وہان عبادت کے وقت
ہی باجا بجانے پر جھگڑا ہوا ہے، معاف فرمائین مسلمانون کا تقاضا تو یہ رہا ہے کہ ہماری مسجدون
کے سامنے باجا بجایا ہی نہ جائے۔

منشی جی ہندؤن کو اُدارتا کا اپدیش دیتے ہین، یہ خواہ مخواہ کی زیادتی ہے، اُدارتا ان
ہی دکھلائی جا سکتی ہے، جہان دوسرا آدمی اسکو اُدارتا سمجھنے کے لیے تیار بھی ہو۔ اور یون بھی
کمزور کے لیے اُدارتا کا اپدیش کیا؟ اسکی اُدارتا تو اسکی کمزوری کی مترادف سمجھی جاتی ہے۔ آپکو
یقین ہے کہ مسلم لیڈران مسلمانون کے غیر ذمہ دار طبقے کے موجودہ رویہ کو زیادہ عرصہ تک قائم
نہ رہنے دینگے۔ جھگڑا تو یہین شروع ہوتا ہے۔ مسلم لیڈران نے کب اسبات کا یقین دلایا کہ وہ اسبات
مین کچھ کرنے کے لیے طیار ہین؟ جناب خوب ہے ہندؤن کو تو آپ مسلمانون کے مذہبی احساسات
کے احترام کی تعلیم دے رہے ہین، لیکن دوسری طرف مسلمانون کے لیے گئوکشی کے معاملے

میں آپ کچھ کہنے کے لیے طیار نہیں، اور ہندوؤں کو کوستے ہیں، جناب من جھگڑے یوں طے ہونے سے رہے کھلے دل سے دونوں فریق اتحاد کی ضرورت کو سمجھ جائیں اور پھر ایک دوسرے کو مراعات دینے کے لیے طیار ہوں تب ہی قضیہ نپٹ سکتا ہے، تبلیغ کے متعلق ہمیں خوشی ہے آپنے اپنے پرانے خیالات تبدیل کر لیے ہیں اور اُس میں آج آپ کم از کم ہندوؤں کے سر کوئی خاص الزام تھوپنے کے لیے طیار نہیں ہیں۔

ایک بات صاف ہے دونوں مذہبوں کے پیروؤں کو، دل اسبات کا یقین دلایا جانا چاہیے کہ اُن کے درمیان اتحاد ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے۔ اسکے لیے جبتک مسلمانوں کے دل سے یہ خیال دور نہیں ہوتا کہ ہمیں افغانستان کے مسلمان ہندوستان کے ہندون سے زیادہ عزیز ہیں اُسوقت تک کسی بہتری کی امید رکھنا فضول ہے۔ جبتک مسلمانوں کی آشاؤں کا بڑا حصہ ہندوستان تک محدود نہیں ہوتا اسوقت تک وہ سنجیدگی سے اس سوال پر سوچنے کے لیے طیار نہ ہونگے اُنھیں ہندوؤں سے کیسے برتاؤ کرنا چاہیے۔ یہ غیر ملکی حب الملتی ہی سب جھگڑوں کی جڑ ہے، ایک اور خیال جو ان جھگڑوں کو نشو و نما پانے کا موقع دیتا ہے وہ ہندون کی کمزوری ہے، افراداً ہندو اہل علم بھی ہیں تعلیمیافتہ بھی ہیں دولتمند بھی ہیں، شاید طاقتور بھی ہیں لیکن بحیثیت مجموعی وہ بالکل کمزور ہیں کمزور ہونا گناہ ہے اسکو منشی پریم چند اور انکے سارے ساتھی ملکی نکتہ نگاہ سے ماننے کے لیے تیار ہیں کمزور خواہ مخواہ غیروں کو اپنے اوپر جبر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ہندوؤں کی یہ کمزوری ہے۔ جو انھیں گاہے گاہے مسلمانی زیادتیوں کا تختہ مشق بنا دیتی ہے۔ ہندو سنگھٹن اسبات کی دوا ڈھونڈنا چاہتا ہے

ہندوؤں کے لیے ایک مذہب کے پیروں کے حیثیت سے اکٹھا ہونے کا سوال ایسا ہے جسکے برخلاف کسی معقولیت پسند صاحب کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ مسلمانوں کی مسلم لیگ ہے۔ خلافت کمیٹیاں ہیں جمیعتہ العلما ہے، اسکے سوا اور بھی کئی نظام ہیں۔ جسوقت یہ جماعتیں ملکی معاملات میں ہاتھ ڈالتی ہیں اُسوقت نہ منشی پریم چند اور نہ اُن کے ممدوح علی برادران اسبات کو بُرا سمجھتے ہیں۔ نہ معلوم ہندوؤں کی ہندو سبھائیں کیوں اُنہیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ یا تو کہہ دو کہ سب فرقہ وارانہ جھگڑے جھمیلے ٹھیک نہیں۔ یا پھر یہ بتا دو کہ

ہندو مہاسبھاؤں اور ہندو سنگھٹن کے سر سوار ہونے میں کہاں کی معقولیت ہے۔

ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہندو سنگھٹن اسلیے منشی پریم چند اور ان کے چند ساتھیوں کے لیے باعث عتاب بن رہا ہے کہ اسمیں رئیس پارٹی بھی شامل ہے۔

لیکن کیا مسلمانوں کی مختلف تحریکوں میں حاکم اور محکوم رئیس اور غلام سب شامل نہیں ہیں۔ ہندو سنگھٹن میں ٹھوس کام کرنے والے نہیں ہیں اور نہ وہ شور و غوغا کرنے والے ہیں عام لوگوں کے جذبات کو بھڑکانے کا کام ہی وہ نہیں کرتے۔ لیکن وہ لوگ یہ بھی کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ کسی ہندو کو اسلیے اس تحریک سے باہر رکھیں کہ وہ کانگریس کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، اگر ہندوں میں متحمل مزاج لیڈروں کی کمی ہوتی تو سنہ۱۹۱۶ء کا لکھنو کا معاہدہ وجود میں نہ آتا نہ مسٹر داس کا بنگالی معاہدہ بن سکتا کسی انصاف پسند آدمی کو یہ کہنے کا موقع نہیں مل سکتا کہ سوراجیہ کی جنگ میں مسلمانوں کو داخل کرنے کے لیے ہندوؤں نے موقع بموقع مسلمانوں کو مختلف قسم کی مراعات نہیں دیں۔

منشی پریم چند ایسے ہندوؤں کے لیے اپیل کرتے ہیں جو کہ علی برادران کی طرح اپنا سب کچھ ہندو مسلم اتحاد کے لیے وقف کر دیں، ایسے آدمیوں کا وجود مبارک ہوگا، لیکن ہندوؤں کے لیے ایسے آدمیوں کا وجود ان سے بھی مبارک ہے، جو کہ اُن کے مسئلوں کے حل کرنے کے لیے اپنے آپکو وقف کر دیں شکر کا مقام ہے کہ ایسے آدمی ہندوؤں میں پیدا ہو رہے ہیں۔

سری رام شرما۔ ایم اے

یورپ نے حکیم عمر خیام کی اسقدر توقیر کی، کہ ایشیا مین بھی اسکی رباعیان خصوصیت سے ہر دلعزیز ہوگئین، عربی، فارسی، اردو رسالون مین توخیر اسکے کلام پر تبصرے ہوتے ہی رہتے ہین، مگر اب ہندی زبان بھی خیام کو عزت کی نظر سے دیکھ رہی ہے، اور ہندی رسالے رباعیات خیام کے ترجمے اور ان کی خیالی تصویرین شایع کر رہے ہین۔

اس سے پہلے لودھیانہ سے ایک صاحب نے خیام کی رباعیون کا منظوم ترجمہ اردو مین شائع کیا تھا مگر وہ ادبی نقطۂ خیال سے ناقابل التفات تھا، اسوقت جو ترجمہ رباعیات عمر خیام کا ہمارے سامنے ہے وہ البتہ قابل قدر ہے، اسکے مترجم مولوی حافظ جلال احمد صاحب جعفری، الہ آبادی ہین اسمین ۴۰۰ رباعیان مع ترجمہ درج کی گئی ہین، کتاب کے ابتدائی صفحات مین دیباچہ کی طور پر عمر خیام کے سوانحی حالات تحریر کیے گئے ہین، اور آخر مین اوسکی تصنیفات کا ذکر ہے، اس کے بعد چگونگی و تاریخ رباعی و محاسن آن، کے تحت مین رباعی کی ایجاد اور اسکی خوبیون پر بحث کی گئی ہے اور اسی سلسلے مین رباعی کے مروجہ اوزان بھی تحریر کر دیئے گئے ہین، یہ مضمون بیشک دلچسپ اور مفید ہے مگر عنوان کی چگونگی نے محو حیرت بنا رکھا ہے۔ کاش مترجم صاحب بجائے فارسی کے کوئی اردو کا سیدھا سادہ فقرہ تحریر فرما دیتے۔

رباعی کے اوزان و تعریف کے بعد آپنے خیام کے معاصرین کا ذکر کیا ہے اور اسی مین اُن شعرا کا ذکر بھی کیا ہے جنھون نے خیام سے پہلے رباعیان کہی ہین، اور مثالاً ہر شاعر کی منتخب رباعیان

بھی تحریر کی ہیں، رباعیوں کو پڑھکے اندازہ ہوتا ہے کہ خیام کو جس میدان کا تنہا مرد میدان بتایا جاتا ہے، اوسمیں پہلے بھی ایسے مردان کار گزر چکے ہیں جنکے نقش پر چلکر خیام کو یہ درجہ قبولیت نصیب ہوا،
اسی سلسلے میں ابوالحسن خرقانی کی ایک رباعی ایسی بھی نظر آتی ہے جو خیام کی رباعیوں میں شامل ہے، اور مزا یہ کہ باوجود علم کے حضرت مؤلف نے اس کا اظہار نہیں کیا، رباعی یہ ہے،

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من ٭ وین حرف معما نہ تو خوانی و نہ من ٭
ہست از پس پردۂ گفتگوئے من و تو گر پردہ بر افتد نہ تو مانی و نہ من ٭

صفحہ ۵ا میں یہ رباعی ابوالحسن خرقانی، کے نام سے لکھی ہے اور پھر صفحہ ۲۱۷، میں، یہی رباعی، عمر خیام کی رباعیوں میں شامل کی گئی ہے، حضرت مؤلف کا فرض تھا کہ اس قسم کی تمام رباعیوں کے متعلق کم سے کم اپنی رائے تو ضرور ظاہر کر دیتے، جو دوسرے شعرا کی ہیں، جنکی نسبت شبہ ہے کہ یہ خیام کی نہیں، مثلاً

گویند بہشت و حور عین خواہد بود وان جائے ناب و انگبین خواہد بود
گر ما مے و معشوق گزیدیم چہ باک چون عاقبت کار چنین خواہد بود

اس رباعی کے متعلق عام خیال ہے کہ حافظ شیرازی کی ہے، اور حافظ شیرازی کے دیوان میں موجود ہے، حضرت مؤلف کا فرض تھا کہ دیباچے میں ایک عنوان اس قسم کا بھی قائم کرتے جسکی تحت میں ان غلط فہمیوں پر روشنی ڈالی جاتی،
جناب مؤلف نے اُن احسانات کا بھی ذکر کیا ہے، جو یورپ نے عمر خیام کی رباعیوں پر کیے ہیں اور ان مختلف تراجم کا حوالہ دیا ہے جو وہاں شائع ہوئے ہیں، لیکن موصوف نے اسکے متعلق جو کچھ کہا ہے، مولانا شبلی مرحوم کی زبان سے کہا ہے، یعنی شعرالعجم کی تحریر نقل کر دی ہے، کاش آپنے یہ محنت بھی گوارا کی ہوتی، کہ مختلف تراجم کو سامنے رکھکر اُن غلط فہمیوں کے اظہار کی کوشش کرتے جو یورپ میں تراجم میں موجود ہیں، آپ نے خیام کی رباعیوں پر تبصرہ بھی کیا ہے اور سچ یہ ہے کہ خوب کیا ہے، یعنی مختلف عنوانات کی تحت میں خیام کی منتخب رباعیاں تحریر کی ہیں، خمریات کی تحت میں لکھا ہے،

"اس سے کسکو انکار ہو سکتا ہے کہ خیام شراب نہیں پیتا تھا، بیشک وہ شراب پیتا تھا، اور

شراب بھی پی ظاہر، وہ مشہور قلندر تھا،،

ہمکو مؤلف کے اس قول سے پورا پورا اتفاق ہے، خیام کی اکثر رباعیان بتاتی ہین کہ وہ واقعتاً شراب پیتا تھا، لیکن ہم اسکو قلندر صرف اسی معنی مین تسلیم کرتے ہین کہ وہ قیود شرعی سے بڑی حد تک آزاد تھا، ورنہ زمرۂ قلندران معنی نشین، لکھدینے سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ واقعی قلندر تھا، اور درحقیقت قیود قلندری کا پابند تھا، یون تو غالب نے بھی دعوی کیا ہے،

عام دستور ہے کہ شراب کا نشہ خیالات مین ایک رنگینی اور بیان مین ایک دلاویزی پیدا کردیتا ہے اکثر بادہ پرستون کے دلمین ایسے خیالات آتے ہین جو صوفیاے کرام، کے لیے مخصوص ہین، لیکن ان لوگون ظاہری پر تاثرات باطنی کا اطلاق نہین ہو سکتا،

غالب، شراب پیتا تھا، اور اکثر نشہ کی ترنگ مین ایسے پتے کی باتین کہہ جاتا تھا، جنکا تعلق پیغ حقیقت اور فلسفۂ کائنات سے ہے، ممکن ہے کہ اکثر حضرات کو اُن خیالات مین، انوار حقیقت کے جلوے نظر آتے، لیکن غالب نے خود نہایت آزادی سے اپنے متعلق اعلان کیا ہے،

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا،

مقصود اس بحث سے یہ ہے کہ، عمر خیام کی رباعیون، کے مستانہ مضامین سے متاثر ہوکر اُسے صوفی صافی تسلیم کرلینا، حقیقتاً درست نہوگا کیونکہ نشۂ شراب کی حکومت تمام قیود سے آزاد ہوتی ہے اگر کلام مین کوئی خاص اثر ہو تو یہ ضروری نہین کہ کہنے والے کے دلپر بھی وہی اثر قائم ہو۔ لیکن اس سے انکار بھی نہین ہوسکتا، کہ خیام کی رباعیان، اسرار حقیقت، فلسفۂ کائنات، کی معلم اور رموز ہستی اور بے ثباتی دنیا کا آئینہ ہین، اور یہی چیزین ہین جن پر ہمکو نظر کرنی چاہیئے، خیام کی ذات سے بحث فضول ہے،

اکیاون صفحے، اس دلچسپ دیباچے دلکش اور تبصرے کے نذر ہوے ہین، اسکے بعد صفحہ ۵۲ سے اصل رباعیان شروع ہوتی ہین،

ٹائٹیل دیکھکر یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ حضرت مؤلف شاید رباعیون کے نکات کی شرح بھی بیان فرمائینگے، لیکن سرسری مطالعے کے بعد ہی نگاہین مایوس ہوگئین، رباعیون کے نیچے

صرف انکا ترجمہ لکھدیا گیا ہے، ہان کہین کہین ترجمے کے ساتھ، جناب مؤلف نے دو چار لفظ کا اضافہ فرما دیا ہے، صفحہ ۶۹ و ۷۰ مین چند رباعیان ایسی ہین جنکا ترجمہ مطلب کے عنوان سے لکھا گیا ہے، بجا ہے اسے ترجمہ سمجھئے یا شرح بہرحال جو کچھ بھی لکھا ہے اچھا لکھا ہے،

در ہر دشتے کہ لالہ زارے بود است　　آن لالہ ز خون شہریارے بود است
ہر برگ بنفشہ کز زمین مے روید　　خالے ست کہ بر رخ نگارے بود است

جس جنگل مین کہ کوئی لالہ زار ہے، وہ لالہ کسی بادشاہ کے خون سے ہے، ہر بنفشہ کی پتی جو زمین سے اُگتی ہے، وہ ایک خال ہے جو کسی حسین کے چہرے پر تھا، (اس لیے وہ قابل توقیر ہے،)

ترجمے کی خوبیون سے انکار نہین، لیکن اسے شرح نہین کہہ سکتے خیام کہتا ہے، جس کسی جنگل مین بھی کوئی لالہ زار ہے، اسکا ہر پھول (یعنی لالہ) کسی بادشاہ کے خون سے پیدا ہوا ہے، بنفشہ کی جو پتی زمین سے اُگتی ہے وہ ایک خال ہے جو کسی حسینہ کے چہرے پر تھا،

اس اجمال کی تفصیل یا اس مسئلہ کی شرح یہ ہے، کہ خیام مناظر فطرت سے درس حقیقت لیتا ہے، اسے زندگی مین فنا کا جلوہ نظر آتا ہے، وہ کہتا ہے، اسے لالہ نہ سمجھو، ممکن ہے، اسمین کسی بادشاہ کا خون شریک ہو، اور یہ بنفشہ کی پتی ممکن ہے، کسی حسینہ کی، خال دلکش ہو یہ خیال اسلیئے پیدا ہوا کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے، ساری چیزین مٹ کر خاک ہوتی رہتی ہین اور پہرا سی خاک سے گل بوٹے اُگتے رہتے ہین، اسلیئے حقیقت شناس خیام کو لالہ کی تہ مین کسی بادشاہ کے خون کی جھلک نظر آتی ہے یعنی ممکن ہے کہ یہ لالہ زار کسی فرمانروا کی خاک سے اُگا ہو بنفشہ کی پتی دیکھکر کسی حسین چہرے کے خال دلکش کی لطافت یاد آجاتی ہے، اور وہ دنیا کے سامنے یہ درس حقیقت پیش کرتا ہے، کہ دنیا فانی ہے ہر ہستی ایک دن مٹ کر خاک ہو جائیگی اور اس کی خاک سے مختلف قسم کے گل بوٹے اُگینگے

غالب نے بھی اسی خیال کو لفظون مین ادا کیا ہے۔

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین　　خاک مین کیا صورتین ہونگی جو پنہان ہوگئین

ترجمہ اسقدر صاف اور سلیس ہے کہ حقیقتاً شرح کی ضرورت نہین اور ترجمہ ہی سے مطلب

واضح ہو جاتا ہے، اسکے علاوہ کہین کہین الفاظ کی تشریح بھی کردی ہے، مثلاً

ساقی قدحے کہ نور بخشد ہمہ را　　برکن کہ دلے حضور بخشد ہمہ را
خوش باش کہ ہم بہ بخشد آلایش ما　　آن کس کہ مے طہور بخشد ہمہ را

آلایش آلودگی کنایہ ہے گناہ سے، مے طہور وہ شراب جو بہشت مین بہشتیون کو پینے کے لیے ملے گی۔ اے ساقی ایسا پیالہ بھر دے جو سب کو نور عنایت کرے (یعنی سب کے دلکو منور کردے) تاکہ وہ ایک سب کو حضور قلب کا مرتبہ عنایت کردے، تو خوش رہ (اور فکر نہ کر) کیونکہ وہ ذات ہم سب کے گناہ معاف کردیگی اور سب کو شراب طہور عنایت کرے گی، (یعنی خدا گناہون کا بخشنے والا ہے وہ شراب طہور عنایت کرے گا فکر کی کیا بات ہے تو تو شراب سے پیالہ بھر کر دیدے)۔

بعض رباعیان ایسی بھی نظر آتی ہین، کہ (شرح تو شرح) انکے ترجمے مین بھی خامی ہے، مثلاً،

من مے رمضان ہمی خورم برلب کشت　　گزران کہ مراد و ک کسان باید زشت
گوئی تو کہ ہر کہ مے خورد دوزخی است　　کہ رفت بدوزخ و کہ آمد ز بہشت

(اے زاہد) مین تو سبزہ زار کے کنارے شراب پیتا ہونگا، تو کہتا ہے کہ جو شراب پیے گا وہ دوزخی ہے (تو مجھے یہ بتا کہ) کون دوزخ مین گیا تھا، اور بہشت سے کون آیا ہے (جس نے یہ کہا ہے کہ شرابی دوزخ مین جاتا ہے اور جو شراب نہین پیتا وہ جنت مین جاتا ہے)

اس ترجمے مین دوسرے مصرعے کا پورا ترجمہ شامل نہین، گزران کہ مراد و ک کسان باید زشت خدا جانے کیون اس مصرعے کو حضرت مترجم نے ناقابل التفات سمجھا،

نہ لایق مسجدیم و نہ خور د بہشت　　ایزد داند گل مرا از چہ سرشت
چون کافر درویشم و چون قحبہ زشت　　نہ دین و نہ دنیا و نہ امید بہشت

خدا جانے مری مٹی کا خمیر کس چیز کا ہے کہ نہ مسجد کے لایق ہون اور نہ بہشت کے قابل، مین فقیر کافر اور بدکار قحبہ کیطرح ہون، نہ مین دنیا کا نہ دین کا نہ مجھے دوزخ کی امید ہے نہ بہشت کی،

آخری فقرہ، "نہ مجھے دوزخ کی امید ہے نہ بہشت کی، شاید جناب مترجم کی قلم سے بے اختیار نکل گیا ہے بہشت کے مقابلے مین مجبوراً دوزخ کی ضرورت لاحق ہوئی، خیام کو تقابل منظور

نہ تھا وہ تو دوزخ کو اپنے افعال کا لازمی نتیجہ قرار دیتا ہے، یعنی نہ مین دین کا ہون نہ دنیا کا، نہ بہشت کی امید ہے، وہ دوزخ کا ذکر ہی نہین کرتا، کافر درویش اور قحبۂ زشت کی تشبیہ بھی قابل غور ہے، یعنی مین بظاہر فقیر ہون

کہ میرے اعمال و افعال کفر و ضلالت سے مملو ہین، دنیا کے لایق اسلیئے نہین کہ فقیر (جنوا) ہون اور دین سے اسواسطے الگ ہون کہ کافر ہون، قحبۂ زشت، کا ترجمہ بدکار قحبہ کرنا، تشبیہہ کا خون کرنا ہے بلکہ ذیل قحبہ مناسب ہے، اس طبقے کے ادنیٰ درجہ کی عورتین (جو عرف عام مین ایک خاص لقب سے ملقب ہین) عموماً مفلس رہتی ہین، دولت پاس ہوتی نہین کہ دنیا مین اچھی زندگی بسر کرین اور دین سے بلحاظ پیشہ پہلے ہی سے ہاتھ دھو چکی ہوتی ہین، اب یہ کہنا کہ یہ دونون دوزخ کے قابل نہین غلط ہے، کیونکہ دوزخ تو انکا بہترین ٹھکانا ہے، ہان بہشت سے البتہ مناسبت نہین،

ساقی نظرے بمن کن از لطف عمیم — بیمار مہل جان مرا ہمچو نسیم
آہو چشمی و شیر چشمی چہ کنم — جان من از بین امید و بیم است دو نیم

اے ساقی تو اپنی عام مہربانی سے مجھ پر ایک نظر کر تو نسیم کی طرح میری جان کو بیمار نہ چھوڑ، آہو چشم اور شیر چشم ہے مین کیا کرون، میری جان امید و بیم سے دو ٹکڑے ہو رہی ہے،

اگرچہ رباعی کا ترجمہ ہوگیا، مگر وہ لطافتین ظاہر نہ ہوسکین جو خیام کے بیان مین پوشیدہ ہین، پڑھنے والا اس ترجمے کو پڑھکر سمجھ نہین سکتا کہ نسیم کی طرح بیمار چھوڑنا کیا معنی، اور آہو چشم اور شیر چشم سے کیا مراد ہے، نسیم، اس دھیمی دھیمی ہوا کو کہتے ہین جو صبح کے وقت گلشن مین چلتی ہے، اس کی آہستہ خرامی کے بنا پر خیام نے اپنی سانس کو (جسپر زندگی کا دارومدار ہے) اس سے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ سانس کو روح سے ایک خاص نسبت ہے، پھر نسیم کی لطافت بھی ظاہر ہے خیام کی روح مین ساقی کی تغافل سے ایک لطیف افسردگی پیدا ہوگئی ہے اسیوجہ سے وہ اسکو آہستہ خرامی سے تشبیہ دیتا ہے آہو چشم کہنے سے چشم معشوق کی انتہائی تعریف مد نظر ہے اور شیر چشم سے نگاہ گرم تیز مراد ہے، مشہور ہے کہ شیر کی آنکھون مین ایک خاص کشش ہوتی ہے کہ اس سے آنکھ ملانا دشوار ہوتا ہے،

اب نفس مضمون پر غور کیجئے، خیام کہتا ہے، ساقی تیری بےالتفاتی نے میری جان کو بیمار کر دیا ہو ا ہے اب میری جان مین نسیم کی طرح ایک خفیف سی مستانہ جنبش باقی ہے، تو میری جان کو اس حال

مین نہ چھوڑ اور اپنے لطف عام سے میری طرف بھی اک نظر کر (تاکہ میری جان بن اک تڑپ پیدا ہو جائے) تیری آنکھین ہرن کیطرح خوبصورت، اور شیر کی طرح خشمگین اور شکاری ہین، آہو چشم میری جان کو مست کر دیتی ہے، مگر شیر چشمی، مایوس و افسردہ، مین کیا کرون میری جان کے دو ٹکڑے ہوگئے ہین، جسمین ایکطرف امید (مستی) ہے اور دوسری طرف بیم (افسردگی)

اگرچہ اس تشریح مین، ترجمے کی طرح اختصار تو نہین رہا، مگر رباعی کی اصل لطافت سامنے آگئی، معاذ اللہ اس تنقید سے تنقیص مراد نہین بلکہ جناب مترجم کے کمال کا اعتراف مقصود ہے۔

ترجمے کی خوبیون سے بھی انکار نہین، لیکن یہ گذارش ضرور ہے کہ دوسرے اڈیشن مین، ترمیم و اضافہ کی بہت کچھ گنجایش ہے،

امید ہے کہ شایقین ادب اس کتاب کی قدر فرمائینگے، کیونکہ رباعیات عمر خیام کی خوبیون مین مترجم کے ترجمے اور تبصرے نے چار چاند لگا دیئے ہین،

کتابت و طباعت دیدہ زیب حجم ۲۷۵ صفحہ قیمت فی جلد عا،

ملنے کا پتہ :- منیجر مطبع انوار احمدی الہ آباد

پیام امن

یہ کتاب، دراصل ترجمہ ہے، ڈودی نیشن کا انگریز ملک کے مشہور و معروف فلسفی انشا پرداز مولانا عبد الماجد صاحب بی اے، نے اپنے دلچسپ طرز تحریر سے اور مفید اضافون سے اسمین تصنیف کا ڈھنگ پیدا کر دیا ہے۔ دیباچہ مین مترجم موصوف اعلان کرتے ہین کہ یہ لفظی ترجمہ نہین۔ اقتباس ہے اور اسلیے وہ اس کتاب کو تالیف کہنا زیادہ مناسب سمجھتے ہین۔ لیکن سرورق پر "از عبد الماجد بی اے" دیکھکر دھوکا ہوتا ہے کہ آپ کی کوئی مستقل تصنیف ہے، بلا شبہہ ضمیمون کے اضافے نے، پیام امن کو بالاتر بنا دیا ہے۔

کتاب بہرصورت قابل قدر ہے، کاغذ نفیس، کتابت طباعت دیدہ زیب، حجم ۱۰۱ صفحہ

ملنے کا پتہ، دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ،

حضرت رشید،

سید آغا شہر لکھنوی نے لکھنؤ کے مشہور شاعر و مرثیہ گو پیارے صاحب رشید کے حالات زندگی شایع کئے ہین، جسمین جناب رشید مرحوم کے خاندانی حالات اور خصوصیات شاعری کو خاص طور پر نمایان کیا ہے، سلسلۂ بیان مین جناب عشق، جناب انس، جناب مونس، اور جناب انیس وغیرہم کے حالات و واقعات بھی تحریر کر دیئے ہین، اس سوانحعمری، کی ترتیب اور واقعات کے سلسلے مین بعض مشاہیر لکھنؤ، کے دلچسپ بیانات بھی قابل دید ہین،

رشید مرحوم کا شمار، لکھنؤ کی ان باکمال ہستیون مین تھا، جنکی ذات اردو کیلئے سرمایۂ ناز تھی، آپ اردو کو اردو بنانا چاہتے تھے اور فارسی ترکیبون کی غیر ضروری آمیزش کو اردو کا دشمن سمجھتے تھے، چنانچہ عزیز لکھنوی کا یہ شعر

شرح جنون سلسلہ جنبان کیے ہوئے
بیٹھا ہون چاک چاک گریبان کیے ہوئے

سُنکر فرمایا،

بھئی پہلا مصرعہ تو بالکل فارسی ہو گیا،

کاش اس روایت کو پڑھ کے وہ حضرات اردو کی حال پر کرم فرماتے، جو اُردو کے راستے مین فارسی ترکیبون کے بڑے بڑے پتھر چن دینا اپنا ادبی فرض خیال کرتے ہین۔

رشید، مرحوم باعتبار تغزل بھی عجیب و غریب شاعر تھے، سادگی مین ایسی رنگینی پیدا کر دیتے ،، جو فارسی کی رنگین ترکیبون مین قطعی ممکن نہین، مثال کی طور پر چند شعر ملاحظہ ہون،

وہی حیات کا باعث ہے جس پہ مرتا ہون — وہی مرض ہے مرا اور وہی دوا میری

زندگی کہتے ہین کسکو موت کسکا نام ہے — مہربانی آپکی، نا مہربانی آپ کی

ایسے مضطر چلے اس کوچے کیجانب دونون — گر پڑا مین کبھی رستے مین کبھی دل میرا

دونون عالم جسے کہتے ہین وہ یہ عالم ہین — صبح مرغان چمن، یا شام اسیران قفس

چمن مین بھین مجھے ساری اذیتین راحت، — بہشت تھا مرا اُجڑا ہوا نشیمن بھی

ہاتھ پہلو پہ دھرا ہے کرتے ہین دلبر کی فکر — پوچھتے پھرتے ہین گلیون مین کسیسے دل چاہیئے،

سوئے جب گور غریبان مین تکلف نہ رہا — دیکھئے پانون کیسکا ہے کسی کا سر ہے

گھرا ہے میکدے پر ابر شرما کرنہ برسے گا — ذرا دم بھر نہ روئے منع کردو اپنے گریان کو

دل جگر پڑھتے ہین کلمہ ترا ملک تن مین — ساری بستی مین یہ دو گھر ہین مسلمانون کے

ایک مدت تک ہر قصہ کسی جانب دل تھا، — اب نہین یاد یہ پہلو ہے کہ وہ پہلو ہے،

لطف نظارہ پہ موقوف ہی اپنی ہستی — منھ ادھر آپنے پھیرا کہ ادھر ہم نہ رہے

بس ایسے حال مین عاشق کو آپ ہی دین — حواس جانہ سکین اور ہوش آنہ سکے

کہتا ہے ہاتھ اُٹھا کر سوئے شجر یہ گلچین — کیون بدنصیب تو نے پھر آشیان بنایا

سینہ پہ جب کبھی کوئی آنسو ٹپک گیا — اس درجہ ناتوان ہون کلیجہ دھڑک گیا،

کیا جوڑتے ہین آپ دل پارہ پارہ کو — معلوم بھی ہے کون سے ٹکڑے کہانکے ہین

دمِ قتلِ زبح حسرت ہے کہ دیکھیں آپکو مرتے مرتے خیر جینے کی تمنا بھی سہی

کب ترے دام محبت سے رہا ہوتا ہے کوئی سو مرتبہ مرجائے تو کیا ہوتا ہے

اے جوش جنون کیون ہنسی ہوتی ہے ہم پر ہم تو کبھی ہنستے نہ تھے وحشت یہ کسی کی

درحقیقت کہ رشید مرحوم اردو زبان کے بہترین شاعر تھے، مرثیہ گوئی آپکے نزدیک ایک موروثی فن تھا جسمین آپنے خصوصیت سے نام پیدا کیا، آپ کی بہاریہ تمہید، قابل قدر ہوتی تھی جسے آپ ہر مرثیہ مین نئے رنگ سے کہتے تھے، ایک موقع پر فرماتے ہین،

اے خوشا وقت کہ عالم مین ہے سامان بہار سب مہیا ہین وہ چیزین جو ہین شایان بہار
پھر سنواری گئی ہے زلف پریشان بہار صحن گلشن مین ہین گل دست وگریبان بہار
پھول سب کھلنے لگے شاخ ہر اک پھلنے لگی
گرکے حبب اوس کھلی سرد ہوا چلنے لگی،

کچھ عجب صورتین غنچون کی ہین بھولی بھولی جو نظر آگیا بھر لی نرگس سے جھولی
منع بلبل نے کیا جیز کسی نے جو لی بولی نرگس تجھے کیا بحث ہے تو کیون بولی
بات جانی رہے یہ حسن بیان کھل جائے
کہین ایسا نہو سوسن کی زبان کھل جائے

یہ سوانح عمری، جسمین رشید مرحوم کی تصویر، اور کلام کا مختصر انتخاب بھی شامل ہے ۲۱۴ صفحون پر ختم ہوئی، زبان وبیان کے متعلق صرف لکھنؤ کا انتساب کافی ہے، کاغذ عمدہ کتابت وطباعت دیدہ زیب، قیمت عہ

ملنے کا پتہ - جناب محشر صاحب، چاہ گنگر لکھنؤ،

اعظمی

دل سے باتین

آنا تو بتا مجھکو، تو، اے دل دیوانہ — کیا ہو گئے وہ تیرے انداز قدیمانہ
بچپن سے ترا کل تک، مجھسے رہا یارانہ — کیون آج ہے برگشتہ، کیون آج ہے بیگانہ

تو کیون نہین قابو مین، کہنے کو ہے قابو مین
یون ہے مرے پہلو مین، گویا نہین پہلو مین

بجلی جسے کہتے ہین وہ خاصہ تیرا ہے — بیتاب ہے بیکل ہے مضطر ہی تڑپتا ہے
ہر دم تری رگ رگ سے اک درد سا پیدا ہے — کچھ کہہ تو سہی آخر۔ یہ تجکو ہوا کیا ہے

برباد نہ کر مجکو، اس درد نہانی سے
یہ سن ہے جوانی کا، یہ دن ہین جوانی کے

ہان اے دل وارفتہ، ہان اے دل سودائی — اب کیون نہین اگلی سی، ہشیاری و دانائی
کچھ روز اگر یونہین تیری رہی خود رائی — ہو جائیگی بدنامی۔ ہو جائیگی رسوائی

کہنا ہی نہین سنتا۔ کس کس طرح سمجھاؤن!
کیونکر تجھے بہلاؤن۔ اب کیا کرون؟ مر جاؤن!

معلوم یہ ہوتا ہے، تو محو محبت ہے — تجھ پر یہ سب آنکھونکی، ڈھائی ہوئی آفت ہے
اس سوزش پیہم کا، موجب غم فرقت ہے — جو تجکو ستاتی ہے۔ وہ دید کی حسرت ہے

یہ امر ہے لاحاصل۔ مجبور نہ کر مجکو
اے دل۔ مرے پیارے دل مجبور نہ کر مجکو

مانا مرے کہنے سے، وہ آئین، تو کیا ہو گا — یا اپنے یہان مجکو بلوائین، تو کیا ہو گا
آنکھون سے اگر آنکھین لڑ جائین تو کیا ہو گا — یہ سب سہی۔ وہ لیکن شرمائین تو کیا ہو گا

رہجاؤنگا منہ تک کے۔ چھاجائیگی خاموشی
لب تک بھی نہ آئیگی فریاد ستم کوشی

حالت شب فرقت کی، کون اُنکو سنائیگا　　مین کہہ نہ سکون پھر کیا۔ تو آپ بتائیگا
ڈر ہے کہ فلک مجکو۔ یہ دن نہ دکھائیگا　　سب کہنے کی باتین ہین۔ کون آئیگا۔ جائیگا

مجھ تک وہ چلے آئین۔ کیا ایسی غرض اُن کو
کیون مجکو وہ بلوائین۔ کیا ایسی غرض اُن کو

تو یاد مین مرتا ہے۔ وہ یاد نہین کرتے،　　تو ہجر سے غمگین ہے۔ وہ شاد نہین کرتے
کر صبر کہ حال اپنا۔ برباد نہین کرتے،　　عشاق جو ہوتے ہین۔ فریاد نہین کرتے

یون ہوکے پریشان تو۔ مجکو نہ پریشان کر
گر وصل کی خواہش ہے۔ ضبط غم ہجران کر

محمد یٰسین قریشی تسکین (سوڈنی)

کلام اعلیحضرت شاہ دکن

اثر پیدا ہوا اسکی فغانمین　　تلاطم ہے زمین و آسمان مین
مین اُمید مسیحا پر ہون زندہ　　وگرنہ کیا ہے جان ناتوان مین
حقیقت کھُولکر اک دن رہینگے　　وہ آنسو جو ہین چشم رازدان مین
مزے ملتے ہین دونون کے صیّاد　　قفس بھی لا کے رکھدے آشیانمین
جرس کے بھی جو اُٹھکر ہوش کھودے　　وہ نغمے ہین میرے سازِ فغانمین

رہ طیبہ مین گرتے پڑتے عثمان
چلا جاتا ہون گردِ کاروان مین

گورونانک دیو

(از دوتستہ پرشاد فدا)

اے نانک قلب تھا صاف ترا، کیا وصف ہو تیرے سینے کا
کہتے ہیں چراغ طور جسے، جوہر تھا اس آئینے کا
ہر تار نفس ترا پایہ تھا، معراج وفا کے زینے کا
تری بزم میں کس کو یارا تھا، مکر اور فریب اور کینے کا
دل میں جو لگن پوشیدہ تھی، وہی لب سے ہویدا ہوتی تھی
ناپید جو تھی ذہن پہلو میں، گفتار سے پیدا ہوتی تھی

رتبہ تھا سوا ترا شاہوں سے، انداز فقیروں والا تھا
ہر سرو سہی ترا شیدا تھا، اور والہ ہر گل لالہ تھا
تری معنی خیز نصیحت کا، طور اور طریق نرالا تھا
تاویل ترے ہر جذبے کی مرغان سحر کا نالا تھا
اک ساز سراپا وحدت کا، القصہ تری ہستی تھی،
جس سے دل اہل دانش پر، طاری محویت و مستی تھی،

ملتی تھی صلا جب رندوں کو، اے پیر ترے خمخانے سے
تو سوز عشق کی آتی تھی، ہر سوز بھرے پروانے سے
یوں شوق تجلی اٹھتا تھا، ہر محفل کے دیوانے سے
جس طرح چھلکتی پڑتی ہو، مئے ناب بھرے پیمانے سے

دیدار کے طالب محفل میں، سرگرم تماشا رہتے تھے
خاموش مگر دل ہی دل میں، سرگرم تماشا رہتے تھے

مئے عرفان کا متوالا تھا، اور بزم الست کا ساقی بھی
تھا جام پیاپے گردش میں، اور دور کئی تھے باقی بھی
تری بیعت کا دم بھرتے تھے، ہندی بھی اور عراقی بھی
انداز میں ترے پنہاں تھی، خلّاقی بھی رزّاقی بھی
تری ساقی گری کا شہرہ تھا، اِس عالم سے اُس عالم تک
ترے لطف وکرم کا چرچا تھا، اِس عالم سے اُس عالم تک

مُسلم تجھے مرشد کہتے تھے، ہندو اوتار سمجھتے تھے
وہ کلمہ گو، یہ نانک کو، اہل زنّار سمجھتے تھے
وہ بندۂ سُبحان کہتے تھے، یہ خود کرتار سمجھتے تھے
اور صوفی اپنے مذہب کا تجھکو سردار سمجھتے تھے
ان سب شامل ہوتے بھی، ترا اپنا طور نرالا تھا
سب اپنی اپنی مست والے، تو عرفان کا متوالا تھا

تو درس حقیقت دیتا تھا، سب کو یہ سناتا تھا ہر سُو
جز اللہ سب ناپیدا ہے، ہر سمت ہے پیدا اللہ ہو
جو میرا ہے سب تیرا ہے، "مین" مٹ مٹ کر ہو جائے "تو"
کاف تصغیر یہ کہتا ہے میں ہیچ ہوں میں سب کچھ واگورُد
تو شاہ دو ہوں کی بستی کا، اور واہ گورو کا پیارا ہے
اور نام ترا اس ہستی کے گلشن میں پھول ہزارا ہے

دتّسترپرشاد فدا

عالمِ انتظار

از کلیم اعظم گڈھی

اُف یہ بیقراریاں، لطفِ انتظار مین
ٹیس اُٹھ رہی ہے پھر قلبِ بیقرار مین

کب سے راہ تکتی ہون اسکی ان کو کیا خبر
دل تو انکا سخت ہے اسپہ ہوگا کیا اثر

اپنی شان دیکھتے گر نہین مرا خیال
پاس اپنے قول کا کچھ تو کرتے تند مثل

یہ سویرے کا سمان اور کنارۂ چمن
سبز سبز گھاس ہے ڈہڑ ہار ہا ہے بن

خاک لطف سیر کا دلمین جب نہو قرار
پھول مین مہک کہان انمین ہین بھرے شرار

سرخ سرخ پھول مین رنگ ہی کہ آگ ہی
کیون جلا رہے ہین دل کیون یہ مجھسے لاگ ہے

دھیمی دھیمی موج مین وہ کنول کا جھومنا
کالے کالے بھونرے کا منھ کو اُنکے چومنا

زخم دل ہرے ہوئے "پی کہان" کے شور سے
جانے کیون پپیہے آج چیختے ہین زور سے

مجکو کیون سناتے ہین "پی کہان ہے" "پی کہان"
اِن سے کیا بتاؤن مین؟ دل کہان ہے جی کہان

چھیلتا ہے دلکو "آہ" بول ہے کہ تیر ہے
دلمین آج سو جگہ خون بھری لکیر ہے

مین تو چھپکے رات مین گھر سے آج چل پڑی
کب سے راہ دیکھتی راستے مین ہون کھڑی

آہ وہ نہ آئے کیون؟ اسمین کوئی بات ہی
وہ نظر نہ آئین تو دن بھی مجکو رات ہے

بڑھ رہی ہے روشنی "آہ" کوئی آ نہ جائے
دیکھکر یہان مجھے دل کی بات پا نہ جائے

میری انتظار کو لوگ تاڑ جائین گے،
مجکو دیکھ دیکھ کر اُنگلیان اُٹھائین گے

اپنے منھ کو ہائے ہائے، مین کہان چھپاؤنگی
جمنا جی تو پاس ہین اس مین ڈوب جاؤنگی

آتی ہین مویشیان "اُجلی، پیلی، کالی، لال"
پیچھے پیچھے کھیلتے آتے گوال بال

بولیان وہ بولین گے دیکھکر مجھے یہان
شک کرینگے مجھپہ وہ ہائے مین چھپون کہان

خیر جان لینگے وہ پھول لانے آئی ہے ... اٹھ کے آج تڑکے ہی یہ نہانے آئی ہے
ہائے کیا غضب ہوا آگئیں سہیلیاں ... کیا نہانے آئی ہیں؟ آتہ جائیں سب یہاں
ایشور مجھے بچا! اُن کا سامنا ہو، ... میں ادھر کو چھپ رہوں کوئی دیکھتا ہو
کنج میں دبک رہوں جسم کو چھپا کے میں ... انکو دیکھتی رہوں یوں نظر بچا کے میں
ٹھیک میرے سامنے گھاٹ پر وہ آگئیں ... پانی لیکئے ہاتھ میں تو وہ کھیلنے لگیں
بول اُٹھی مالتی! میں نہیں نہاؤنگی ... مجھپہ پھینکنا نہیں دیکھ بھیگ جاؤنگی
تو وہ کھینچ ہی لیا لالتا نے اس کا ہاتھ ... جل میں وہ لپٹ پڑیں گر کے دونوں ساتھ ساتھ
تو وہ تیرنے لگیں جسم کو سنبھال کے ... پانی پھینکنے لگیں ہر طرف اوچھال کے
میں نے کچھ نہیں سُنا مالتی نے کیا کہا ... اسقدر تو سن لیا کہتی تھی وہ "رادھکا"
دیکھکر کہیں مجھے اس نے یہ نہو کہا ... دوڑ کر یہاں نہ آئیں مالتی و لالتا،
تو لگیں نکلنے وہ ساڑیاں سنبھال کر ... جسم اپنا ڈھانپ کر خوب دیکھ بھال کر
ساڑیاں بدلتی ہیں گھاٹ پر نکل کے وہ ... تو پھر اسطرف چلیں ساڑیاں بدل کے وہ
دل دھڑک رہا ہے کاش اسطرف نہ آئیں وہ ... جسطرف سے آئی ہیں اسطرف کو جائیں وہ
جا رہی ہیں گھر کو وہ بھر کے جل سے جھاریاں ... سر پہ چندریاں دھرے ہاتھ میں ہیں ساریاں
باندھکر قطار وہ گھاٹ سے رواں ہوئیں ... رفتہ رفتہ آنکھ سے وہ میری نہاں ہوئیں
اب کوئی نہیں رہا میں ہوں اور انتظار ... آہ لب پہ آگئی اور دل ہے بیقرار
کیا خبر تھی وعدے کو یوں وہ بھول جائینگے ... راستہ بھٹک کے بھی اسطرف نہ آئینگے
ہوگئی کھڑے کھڑے مجھ کو پانچ چھ گھڑی ... ہے قریب وہ گھڑی جب ہو دوپہر کھڑی
میری آہ گرم کا اِسقدر اثر ہوا ... دھوپ تیز ہوگئی گرم ہوگئی ہوا،
کیوں وہ پوچھنے لگے میرے حال زار کو ... جانتے ہیں خوب ہی میرے انتظار کو
"ایں" کدھر سے آئی ہے یہ صدائے جانفزا ... روح تازہ ہوگئی گونجنے لگی فضا
ان کی بانسری کی لے یہ کدھر سے آگئی ... جان بے قرار تھی سنکے چین پاگئی
[illegible]یوں کے ساتھ ساتھ دیکھئے وہ آتے ہیں ... وہ ستانے کے لیے ان کو ساتھ لاتے ہیں
سامنے نجاؤنگی سامنے گر آئیں بھی ... میں نہ ان سے بولوں گی گر مجھے منائیں بھی

جذبات فراق

ہمی رخ اے ہوائے کوئے جاناں ہم بھی بیٹھے ہین
دل افسردہ پر اپنے تری تاثیر دیکھین گے

نسیم صبح ہم تیرے نثار اس سمت بھی آنا
ذرا ہم بھی خرام ناز کی تصویر دیکھین گے

اُٹھین شمع لحد کا جھلملانا کوئی دکھلا دے
وہ کہتے تھے اُکھڑتی سانس کی تصویر دیکھین گے

بیان شکست طلسم جہان عدم مین کرون
کہ مرتے دم یہ فسانہ یہین سے چھوٹا تھا

تجھے خبر ہے تو ہی اے نگاہ ساقی کہ
کہ رات بزم مین کس کسکو ہوش کتنا تھا

نگاہ وہ تھین، وہ ترے حسن بے نیاز کی آہ
مین دلکو تھامے تری بزم سے جب اُٹھا تھا

وہ دل جو قطرۂ خون تھا اسکی لہرون سے
بہار باغ جہان تھی وجود دنیا تھا

اے دل کسیکی پہلی نگاہون کا ذکر، آہ
یاد آگیا مجھے مرے غفلت شعار کیا

بجھ بجھ کے داغ دل اُبھر آتے ہین ہمنشین
مجھ قیدی قفس کی خزان کیا بہار کیا

کچھ لڑکھڑائی چال ہے اسکی بھی ساقیا
آتا ہے میکدہ سے لیے ابر بہار کیا

تھا حال بے ثباتی دنیا کہ ذکر نزع
کہتی تھی رونے والے سے شمع مزار کیا

رگھوپت سہائے فراق

بزم سخن

نہایت خوشی کی بات ہے کہ کالجون اور اسکولون مین بھی اب اُردو ادب کی ترقی کا خیال پیدا ہو چلا ہے۔ چنانچہ ۱۹ مارچ ۱۹۲۳ء کو پرتھی ناتھ ہائی اسکول مین ایک بزم شاعرہ منعقد ہوئی تھی تین طرحون مین غزلین پڑھی گئی تھین ہم چند ادب دوست طلباء کی غزلون کا انتخاب ہدیہ ناظرین کرتے ہین۔ اڈیٹر

جناب محمد افتخار حسین صاحب افتخار

دعا مانگتا ہون ذرا تم بھی کہدو — خدا تیری سن لے دعا کرنیوالے
مرے ساتھ مٹ جائے نقشِ وفا بھی — پشیمان تو ہون یہ جفا کرنے والے

جناب مرزا صمصام علی بیگ آصف

مریضِ محبت کا اب ہے یہ عالم — دعا کر رہے ہین دوا کرنے والے
یہان تک بڑھی ہین جفائین تمہاری — کہ مٹتے نہین اب وفا کرنے والے
مرے دل سے کہتی ہین اُنکی نگاہین — یہ ناوک نہین ہین خطا کرنے والے

جناب اولاد علی صاحب غرق

یہ شرمائی صورت یہ نیچی نگاہین — غضب ڈھا رہے ہین حیا کرنیوالے
مجھے زہر دیتے ہین مایوس ہوکر — مرے دردِ دل کی دوا کرنے والے

جناب ممتاز بریلوی

دعا کر رہے ہین وفا کرنے والے — سلامت رہین یہ جفا کرنے والے
تڑپتے ہین کس کس طرح تیرے بسمل — ذرا دیکھ لے او جفا کرنیوالے

تصاویر

اس ماہ ۱۳ اپریل کو تمام ملک میں سری رامچندر جی کی سالگرہ کا تہوار منایا گیا۔ ہم اس سالگرہ مبارک کے پر اس پرچے میں رامائن کے متعلق دو دلکش تصویریں تدر ناظرین کرتے ہیں۔ پہلی تصویر میں رشی اتری کی عصمت مآب انسویا بائی سیتاجی کو نئے کپڑے پہنا رہی ہیں۔ رامچندر جی لکشمن جی و سیتاجی سمیت بن باس کو تشریف لیگئے ہیں تو شاید راہ میں کیلئے رشی اتری کے آشرم میں بھی ٹھہرے۔ انسویا مجسم پت برت دھرم ہیں۔ ہندو خاتونوں کی شوہر پرستی سے دنیا واقف ہے مگر دیویوں میں بھی انسویا کا درجہ بہت ممتاز ہے چنانچہ روایت ہے کہ ایک دفعہ کسی دیوتا نے اتری رشی سے ناراض ہوکر بد دعا دیدی کہ صبح ہوتے ہوتے دنیا میں انکا نام و نشان نہ رہے گا جب اس عصمت مآب خاتون کو اس بد دعا کا علم ہوا تو اسنے اپنے پت برت دھرم کی طاقت سے کامل چھ مہینے تک سویرا ہونے ہی نہ دیا۔ اور جبتک دیوتاؤں نے اس بد دعا کو معدوم کرنے کا وعدہ نہیں کر لیا تب تک انسویا بائی کے عزم بالجزم میں فرق نہیں آنے پایا۔

سیتاجی جب انسویا جی کے آشرم میں رونق افروز ہوئیں تو انھوں نے سیتاجی کی بڑی آؤ بھگت کی۔ بہترین کے عطیہ لباس و زیورات سے آراستہ کیا اور استری دھرم کے متعلق بہت سی باتیں بتلائیں انسویا جی نے فرمایا کہ عورت کیلئے یوں تو ماں باپ، بھائی اور دوست بھی قابل قدر ہیں لیکن شوہر ایک دولت نامتناہی ہے وہ عورت جو اپنے شوہر کی پرستش نہیں کرتی کسی ستایش کی مستحق نہیں ہے۔ ہمت، نیکی، دوست، اور عورت یہی چار چیزیں مصیبت کے وقت کام آتی ہیں جو عورت شوہر کی اطاعت کرتی ہے اسکی جگہ بہشت بریں میں ہے۔ سیتاجی تمہارا نام دنیا میں ہمیشہ نیکی سے یاد کیا جائیگا کیونکہ تم شوہر کو جان سے زیادہ چاہتی ہو۔

دوسری تصویر حسب ذیل واقعہ کے متعلق ہے۔ بن باس کے سلسلے میں جب شری رام لکشمن و سیتاجی گنگاجی کے کنارے پہنچے تو انہوں نے دریا عبور کرنے کے لیے ملاحوں سے کشتی منگائی ملاحوں کا چودھری گو جا بولا مہاراج ہمنے سنا ہے کہ آپکی خاک پا آدمی بنا دیتی ہے۔ ایک بار ایک پتھر کی شلا آپ سے قدمبوس ہوئی، تو وہ ایک خوبصورت عورت بنگئی۔ میری کشتی لکڑی کی ہے جو پتھر سے ملایم ہوتی ہے مجھے خوف ہے کہ اگر آپ میری کشتی پر بیٹھیں گے تو کہیں اسمیں سے بھی کسی رشی کی استری نکل آئے اور اسطرح میری اور میرے بال بچوں کی گذر اوقات کا ذریعہ ہی مسدود ہو جائے۔ اجازت دیجیے کہ میں پہلے آپکے چرن دھو لوں اور پھر آپکو کشتی پر بٹھلاؤں۔ بھگوان شری رام نے ملاح کی محبت بھری باتیں سنکر مسکرا دیا۔ اور گوجا نے قدم لیے اور چرنامرت پیکر انکو خوشی خوشی کشتی پر سوار کرا کے دریا عبور کرا دیا۔

تلسی داس جی نے ان دونوں واقعات کو اپنے بےنظیر پیرایہ میں نظم کیا ہے۔ دونوں مناظر سے سب لوگ بھگت بن جانے کا واقعہ ہے

کارٹون

ہندوستان اور گورنمنٹ ہند کا ریفارم ایکٹ

یورپ خانہ جنگیون کے تلاطم مین

برطانیہ وروس کی کانفرنس

خوب جن جائیگی مل بیٹھین گے دیوانے دو

اکالی تحریک و گورنمنٹ ہند

پربھا کا بنو۔

مزدوروں کے ادنےٰ طبقے کی بیداری

زمانہ

جلد ۴۲ — مئی ۱۹۲۴ء — نمبر ۵

ملکی ترقی کا راز

کچھ عرصہ سے پولیٹیکل جد و جہد کا غلغلہ ہندوستان کے ہر حصہ اور تقریبًا ہر گوشہ مین بلند ہے۔ عوام و خواص ملکی و مسائل سے نسبتًا اب زیادہ دلچسپی لینے لگے ہین۔ تعلیم یافتہ گروہ کے وہ اصحاب جو سرکاری ملازمت کے طوق و سلاسل سے آزاد ہین۔ فی زمانہ بجز سیاسی معاملات اور کسی مسئلہ پر کافی توجہ نہین کرتے۔ باوجود اس دل خوش کن اور غیر معمولی شوق و انہماک تعلیم یافتہ حضرات مین بعض غالبًا معدودے چند ایسے نفوس ہونگے جو سیاسی ترقی کے راز و ذرائع پر غور و فکر کرتی ہون۔

اس مضمون میں ہم ان متین و سنجیدہ اصحاب کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہین جو عاقبت اندیشی کو فوری جوش و عارضی سرگرمی پر ترجیح دیتے ہین اور اپنی ذاتی رائے پر اعتماد رکھتے ہین۔ مہذب ممالک مین سیاسی ترقی کیونکر ہوئی اسکے منازل کیا تھے۔ ان قومون کو منزل مقصود تک پہونچنے مین کیا کیا مصائب و مرحلے طے کرنا پڑے جمہوریت و مساوات کے خیالات عوام و خواص کے دلون مین کیونکر جاگزین ہوئے اور اس کٹھن منزل تک کتنے عرصہ دراز کے بعد پہنچے یہ وہ مسائل ہین جن کا جواب یورپ کے مورخون نے ضخیم کتابون مین دے رکھا ہے اہل نظر ان سے ناواقف نہونگے۔

اس معاملہ مین غالباً یہ لکھنا بیجا نہ ہوگا کہ جہان تک ہمکو معلوم ہے ہندوستان کے پولٹیکل نجات کا مسئلہ ایسا وسیع و پیچیدہ ہے کہ اب نرے مشرقی اصول سلطنت کی پیروی سے ہم کامیاب نہین ہو سکتے ہمکو بادل ناخواستہ مغربی اصول طریق عمل پر کاربند ہونا پڑیگا۔ حقیقتاً ہمکو اس طرز عمل سے گریز نہ کرنا چاہیے۔ اسلیے کہ ہماری موجودہ سیاسی زندگی کا محرک اوّل مغربی تعلیم کا اثر ہے۔ اگر آج ہم مغربی اقوام و ممالک کے جدید کارنامون سے اثر پذیر نہوئے ہوتے تو سلطنت خود انتظامی یا ہوم رول کا خواب نہ دیکھتے اور نہ دنیا کے ترقی یافتہ اقوام سے ہمسری کی خواہش کرتے ہم مین جسقدر احساس ملکی پارلی پیدا ہو چلا ہے یہ سب از خود نہین آیا ہندوستان ایک گونہ خوش قسمت تھا، قضا و قدر نے ہماری اس مین بہبودی دیکھی ہوگی کہ یورپ کے ایک نہایت سربرآوردہ قوم کو ہمپر حکمران بنایا۔ اس باہمی مشارکت و محبت سے جو نتایج پیدا ہوئے یا آیندہ ہونگے انکا اعادہ و اظہار زبان قلم کے لیے مناسب نہین ہمکو اس عظیم الشان واقعہ پر متاسف نہونا چاہیے۔ ایشیائی ممالک کے اکثر اقوام اپنی موجودہ حالت کی خود اصلاح کر رہی ہین اور مغربی اصول جدو جہد کی تقلید کو کسرشان نہین سمجھتین۔

جمہوری سلطنت اور نیابتی طرز عمل کی روشنی ہمکو انھین ممالک سے ملتی ہے جنمین رعایا کو عام مفت جبری تعلیم بلا لحاظ مذہب و ملت فرقہ وگروہ بندی دیجاتی ہے اور اعلےٰ تعلیم کا چرچا گھر گھر ہے۔ بلا امتیاز اعلےٰ و ادنےٰ ہر پڑھے لکھے شخص کو پولٹیکل حقوق اس بناپر دیے جاتے ہین کہ وہ اس ملک و قوم کا ایک فرد ہے اسے نظام حکومت اور وضع قانون کے انصرام مین اسکی رائے کی شنوائی ہوتی ہے جبریہ و عام تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ ہر متنفس خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو نہ صرف اپنے حفاظت حقوق کا متمنی بلکہ ان فرایض سے باخبر ہوتا ہے جو اسکے قوم و ملک سے تعلق رکھتے ہین

اسی عام احساس ملکی کا اثر ہے کہ یہ لوگ جب اپنے ملک کو خطرہ مین دیکھتے ہین۔ تو جان و مال نثار کر دینے مین دریغ نہین کرتے آج سے بیس سال قبل جب روس اور جاپان دست وگریبان تھے تو کون کہہ سکتا تھا کہ ایشیا کی ایک غیر معروف

قوم اتنے بڑے سور بیر کو شکست فاش دیگی - وہ کونسا طلسم تھا جسنے ایک ننھی قوم مین حیرت انگیز حرارت قومی پیدا کر دی ایک جاپانی عورت کو کسی نے روتے ہوئے دیکھکر پوچھا تم کس مصیبت مین گرفتار ہو - بولی "کوئی ذاتی غم نہین صرف ایک صدمہ مین مبتلا ہون کہ کاش میرے ایک اور اولاد ہوتی تو ملک پر نثار کر دیتی - جاپان کے موجودہ طریقہ رفتار سے اسوقت کون ناواقف ہوگا - ہمارے لیے غور و تامل کا موقع ہے - پچاس برس تک خاموشی کے ساتھ جاپان نے اپنی ملکی جسم کے ہر عضو کو توانا بنادیا یورپ و امریکا کے قومون سے انواع اقسام کے ہنر سیکھے صنعت و حرفت مین کمال حاصل کیا تعلیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ ملکی ترقی کو وابستہ سمجھا - اس طرح عزت کے آسمان پر منور تارہ نبکر چمکا -

ہمارے ملکی معاملات جاپان سے زیادہ اہم و پیچیدہ ہین - ہم اقرار کرتے ہین کہ ہمکو وہ سہولتین نہین جو ان کو ملین تھین تاہم یہ امر قابل غور و تقلید ہے - نہ صرف جاپان بلکہ کسی ترقی یافتہ قوم نے آج تک چشم زدن مین عروج کے مراحل کو نہین طے کیا - کافی عرصہ امیدواری اور تیاری مین صرف کرنا پڑتا ہے - یکایک کوئی شے بغیر مسلسل اور ان تھک محنت ممکن نہین کہ دستیاب ہو - اہل فرنگ کو خواہ ہم اپنا فاتح تصور کرین خواہ مصلح و رہبر خواہ رقیب و حریف بہر صورت ایک نہ ایک دن ہمکو ان کی ماتحتی اور محکومی سے سبکدوشی ضرور حاصل کرنا ہے - اس امید و اعتماد کے بنا پر پچاس برس سے چند دوراندیش فدایان قوم آئینی جدو جہد کرنے مین مصروف رہے ہین - دادابھائی اور گوکھلے آنجہانی کو یقین کامل تھا کہ ہماری لگاتار سعی بیکار نہ جائیگی - وہ دن ضرور آئیگا جبکہ ہم اپنے محنت و جانفشانی کے ثمرہ سے بہرہ اندوز ہونگے -

برٹش گورنمنٹ کو اگر ہم اپنا حریف و رقیب تصور کرین تو ہمکو ان سے زیادہ توقع مراعات نہ رکھنا چاہئے ہم خود بحیثیت قوم جو کچھ اپنی اصلاح و بہبودی کے لیے کر سکتے ہون اس سے کسی حالت مین دریغ مناسب نہین حریف کے ہر داؤ پیچ سے واقفیت حاصل کرنا ہمارا فرض اولین ہے - جب تک ہم خالص حب الوطنی کے جوش سے ، اور مادۂ ایثار سے سرشار نہونگے قومی بیڑے کو پار نہین لگا سکتے -

اگر ہم سرکار دولت مدار کو اپنا فاتح و مصلح سمجھکر اس کے مراحم خسروانہ سے مستفید ہونا چاہتے ہون تو اس حالت مین بھی ہمارا فرض ہے کہ اپنی سرگرمی ذاتی جوہر و قابلیت و اتحاد ایثار، جانبازی کا اسقدر ثبوت دین کہ وہ ہماری استعداد و قابلیت کا لوہا مان جائے عام قاعدہ ہے کہ جب تک باپ اپنے بیٹے کو کم شعور و کمزور سمجھتا ہے۔ اس سے تحکمانہ برتاو کرتا ہے جسوقت یہی لڑکا سن شعور کو پہونچ جاتا ہے۔ اور اس کا ہمسر ہوجاتا ہے تو باپ اُسکے ساتھ مساوات کا برتاو کرتا ہے۔ جو اصحاب سوراج کے آرزو مند ہین انھون نے غالباً اس مسئلہ پر غور نہین کیا کہ اگر ہمکو عنقریب سوراج مل بھی جائے تو بغیر بہترین طریقہ تعلیم و تربیت ہماری قوم موجودہ حالت مین ہمسایہ اقوام کا جو ترقی کے میدان مین ہم سے منزلون آگے بڑھے ہوئے ہین کیونکر مقابلہ کرسکتی ہے۔ اور اپنے قومی وقار کو کس طرح قائم رکھ سکتی ہے، اسلئے قبل اسکے کہ ہم عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لین۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ قوم کے منتشر اجزا کو مجتمع کرین۔ اور ان مین جدید طریقہ تعلیم و سیاسات اور اسکے گوناگون شاخون سے ایک روح پھونکدین جو ان کے پولٹیکل قالب کو بالکل بدل دے۔ ورنہ ہم خفیف ہونگے اور ہمکو نیچا دیکھنا پڑے گا۔ اگر ہم نجات ہند کے دلی آرزومند ہین تو ہمکو چاہئے کہ قومی فنڈ کھولین ہونہار نوجوانون کو یورپ و امریکہ حرفتی و صنعتی اقتصادی تعلیم کے لیے بھیجین تاکہ واپس آکر وہ ان چیزون کا اپنے ملک مین رواج دین۔ فی الحال ہم مجبور ہین۔ بجز تعلیم قعر مذلت سے ہمکو نکالنے والی کوئی اور شے نہین

بلا امداد غیرے جسقدر ہم سے ممکن ہوسکے ہمکو چاہئے کہ سلطنت خود انتظامی کے حصول کی کوشش مین کوئی دقیقہ اٹھا رکھین، بذریعہ تحریر و تقریر اور تعلیم عامہ عوام الناس مین سیاسی حس پیدا کرین۔

ہر قریہ اور شہر مین مادر ہند کے پیغام کو پہنچائین۔ کیا ارباب نرم و گرم نے اس طرف توجہ کی ؟

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پولٹیکل خیالات کی اشاعت مین ضرور کوتاہی کی جاتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ہم مین خالص حب الوطنی کا جوشش ابھی تک پیدا نہین ہوا۔

اور لگاتار جد و جہد کی صلاحیت نظر آتی ہے۔

ہم اب تک اس بیّن اصول سے ناواقف ہین کہ جزو کل کی ہستی ایک دوسرے پر منحصر ہے انفرادی ملی اور مجموعی زندگی کے باہمی اثرات اور حسیات سے ہم اب تک بے بہرہ و بے خبر ہین اس نکتہ کو ہم ابتک نہین سمجھے کہ مغربی اقوام اس راز کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی ہین۔ نہین بہ استثناے چند معدد بہ تعداد ایسے جانبازون کی ہے کہ جو نہایت آمادگی اور خوشی سے اپنے ملک کی آزادی حاصل کرنے مین کوشان کیون ؟ رہتے ہین۔ اسلئے کہ وہ بخوبی جانتے ہین کہ ہماری انفرادی ہستی و ذاتی وقار کا تحفظ و ثبات مجموعی ہستی (جسکو سوسائٹی یا قوم کہتے ہین) پر منحصر ہے۔ اسلئے ایثار سے دریغ نہین کرتے۔

شکست کا ہولناک منظر غلامی محکومیت کا سمان ان کے پیش نظر رہتا ہے۔ ان مین ہر شخص باخبر ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ فتح و شکست کے ساتھ ہماری آیندہ نسلون کی آزادی اور وقار قومی وابستہ ہین۔ قوم کے ہر متنفس کا بالکل فنا ہوجانا ذلت و خواری کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ وہ اپنے ملک اور قوم کو مہیب خطرہ مین گھرا ہوا دیکھکر سراپا ایثار بن جاتے ہین۔ گذشتہ زمانہ مین بھی بہت سی لڑائیان ملکی مقاصد کے حصول کے خاطر ہوئین مگر یہ حیرت انگیز اور بے نظیر جانبازی اور سرفروشی ان مین بہ حیثیت مجموعی ناپید تھی۔ آخر اسکا سبب کیا ہے۔ وہی عام تعلیم جس سے اقوام مین اخوت مساوات۔ جمہوریت اور حب الوطنی کے جذبات پیدا ہوے ہین۔

اگر ہم دنیا مین اپنی ہستی کو قائم رکھنا چاہتے ہین اور آزادی و عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہین تو ملکی آزادی کے حصول مین جان و مال کی قربانی سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔ لو یاد رکھنا چاہیے کہ جرمن و روس سے سخت تر حریف کا ہمکو مقابلہ کرنا ہے وہ دشمن سخت گیر اری جہالت علمی پستی غلامی اور نفاق ہین۔ ان کے مقابلہ کے لیے ہمین اسقدر تندہی ایثار ہمتی سے کام لینا پڑے گا۔ جس درجہ آج یورپ کے اقوام اپنے ملکی تحفظ کے لیے کر رہے ہین،

مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

انگلستان کی تعلیمی حالت گو یورپ کے دیگر اقوام سے کم درجہ ہے۔ مگر ہم سے وہ بدرجہا

ترقی یافتہ ہین۔ مسٹر فشر پریسیڈنٹ ایجوکیشن بورڈ نے انگلستان کی تعلیمی اصلاع کا بل۔ پارلیمنٹ مین پیش کرتے ہوے کہا کہ "ہم کو کافی فراخدلی سے تعلیمی اصلاح پر روپیہ صرف کرنا چاہیے ورنہ آئندہ نسلین ہمارے قدیم وقار کو قائم نہ رکھ سکین گی۔ جو قوم بہترین تعلیم اپنی اپنی نسلون کو نہین دیتی وہ زندگی کے کشمکش مین ہمیشہ پیچھے رہے گی۔

از ابتدا تا انتہا پولیٹیکل ترقی کی بنیاد تعلیم پر منحصر ہے۔ اور یہی سیاسی ترقی کا راز ہے۔ ہندوستان مین جا بجا پولیٹیکل انجمنین قائم ہین جس مین کم و بیش جد و جہد کیجاتی مگر پولیٹیکل حقوق کے حصون کا اصلی و یقینی ذریعہ تعلیم ہے۔ اس سے ہمارے پیشوایان قوم بہت غافل ہین جسقدر وقت و سرمایہ ہم پولیٹیکل معاملات کے سلجھانے اور سیاسی حقوق کے حاصل کرنے مین کرتے ہین اس سے کم وقت و سرمایہ تعلیم پر صرف کرتے ہین۔ حق تو یہ ہے کہ جو قومین تعلیم سے بے اعتنائی نہین کرتین انہین ملکی حقوق سہولت کے ساتھ ملجاتے ہین جس طرح ہم گورنمنٹ کے نافذ کردہ ٹکسون کو ادا کرتے ہین۔ ہمکو تعلیمی ٹکس بخوشی دینا چاہیے اس فنڈ کا انتظام ہمارے ہاتھون مین رہنا چاہیے۔

ہر شہر قصبہ اور صوبہ مین تعلیمی درس گاہین قائم کرنا ضروری ہے۔ اس ذریعہ سے ہم قومی تعلیم کی اشاعت تھوڑے عرصہ مین اور جلد کر سکتے ہین۔ جب تک ہم خود اپنی مدد آپ نہ کر سکین گے خدا ہماری ہرگز مدد نہ کرے گا۔ مبارک ہین وہ لوگ جو قوم و ملک کی خدمت کو اپنی زندگی کا اصلی مقصد سمجھتے ہین۔

من نہ می گویم سمندر باش یا پروانہ باش
گر بہ فکر سوختن باشی بر دمردانہ باش

تعلیم عام کا اشد ضرورت کا تازہ ثبوت ہندوستان کے مختلف صوبون مین انتخاب کونسل کے موقع پر بہت کافی مل چکا ہے۔ ووٹ حاصل کرنے کے خاطر منچلے لیڈرون نے اپنے حریفون کے خلاف سب وشتم لونت ولایم بہتان افترا اور غلط بیانی کا کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھا۔ عوام الناس مین بوجہ شدید جہالت کھرے اور کھوٹے کے پرکھنے کی تمیز نہ ہونے کی وجہ سے ان حضرات کا جادو ان سادہ لوحون پر خوب چلا۔

اس سے بڑھکر ہمارے ملک کی بدقسمتی اور قومی ناعاقبت اندیشی کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ وہ بزرگان قوم جنہوں نے ملک کی بے ریا خدمت کرنے مین اپنے جان و مال کا بھی خیال نہین کیا۔ اور عمر عزیز کا بیش بہا حصہ قوم کے نذر کر دیا جنکے بےنظیر ایثار شہرۂ آفاق سیاست دانی انشا پردازی علم وفضل کا لوہا دوست دشمن تقریباً سب نے مان لیا ہے۔ گذشتہ انتخاب کونسل کے موقع پر دشمن ملک بناکر پس پشت ڈالدیئے گئے۔

اگر رائے دہندگان مین تیس چالیس فیصدی اصحاب بھی ایسے ہوتے جو بلا خارجی اثر خود رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے تو مختلف کونسلون مین نمایندگی کا سہرا ملک کے تجربہ کار اور قابل ترین حضرات ہی کے سر باندھا جاتا۔

سوراج یا سلطنت خود انتظامی صحیح معنون مین ہمین اسوقت حاصل ہوسکے گی اور ہم اُسکے حقیقی مستحق بنینگے جبکہ ملک کے آبادی کا معتد بہ حصہ عام تعلیم کے نعمت سے بہرہ اندوز ہوگا۔

جن ممالک مین فی زمانہ جمہوری سلطنتین قایم ہین۔ وہان کے تقریباً ۹۵ فیصدی باشندے لکھ پڑھ سکتے ہین ڈیڑھ دوسو سال کی حکومت کے بعد بھی برٹش گورنمنٹ نے جبری ولازمی تعلیم کی اشاعت مین غیر معمولی کوتاہی کی ہے اسوجہ سے ہندوستان کی آبادی کا بیشتر حصہ قعر جہالت مین پڑا ہوا ہے۔ گورنمنٹ ہند کو فوجی ضروریات اسبات کی اجازت نہین دیتین کہ وہ اُسی فراخدلی اور ملکی ہمدردی کے بنا پر جس سے کہ یورپ وامریکہ کے اکثر ممالک ستاثر ہوئے ملک کے ہر گوشہ و قریہ مین تعلیم کی عام اشاعت کے لیے روپیہ صرف کرے۔

ایسی حالت مین رہبران قوم و رفقایان ملک کا فرض ہے کہ ملکی ترقی کے اصلی راز کو ذہن نشین کرین اور قومی تعلیم کے ضبط و انصرام مین کوشش بلیغ سے دریغ نہ کرین۔ بغیر عام تعلیم افراد قوم اپنے ملکی اور ملی فرایض کو بخوبی انجام دینے کے ہرگز قابل نہ ہونگے۔ اور نہ حصول سوراج کے لایق بن سکین گے۔

"آنند"

کیٹس اور شیلی دونون ایک ہی عہد زرین کے آفتاب وماہتاب تھے، دونون نے ایک ہی آب وہوا مین زندگی بسر کی اور ایک ہی سیاسی اور معاشرتی اثرات اور واقعات سے متاثر ہوئے لہذا یہ قرین مصلحت ہے کہ ایک کے بعد دوسرے کے حالات قلمبند کئے جائین تاکہ اُس دور ادبی کا صحیح مرقعہ پیش نظر ہوجائے اور یہ بھی ظاہر ہوجائے کہ دو دماغ ایک ہی ماحول اور ایک ہی سوسائٹی مین رہکر ایک دوسرے سے کسقدر مختلف ہو سکتے ہین -

عہد طفلی | شیلی ۴ اگست سنہ ۱۷۹۲ء کو فیلڈ پلیس FIELD PLACE واقع سسک SUSSEX مین پیدا ہوا، وہ ایک متمول اور اعلےٰ خاندان کا ممبر تھا جسکے افراد نے بارہا میدان کارزار مین شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے تھے اور بادشاہ انگلستان کو اپنی وفاداری اور اطاعت شعاری کا ثبوت دیا تھا چنانچہ اس خاندان کو دربار خسروی سے جاگیر اور خطاب عطا ہوا جسپر شیلی کی اولاد اب تک قابض اور متصرف ہے - شیلی کی نشو ونما ملک کی ایسی سوسائٹی مین ہوئی جو اُس زمانہ مین دیرینہ عقائد اور کورانہ رسم ورواج کی پابندیون مین ایک مجرم غلام کی طرح جکڑی ہوئی تھی - اور جسکی زہریلی آب وہوا مین جدت پسندی اور ندرت آفرینی کی بجائے عہدِ قدیم کی روایات کی پرستش کی جاتی تھی - اسیوجہ سے یہ الفاظ -

" غلامون کی ملکہ اور

اندہی ومردہ رسم کے پرستار فرشتے "

بار بار شیلی کی زبان پر آتے ہین، اور اُسکی آتش غضب اور زیادہ مشتعل ہوجاتی ہے -

غرض اس خاندان مین جہان دولت نے ہر ممکن الحصول آرام وآسائش کا سامان مہیا کر رکھا تھا شیلی نے اپنی عمر کے اولین آٹھ برس بسر کئے - ۸ برس کی عمر مین اسکو پادری اڈورڈ کی

شاگردی کا فخر حاصل ہوا اور اپنی بہنون کے ہمراہ درس و تدریس مین گرفتار ہو گیا وہ ایک بلند حوصلہ غمگسار اور ہمدرد بہائی تھا - اور اوایل عمر ہی سے اُسنے اپنی بہنون کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا - وہ اپنی بہنون کو کہانیان سُناتا - بھوت پریت اور جن و پری کے قصون سے انکی فرصت کا وقت دلچسپ بناتا انکے کھیل و کود مین شریک ہوتا اور انکے ساتھ سیر و تفریح کے واسطے باغون مین جایا کرتا اس زمانہ مین بہی اُسکی حرکات و سکنات مین ایک قسم کی وحشت اور بے خبر مستانہ پن پایا جاتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک خاص فکر مین مبتلا ہے - مناظر فطرت کے مشاہدے سے شیلی کا دل کبھی نہ بھرتا اور وہ ان کو دیکھکر کچھ مبہوت سا ہو جاتا اسی وجہ سے اُسکے ہمجولی اُسکو ایک عجیب الخلقت انسان یا ایک مسلوب الحواس ساتھی سمجھتے تھے - بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ اپنی بہنون کو کوئی قصہ سناتے سناتے یکایک اُسکی نگاہ ایک درخت کی جانب اُٹھگئی جسکو فصل بہار نے اپنی رنگین فیاضیون سے دولہا بنا رکھا ہے اور وہ فوراً اُس درخت کے قریب جا کر پھولون کے مشاہدے مین منہمک ہو گیا - اسکی معنی خیز نگاہون کے اشارے بتلانے لگے کہ گویا کتاب فطرت کے اوراق اُسکی نگاہ کے سامنے موجود ہین اور وہ اسرار حقیقت کے مطالعے مین معروف ہے -

دیکھنے والے شیلی کی اس حرکت کو وحشت اور سراسیمگی سے تعبیر کرتے اور اُسپر نفرین کرتے ان کو کیا علم ہو سکتا تہا کہ ایک دن یہی دیوانہ اپنی معجز کلامی اور نازک خیالی سے وہ شہرت حاصل کریگا جو اُسکے نام کو زندۂ جاوید بنا دے گی -

شیلی نے خود اپنی چند نظمون مین اپنے نامہربان ہمجولیون کی شکایت کی ہے اور اپنی اس ابتدائی غنودگی کو عبادت الٰہی کے نام سے یاد کیا ہے -

"جب مین محض ایک بچہ تہا مین نے بھوتون کو تلاش کیا

اور بہت سے گوش بر آواز کمرون، غارون اور کھنڈرون مین چکر لگائے۔

اور ستارون سے روشن صحرائون مین خوفزدہ قدمون سے چرا

اس امید مین کہ مین آزاد شدہ روحون سے مکالمہ کر سکون

مینے ان زہر آلود نامون کو پکارا جو ہماری جوانی کی غذا ہین

کسی نے نہ سنا ـــــ مین نے ان کو نہ پایا

مین زندگی کے انجام کو نہایت غور و خوض سے سوچ رہا تھا اُس شیرین وقت مین
جب آندھیان چلتی ہین اور ہر جاندار شے پرندون اور غنچون کی خوشخبری سننے کے لیے
بیدار ہوتی ہے -

شیلی کسیقدر کشیدہ قامت اور لاغر اندام تھا، اُسکی بڑی اور سیاہ آنکھین ایک غیر معمولی جاذب
نظر روشنی کا مخزن تھین اُسکے چہرہ پر سادگی اور معصومیت کے نہایت گہرے آثار موجود تھے۔ لیکن وہ
فطرتاً نازک سخن تھا۔ جب کبھی وہ جور و ظلم کی کوئی داستان سن لیتا تو مجسم غیض و غضب بن جاتا، اور
اُسکی شعلہ بار آنکھین خوفناک ہو جاتین -

باقاعدہ تعلیم ۱۸۰۴ء مین شیلی انگلستان کے مشہور و معروف اسکول ایٹن مین داخل ہوا۔
لیکن یہان اُسکی زندگی خوشگوار نہ گذری، شیلی فطرتاً سختی اور پابندی کا دشمن تھا اور دنیا کی کوئی
زبردست سے زبردست طاقت اُسکو کسی نظام عمل کا غلام اور دستور کا بندہ نہ بنا سکتی تھی اسکے برخلاف
اُس زمانہ مین درسگاہین ایک جیلخانہ تھین۔ جہان کھانے پینے، پڑھنے، لکھنے، کھیلنے کودنے کے لیے
اوقات مقرر رہتے۔ اسلیے شیلی کی آزاد منش طبیعت اس کو برداشت نہ کر سکی، اُسکی حالت زار ایک
نوگرفتار قفس کی سی تھی جسکی آزادی سلب کر لی گئی ہو۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شیلی درسگاہ کے معلمات
سے برسر پیکار ہو گیا۔ اور یہ بدمزگی کبھی دور نہ ہو سکی۔ افسوس یہ ہے کہ لڑکون مین بھی شیلی ہردلعزیزی حاصل
نہ کر سکا، وہ ایک رند مشرب لاابالی لڑکا تھا جسکی محبت و نفرت کے جذبات نہایت قوی تھے۔ اور طبیعت
مین مستانہ پن ہونے کی وجہ سے کبھی خندان اور کبھی نالان رہتا تھا۔ وہ بندۂ محبت تھا پیار اُسکو
رام کر سکتا تھا۔ لیکن درشتی سے اُسکی کوئی اصلاح ممکن نہ تھی۔ اُسکے مزاج مین وحشت کے آثار نمایان
طور سے موجود تھے اور اسلیے اُسکے ساتھی اُسکی محبت سے خوش نہ ہو سکتے تھے۔ اُسکی فہم و فراست بہت
بڑھی ہوئی تھی اور اُسکا تخیل نہایت قوی تھا۔ اسلیے بچون کے کھیل کود مین اُسکو مطلق لطف نہ آتا تھا
لیکن اسطرح الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے اُسکے ساتھی اُسپر نفرت کی نظرین ڈالتے اور اُسکو شک و حیرت
کی نگاہون سے دیکھتے۔

وہ سائنس کا نہایت دلدادہ تھا اور معمل طبیعات مین پہونچکر اُن عملیات مین غرق ہو جاتا
جو علم کیمیا اور بجلی سے متعلق ہوتی تھی وہ ہمیشہ اُلٹے سیدھے طریقہ کار پر عمل پیرا ہوتا اور یہ محض اتفاق

ہے کہ کسی زہریلی گھاس نے اسکا کام تمام نہ کیا،

اکثر اُسکے ہاتھ گندے کپڑے میلے اور کمرہ ناصاف ہوتا تھا کتابین اور کاپیان بیرپر ادہر اودہر پڑی ہوتین کپڑے کرسیون کے نیچے ایک گٹھری کی صورت مین جمع ہوتے - کھانے کے برتن الٹے سیدھے فرش پر گرے ہوتے کمرہ مین داخل ہونیوالا اندر قدم رکھتے ہی یقین کرلیتا کہ مین اُس سرزمین مین پہونچ گیا ہون کہ جہان سلیقہ اور ترتیب معدوم ہین اور جسکا رہنے والا تہذیب اور تمدن ~~سے ناواقف ہے~~، کی [illegible]

ایٹن کے دوران قیام مین شیلی کو صرف ایک ایسا دوست اور مربی ملسکا جسکی عظمت اور منزلت اسکے دلمین جاگزین تہی اور جو شیلی کی بالغ نظری اور پوشیدہ داد عہاندے بخوبی واقف تھا - اس برگزیدہ ہستی نے شیلی کو بارہا تسلی وتشفی دی، اور ضرورت کے وقت حوصلہ فزائی بھی کی شیلی بہی اپنے دوست DR LIND سے نہایت محبت کرتا، اُسکے مکانپر گہنٹون بیٹھا رہتا - اور فلسفہ وسائنس مین درس لیتا اس اتحاد نے ایک دیرپا اور مستحکم صورت اختیار کرلی ا اور رفتہ رفتہ ڈاکٹر موصوف شیلی کا معتمد اور رازدار بنگیا شیلی نے بہی اپنے محسن کو آسمان پر چڑھا دیا اور LOAN AND CYTHNA کی نظم مین اُسکی ذات کو غیر فانی خلعت سے مزین کردیا

اس اثناء مین شیلی ایک دلدوز گر دلچسپ مخمصہ مین گرفتار ہوگیا اور اُسے ایک ایسے نازک سلسلہ سے دوچار ہونا پڑا جسنے اُسکو وصل کی راحت اور فراق کی کلفت سے آشنا کردیا، یعنی وہ ہیریٹ گرو اپنی چچازاد بہن کے دام محبت مین پھنس گیا، گو شیلی کی عمر کم تہی پھر بہی اُسکے جذبات مکمل اور خیالات پختہ اور احساسات ذکی الحس ہو چلے تھے - اسکا دل حسن وعشق کے جذبات سے آشنا ہو چکا تھا غرض یہ محبت رنگ لائی اور کچھ عرصہ بعد دونون ایک دوسرے کے عاشق زار بنگئے اور اُمید تہی کہ دونون کی شادی جلد ہو جائیگی لیکن شیلی کی جدت طرازیان دجوبار اسکی دشمنی کرچکی تھین - یہان بہی دشمن ثابت ہوئین اور جب اس دوشیزہ کو شیلی کے عجیب وغریب خیالات وعقائد کا اندازہ ہوا تو اُسنے اپنے والدین کے مشورے سے اس اتحاد کو ختم کردیا اور شیلی کی محبت کو دل سے نکالدیا - اس واقعہ نے شیلی کے دلپر ایک خاص اثر کیا اور وہ مدتون اس حادثہ جانکاہ پر ماتم کرتا رہا کیونکہ ہیریٹ کی محبت کے سہارے اسکے ارمانون کی دنیا آباد تھی -

شیلی کے عقائد عجیب وغریب تھے۔ اس معاملہ مین وہ اکثر اپنے باپ سے اختلاف کرتا تھا دونون کے خیالات مین زمین وآسمان کا فرق تھا۔ شیلی رحمدل، نیک مزاج اور رسومات کی پابندیون کا دشمن تھا۔ وہ انگلستان کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیون کو دیکھکر مضطرب ہوجاتا اور شب و روز اسی دھن مین لگا رہتا کہ کسی طریقہ سے ملک کا اخلاقی معیار بلند کیا جائے اور سوسائٹی کے دیوتا کو جسکی تمام روز پرستش ہوتی تھی شکست دیجائے۔ وہ خدا کو بھی نہ مانتا تھا اور ہر قسم کی دستور العمل سے خواہ مذہبی ہو یا ملکی وہ اپنی ذات کو بالاتر تصور کرتا تھا۔ لیکن اُسکا باپ دقیانوسی خیالات کا پابند تھا وہ اپنے بیٹے کے خیالات اور عقائد سنکر غضبناک ہوجاتا تھا چنانچہ باپ بیٹون مین ہمیشہ اختلاف رہا اور مرتے وقت تک دونون کے تعلقات نہایت کشیدہ رہے۔

شیلی کے زمانہ مین انگلستان کے چپہ چپہ پر حکومت، استبداد اور خود پرستی کا زور شور تھا اور گھر گھر حفظ مراتب کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ اسلئے زمانہ کے خلاف صرف شیلی ہی ایک ایسا فرد تھا جسنے آزادی کی بنیاد ڈالی اور دنیا کو بتایا کہ ہر طبقہ ہر سوسائٹی اور ہر حیثیت کے افراد ایک ہی حقوق اور ایک ہی پوزیشن کے مالک ہین اور صرف متمول حلقہ ہی انعامات واکرامات کا مستحق نہین ہے! یہ ضرور ہے کہ شیلی کو ان خیالات کی بدولت تمام عمر والدین کی ناراضی مول لینا پڑا اور کئی برس افلاس مین گذارنا پڑے انہین عقائد کیوجہ سے وہ آکسفورڈ سے شہر بدر کیا گیا جہان وہ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا لیکن شدید سے شدید تکلیف کی وقت بھی اُسکی پیشانی پر کبھی بل نہین پڑا اور وہ ہمیشہ شادان و فرحان اپنی مضبوط ضمیر کی تائید مین سرگرم رہا۔

آکسفورڈ کی مردم خیز سرزمین مین شیلی مشکل سے ایک سال رہا ہوگا لیکن وہ کچھ زیادہ خوش نہ تھا اور سوائے ہاگ کے وہ کسی سے بے تکلف نہو سکا جسکے ہمراہ لکھتا پڑھتا، سیر و تفریح کرتا اور گفتگو کرتا اس زمانہ مین شیلی فلسفہ کی جانب راغب ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ مین اُسنے یونان اور انگلستان کے نامور فلسفیون کی تصانیف پر عبور حاصل کرلیا بالخصوص افلاطون، برکلے لاک۔ ہوم کی تصانیف کو وہ بہت ذوق وشوق سے پڑھتا جسکے مستحکم اثرات اسکے دل مین ہمیشہ کیلیے نقش ہوگئے شیلی نہایت محنتی اور جفاکش تھا اور پڑھنے کا بیحد شایق تھا۔ اُسکے

دوست ہاگ کا تو یہ بیان ہے کہ مین نے اپنی عمر مین کسی طالبعلم کو اُس سے زیادہ پڑھتے نہین دیکھا اُسکے ہاتھ سے کتاب کبھی نہ چھوٹتی۔ بستر پر کھانے کے کمرہ مین سیر کرتے وقت وہ پڑھتا رہتا حتی کہ اُسکے ملنے والے اسکے مطالعہ سے عاجز آجاتے اور اُسپر نفرین کرنے لگتے۔

PLATO کی تصانیف اُسنے اوّلاً تراجم کے ذریعہ سے مطالعہ کی تھین لیکن اُسکی دقت پسند طبیعت سیر نہوئی چنانچہ چند سال تک جبتک اصلی زبان مین نہ پڑھ لین اُسے چین نہ آیا۔

کیریکٹر　آکسفورڈ مین آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ شیلی نے جوش و خروش کی حالت مین ایک باغیانہ رسالہ لکھ مارا جسکی ایک کاپی بدقسمتی سے دار العلوم کے اساتذہ کے پاس پہونچ گئی، اور چوبیس گھنٹہ کے اندر دونون دوست ہاگ اور شیلی حدود کالج سے باہر نکالدیئے گئے۔ شیلی کو یہ علم نہ تھا کہ اس رسالے کا یہ اثر ہوگا اور اُسکی آیندہ لٹریری ترقی کو معرض خطر مین ڈالدیگا ورنہ شاید وہ اسکو شائع نہ کرتا۔ بہرحال شیلی کو آکسفورڈ چھوڑنے کا بہت صدمہ ہوا کیونکہ وہ محسوس کررہا تھا کہ کالج کی پابندیوں کے باوجود وہ اپنی پرائیویٹ تعلیم مین خاطرخواہ پیش قدمی کررہا ہے اور اپنے دماغ کو اُن علوم و فنون سے مالامال کررہا ہے جو اور کسی جگہ اس آسانی سے مہیا نہین ہوسکتے۔ اس حادثہ نے اُسکی حیات مین ایک اچانک انقلاب پیدا کردیا اور اُسکے باپ کو ہمیشہ کے لیے اُس سے ناراض کردیا۔ افسوس ہے کہ شیلی کو اسکے بعد پھر تعلیم حاصل کرنے کا موقع نصیب نہوا۔

پہلی شادی　بے یار و بے مددگار یہ دونون دوست لندن مین آکر آباد ہوئے اور پولینڈ اسٹریٹ مین کمرے کرایہ پر لیکر مقیم ہوئے۔ شیلی پر آکسفورڈ چھوڑنے کا گہرا اثر تھا جس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ اُس دار العلوم مین خاطرخواہ ترقی کررہا تھا۔ لیکن قضا و قدر کے زبردست ہاتھون نے اُسکو وہان سے آن واحد مین نکالکر لندن مین پھینکدیا اور اُسکے ہمدم دیرینہ ہاگ کو بھی جدا کردیا کیونکہ وہ قانونی تعلیم کے لیے یارک چلا گیا۔

شیلی اپنے نئے مکان سے خوش تھا اور کہتا تھا کہ یہ کمرے ہمیشہ کے لیے مین نے منتخب کرلئے ہین۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ اس عزم بالجزم کے باوجود اُسکو صدہا مرتبہ اپنی جائے قیام تبدیل کرنا پڑی اور نئے دانے اور نئے پانی سے دوچار ہونا پڑا تو ہمکو اُسکی غیرمستقل زندگی اور کم مائیگی پر افسوس کرنا پڑتا ہے۔

والدین سے اُسکے تعلقات کبھی صاف نہین ہوئے اور اسی باعث اُسکی حیات مین ایک سیماب وار بیقراری موجود ہے۔ لیکن شیلی نے زمانہ کی صعوبات خوشی خوشی برداشت کئے اور کبھی لب شکایت وا نہونے دیا ہمکو یہ خیال کرنے کے بیے کافی وجوہ ہین کہ شیلی اپنے باپ سے محض اسلیے ناراض تھا کہ ایک مرتبہ بخار کی شدت مین اُسکو یہ اِس گذرا کہ اُسکا باپ اُسکی سرسامی حالت کی وجہ سے اُسکو پاگل خانے بھیجنے والا ہے حالانکہ اسکی کوئی اصلیت نہ تھی لیکن شیلی کی زبردست تخئیل نے اس خیال کو اُسکی نظرون مین عجیب وغریب رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا اور امتداد وقت کے ساتھ ساتھ اسمین پختگی پیدا ہوتی گئی اور دنیا کی کوئی قوت اس خیال باطل کو شیلی کے دماغ سے دُور نہ کر سکی، علاوہ ازین شیلی کے خیالات مین آزادی بدرجہ اتم موجود تھی، اور اُسکی ذات ظلم و تشدد و حکومت وامارت، رسم ورواج غرض اُن تمام اُمور کی مہلک دشمن تھی جو اُسکے باپ کے ایوان زرین مین خاص و قعت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے کیونکہ وہ خود ایک اعلے خطاب یافتہ رئیس تھا اور دربار شاہی کا ایک نامور اور ممتاز ممبر، شیلی کے خیالات مین شدت اور حدت موجود تھی پھر کوئی صورت نہ تھی کہ باپ بیٹے مین ایک مستقل مصالحت پیدا ہوسکتی، اور آئے دن کی شکر رنجی ہمیشہ کے بیے رفع ہوجاتی۔ اسکا اثر شیلی پر پڑا اور وہ ایک عرصہ تک فقر و فاقہ مین زندگی بسر کرتا رہا چنانچہ آکسفورڈ سے نکالے جانے کے بعد بھی اُسکی آمدنی بند ہوگئی۔ اور اُسکو اپنی بہنون کی فیاضی پر قناعت کرنا پڑی جو اُس زمانہ مین CLAPPHAM COMMON.. مین تعلیم پاتی تھین اور جنکے پاس شیلی اکثر جایا کرتا تھا۔

اسی زمانہ اسکول مین شیلی کی ملاقات ایک سولہ سالہ دوشیزہ سے ہوگئی جو اپنے حسن و جمال مین یکتا شعار یگانہ تھی اور جو اولین محبوبہ دلنواز کی ہمنام تھی جس سے وہ محض اپنے بے نظیر خیالات کیوجہ سے شادی نکر سکا تھا اس نازک بدن کا فرادا کا نام HARRIET WESTBROOK تھا اور اُسکا سرخ و سفید رنگ، بھوری زلفین، شیرین آواز اور نرم مزاجی شہرۂ آفاق تھی، شیلی اکثر اُس سے اسکول مین ملتا اور اُسکے گھر بھی جاتا جہان اُسکی خوب خاطر و تواضع ہوا کرتی تھی۔ اور ہیریئیٹ کی بہن بالخصوص اُسکی آؤبھگت مین کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھتی۔ اس دائرہ مین شیلی نے اپنے نئے خیالات اور عقائد نہایت فصاحت و بلاغت سے بیان کئے اور رفتہ رفتہ ہیریئیٹ کو اپنے

دام مین گرفتار کر لیا، لیکن ایک نئے مذہب کے تازہ ترین پیرو کی طرح اُس بیچاری پر بھی سختی ہونے لگی اور اُسکے اعزا نے شدید کوشش کی کہ وہ ان مکروہات متعدی سے باز آئے۔ لیکن وہ پختہ کار ثابت ہوئی اور شدائد و مظالم سے مضطرب ہوکر اپنے ہادی راہبر شیلی کے پاس جا پہونچی جسنے اُسکی رام کہانی سنی اور کمال شفقت و ہمدردی سے آغوش الفت مین لے لیا۔ حالانکہ شیلی شادی کرنے کے لیے طیار نہ تھا، نہ اُسکو ہیریٹ سے بہت زیادہ محبت تھی لیکن محض اس خیال سے کہ وہ ستم رسیدہ ہے مظلوم و بیکس ہے اُسنے اس نازنین کو اپنا شریک زندگی بنالیا۔ اس ناشائستہ حرکت نے شیلی کے باپ کو اور زیادہ برافروختہ کردیا کیونکہ اُسکی نظرون مین اس سے زیادہ سنگین گناہ کوئی نہ ہو سکتا تھا کہ ایک اعلےٰ سوسائٹی کا ممبر ایک ارذل عورت کو اپنی بیوی بنائے لیکن شیلی نے اسکی بھی مطلق پرواہ نہ کی، اور چند ماہ کے بعد اُسکی آمدنی چارسو پونڈ سالانہ کی ہوگئی لیکن اس آمدنی مین بڑا جنجال یہ تھا کہ اُسکا باپ جب چاہتا بند کردیتا۔ اسلیے شیلی کو اطمینان اور فارغ البالی کبھی نصیب نہ ہوئی۔

چند روزہ ترددات اور تفکرات کے بعد دونون میان بیوی خوش و خرم جارج اسٹریٹ مین اقامت پذیر ہوئے اور شیلی کو آزار محبت کے مزے آنے لگے۔ وہان اُسکا دیرینہ رفیق ہاگ بھی آموجود ہوا جس نے اُنکی خانگی زندگی کی تصویر کھینچی ہے۔ ان کا زیادہ حصہ بآواز بلند پڑھنے مین صرف ہوتا تھا اور یہ خوشگوار فرض ہیریٹ کے سپرد تھا۔ کیونکہ اُسکی آواز دلنواز اور اُسکے پھیپھڑے مضبوط تھے۔ اور وہ کبھی نہ خوش ہوتی اگر اُسکو پڑھنے اور اُسپر مباحثہ کرنیکی اجازت نہ دی جاتی تھی۔ شیلی نے اپنی بیوی کو لاطینی زبان پڑھانا شروع کی اور ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ اُسکے سپرد کیا۔ یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ دونون زن و شوہر آپسمین نہایت خوش و مسرور تھے۔ اور اُنکی متحدہ زندگی اور ادبی جدوجہد نہایت قابل رشک تھی۔ ہیریٹ کے مزاج مین اصلاً حیت سادگی اور شیرینی کل اوصاف موجود تھے۔ اور وہ اپنی ذہنی اور دماغی کمی کے باوجود بھی اپنے نامور شوہر کو خوش کرنے اور تسلی دینے مین کامیاب ہوئی۔ زندگی خوب گذر رہی تھی۔ شیلی اپنی قسمت پر نازان اور مسرور تھا اور ہیریٹ اپنے بخت کو مسعود اور مبارک تصور کرتی تھی۔ اور کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی تھی جوان کے جام حیات کو زہر آلود کرے:

اس اثنا رمین دو واقعات ایسے رونما ہوئے جنسے خوش نمرو شیلی کو نہایت غمگین اور پژمردہ کردیا اول تو ہاگ نے بداخلاقی پر کمر باندھی اور اُسنے قابل اعتراض حد تک ہیریئٹ سے بے تکلفی اور محبت بڑھائی دوم اُسکی بیوی کی بہن آکر خاندان مین شریک ہوگئی حالانکہ اُسکے مزاج مین بدگردادی بدرشتی اور بداطواری کے نمایان آثار موجود تھے!

ان واقعات نے شیلی کے جام مسرت کو زہر غم سے لبریز کردیا اور وہی فطرت کا پرستار شاعر جو مسرت و طرب کا منشا اور شادمانی و کامرانی کا مولد تھا ہمہ وقت غمگین اور افسردہ نظر آنے لگا۔ یہان ہمکو ولیم گڈون WILLIAM GODWIN کا تذکرہ کرنا ضروری ہے جسکی ایک سیاہی تصنیف نے شیلی کو ہمیشہ کے لیے اُسکا والہ وشیدا بنالیا چنانچہ آخرالذکر نے ایک طویل خط مین اس تصنیف کی مدح وستائش کی اور اس نامور ادیب نے درخواست کی کہ آپ میرے سیاسی راہنما اور پیر طریقت بن جائین۔ دوسرے خط مین جو طویل اور مفصل تھا۔ شیلی نے اپنی سیاسی جدوجہد اور خیالات وعقائد قلمبند کئے اور اُس رسالہ کا بھی حوالہ دیا جسنے اس شاعر کو دارالعلوم کی مقدس سرزمین مین رسوا کیا اور کشان کشان نکال باہر کیا شیلی کے دل مین جوش وخروش۔ قوم کا درد اور درد مین تاثر موجود تھا۔ اُسکا انداز بیان سادہ دلکش اور دل لبھانے والا تھا۔ چنانچہ گاڈون بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا حالانکہ وہ ایک پختہ کار سخت مزاج اور اصول کا پابند ادیب تھا۔ اُس نے شیلی کی درخواست خوشی خوشی قبول کی اور اس ہونہار شاعر سے خط کتابت کرنے لگا۔ اسکے بعد شیلی کا وقت آئرلینڈ کے واقعات اور حالات کے مطالعہ مین صرف ہوا۔ اُسنے چند رسائل اور خطبے بھی لکھے۔ خود بھی ڈبلن گیا اور تقریرین کین لیکن اُسکو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہین ہوئی اسلیے بے نیل ومرام واپس ہونا پڑا۔

اسکے بعد شیلی کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ وہ دور جو شاعرانہ ترقی کے لحاظ سے قابل یادگار ہے۔ لیکن جو مہ جبین ہیریئٹ کی طلعت ریزیون سے معرا نظر آتا ہے۔ ہیریئٹ اب تک شیلی کی جزو زندگی بنی رہی۔ وہ شیلی کے دلکا آرام اُسکی آنکھون کا نور، اور اُسکے قلب کا سرور تھی۔ یہ وہی لیلیٰ وش نازنین تھی جسکے متعلق شیلی ایک غیر فانی نظم مین یون کہتا ہے۔

"وہ کس کی محبت ہے جسکی روشنی دنیا مین
حقارت کے زہرآلود تیرون کو دوست رکھتی ہے؟"

وہ کسکی گرما گرم گرما کانی ستایش ہے

جسکو ہم صداقت کا شیرین ترین انعام کہہ سکتے ہین؟

کسکی نگاہون کی اثر سے میری بالیدہ روح

حسن وخوبی مین مکمل ہوتی ہے؟

مین کسکی آنکھون کو فرط محبت سے ٹکٹکی باندھکر دیکھا ہے

اور بنی نوع انسان سے اور زیادہ محبت کرنے لگا ہون؟

ہیریٹ تیری آنکھین —— تو میرا پاک وصاف دماغ ہے:

تو میرے نغمون کا الہام ہے!!

تیرے ہی یہ حسین پھول ہین

جنکا مین نے گجرا تیار کیا ہے!!!

یہ اُن متعدد نظمون مین سے صرف ایک ہے جنمین شیلی نے اپنی محبت والفت، عقیدت و اطاعت کا اظہار کیا ہے، لیکن فطرت کی یہ ستم ظریفی ایک قابل یادگار کارنامہ ہے کہ دونون جدا ہوتے ہین۔ اور لطف یہ ہے کہ واقعات اسدرجہ پیچیدہ ہوتے چلے گئے۔ کہ مصالحت کی امیدین بعید از قیاس نظر آنے لگین۔ اس مین سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ شیلی کو ہیریٹ کے چال وچلن اور عفت و عصمت مین شک وشبہ ہونے لگا، ادہر یہ ستم رسیدہ نازنین اس غلط فہمی مین مبتلا ہوئی کہ اُسکا شوہر کسی اور کافر ادا کے زلف گرہ گیر مین پھنس کر اُسکے ہاتھون سے جاتا رہا۔ چنانچہ ان اوہام باطلہ نے دونون کو جدا کر دیا

شیلی کی بیرخی نے ہیریٹ کے مزاج مین ایک انقلاب پیدا کر دیا، پڑھنا لکھنا اُسنے بند کر دیا۔ علمی مباحث ختم کر دیئے فلسفیانہ مناظرے سے نفرت ہوگئی شیلی کی بے التفاتی نے اسے دل شکستہ بنا دیا تھا لیکن شیلی ایک دوسرے آستان ناز پر سر نیاز جھکانے کی طیاری کر رہا تھا۔

اسنے گاڈون کے مکان کو اپنی آرزؤن کا مرکز بنالیا اور اُسکی لڑکیان اور اُنکی سہیلیان اُس آزاد منش شاعر کی ہم جلیس و رفیق ہنگئین ان تمام واقعات کو اُسنے ایک خط مین یون تحریر کیا ہے۔

مین گذشتہ ماہ سے مسز بی . . . . کے ہمراہ مقیم ہون مین تنہائی کی کلفت سے

بجز اُس محبت مین پہونچگیا ہون جہان فلسفہ اور محبت کا اجتماع ہے، اُنہون نے میری خاموش شمع حیات کواز سرنو زندہ کردیا ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ گویا مین بہشت مین ہون جہان کوئی فانی شے نہین۔ میرا دل اُس ناگزیر ضرورت کی خیال سے دردمند ہوجاتا ہے جسکی وجہ سے مجھے اس خوشگوار گھر کے سکوت دامن کو ترک کرنا ہوگا۔

شیلی نے اس امر کی بھی کوشش کی کہ ہیریٹ جو اُس سے جدا ہوکر باتھ مین آبادہوگئی تھی واپس آجائے لیکن اُسکی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اُس نے خطوط لکھے۔ پیام بھیجے، روپیہ روانہ کیا لیکن ہیریٹ نے کسی صورت سے مراجعت کرنا منظور نہ کی۔ شیلی لندن مین پریشان وسرگردان پھر رہا تھا، اور اُسکی بیوی باتھ مین زندگی کے دن گذار رہی تھی۔ ہم یہ بتا دینا چاہتے ہین کہ شیلی کا رقیق دل اس حادثہ سے بہت متاثر ہوا۔ وہ خوب محسوس کر رہا تھا کہ ہیریٹ نے اپنی زندگی میری ہی وجہ سے معرض خطر مین ڈالی اپنا گھر بار چھوڑا، اعزا واقربا کو خیرباد کہا اور میرے خیالات وعقائد اختیار کرکے دنیا سے جدا ہوئی۔ بار بار اُسنے چاہا کہ اُسکی بیوی معہ بچے کے واپس آجائے اور اُسکے کلبۂ احزان کو منور وشاداب بنائے لیکن ہیرویٹ محسوس کر چکی تھی کہ گاڈون کی سترہ سالہ دختر میری نے شیلی کے مملکت دل پر قبضہ کرنا شروع کردیا ہے اور سفر وحضر مین ہمہ وقت اُسکی رفیق وشفیق بنگئی ہے۔ شیلی نے اپنی بے اعتنائیون سے ہیریٹ کے شیشہ دل کو چور چور کردیا تھا۔ کبھی بھی اُس نے ہمیشہ ہیریٹ کے آرام وآسایش کو اپنا فرض جانا اور میری کی محبت کے ساتھ ساتھ وہ ہمیشہ اس نازنین کو یاد کرتا رہا تاہم عمر بھر شیلی اور ہیریٹ مین صفائی نہوئی، اور صفائی ہوتی تو کیونکر ہوتی شیلی کا دل تو میری کا ہوچکا تھا، اور میری ہمیشہ کیلئے شیلی کی شریک حیات بن چکی تھی۔

اٹلی کا سفر: ہم بیشتر عرض کر چکے ہین کہ شیلی کی مالی حالت اچھی نہ تھی وہ تمام عمر اپنے باپ کا دست نگر رہا جسنے جب چاہا اُسکی مدد کی، اور جب چاہا ہاتھ روک لیا دونون کے خیالات مین زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اسلیے باہمی تعلقات تقریباً ہمیشہ کشیدہ رہے۔ اور اکثر شیلی کو مالی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ اسکے علاوہ اسکی داد ودہش کی کوئی حد نہ تھی نہ صرف غربا بلکہ اُسکے احباب تک اُسکے مرہون کرم تھے اور وہ ہر شخص کی مدد کو بلا تکلف تیار ہوجاتا تھا۔ فی الحال اُسکی

آمدنی ایکہزار پونڈ سالانہ تھی جنمین سے دوسو اسکی اولاد کی تعلیم و تربیت کی غرض سے علیحدہ کرلیے جاتے تھے - بہرحال لندن اور اسکی آب وہوا سے اُسکی طبیعت سیر ہو چکی تھی - والدین اور گھر والون سے اُسکو کبھی رغبت نہ ہوئی ہیریٹ کی خودکشی نے اُسکو از حد سراسیمہ کردیا اُسکی یہ خواہش کہ اُسکی اولاد اُسکو واپس ملجاے عدالت نے مسترد کردی اُسکی صحت بھی خراب ہونے لگی اور مرض دق کے آثار نمایان ہونے لگے جو ابتک دبے ہوئے تھے ان ناکامیون کے بعد وہ دل برداشتہ ہوکر عازم سفر ہوا اور پیاری میری کو لیکر اٹلی کی جانب چلدیا اور پھر کبھی اُسکو ساحل انگلستان پر گامزن ہونے کی عزت حاصل نہوئی -

دونون میان بی بی سیدھے میلین پہونچے اور کوما، پیسا و دیگر جھیلون کے نظر فریب مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے نیپلس مین قیام پذیر ہوے - اس سفر نے شیلی کے حق مین مسیحائی کی نہ صرف اُسکو جسمانی فائدہ پہنچا بلکہ اُسکے خفتہ احساسات شاعرانہ کو بیدار کردیا اور اُسکے قلب حزین کو ان نغمون سے معمور کردیا جو انگریزی لٹریچر کی جان اور انگلستان کا بہترین خزانہ ہین - ابتک اسنے محض سیاسی تحریرین قلمبند کی تھین اور ایک دو غیر معروف نظمین بھی کہی تھین لیکن اٹلی کے دوران قیام مین اُسنے جو کچھ کہا وہ اختراع فائقہ کا درجہ رکھتا ہے - اور خاص قدر و منزلت کا مستحق ہے - وسط اگست مین شیلی اپنی بیوی کو خیرباد کہکر لارڈ بائرن سے ملنے وینس گیا - لیکن راستہ مین ایک سخت طوفان نے اُسے گھیر لیا - بہرحال افتان و خیزان وہ بائرن کے پاس پہونچا راہ مین یہ بلند پایہ نظم کہی، جسکے چند بند ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہین -

غروب آفتاب کسقدر حسین و دلکش ہے کہ آسمان کی ضیا
تیری ارض مطہر پر گرتی ہے :
اٹلی ! تو جلاوطنون کی بہشت ہے
تیرے پہاڑ تیرے سمندر، تیری انگور کی بیلین اور بلند برج
جو شہرون کو محیط کئے ہوئے ہین، ہمارا کام یہ ہے
کہ ہم کھڑے ہوکر ان کا مطالعہ کرین !
قبل اسکے کہ روشنی دھیمی ہو

میرے ساتھی نے کہا " مین تمکو اس سے بہتر مقام دکھاؤن گا۔

پس بلندی پر ہم چڑھے، اور وہان سے مین جھکا

مین نے ایک شہر دیکھا اور اندازہ کر سکا

کہ شام کی روشنی مین بہت سے جزائر سے کلیسا اور عمارتین (محلات)

ایک سحر آمیز دام معلوم ہوتی ہین، جو آسمان تک بلند ہو گیا ہے

دونون شاعر ایک دوسرے سے اکثر ملے لیکن افسوس ہے کہ دونون مین دوستانہ اتحاد قائم نہو سکا دونون کے عقائد تقریباً مشابہ تھے اور خیالات عامہ کے منافی، دونون وطن سے فرار ہوکر ایک غیر ملک مین امن و آسایش کی زندگی بسر کرنے آئے تھے، لیکن بائرن کے تباہ کن خیالات بربادی پر کمربستہ تھے اور وہ چاہتا تھا کہ سوسائٹی کی رسومات کو آن واحد مین بیخ و بُن سے اکھاڑ دے وہ خود غرض، مغرور، خود سر اور سخت مزاج تھا۔ اسکے برخلاف شیلی کے دلمین رحم و کرم کی قوی لہر موجود تھی وہ لوگون کی دماغی اور اخلاقی پستی پر کف افسوس ملتا لیکن نا امید نہ ہوتا وہ جانتا تھا کہ میری فصاحت و بلاغت ایک بڑی حد تک دنیا کو زیر و زبر کر سکتی ہے حالانکہ آئرلینڈ کی جد و جہد مین اسے داغ ناکامی اٹھانا پڑا پھر بھی اسکے مزاج مین سادگی، صلاحیت اور نرمی موجود تھی، اسنے بائرن کی شاعری کو پڑھا اور نقائص کے باوجود خوب دل کھولکر اسکی مدح و ستایش کی اور ہر ممکن طریقہ سے اس نغز گو شاعر کی حوصلہ افزائی کرنا اپنا فرض جانا جسکا اثر یہ ہوا کہ بائرن کے کلام مین بلندی اور صفائی ظاہر ہونے لگی، اس دوران مین شیلی برابر اپنے احباب بالخصوص پی کاک کو خطوط لکھتا رہا اور سرزمین مقدس کے دلفریب مناظر کے نقشے کھینچتا رہا اسکا انداز بیان نہایت بے تکلف اور روان ہے اور وہ خطوط انگریزی نثر کا الگ گرانمایہ خزانہ تصور کئے جاتے ہین۔ ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑون کی بلندی۔ وادیون کی گہرائی مین اور جھیلون کے کنارے وہ شب و روز گھومتا اور فرط مسرت سے باغ باغ ہو جاتا۔ میری اسکے ہمراہ تھی اور کائنات کی کوئی ایسی مرغوب شے نہ تھی جو اسے میسر نہو۔ یعنی غنچہ دہن معشوق، مئے ناب جوئے آب، مرغزار، اور پہاڑون کی بلندی، ایسے ماحول مین رہ کر ایک غیر شاعر شاعر بن سکتا ہے اور اگر فطرت ہی نے کسیکو شاعری کے لیے تخلیق کیا ہو تو اسکی بلند پروازی حیرت انگیز ہوگی!

ذیل میں دو نظمیں شیلی کی درج کیجاتی ہیں جن سے اُسکی بلند پروازی کا اندازہ ہوسکتا ہے ۔

"رات"

اے روحِ شب!

مغربی سمندر پر جلد چلی جا

مشرقی تاریک غار سے باہر —

جہاں تمام دن تو تنہا بیٹھکر

خوشی اور خوف کے خواب تیار کرتی ہے

جسکی وجہ سے تو خوفناک بھی سمجھی جاتی ہے ، اور عزیز بھی ۔

کاش تیری پرواز تیز تر ہو!

اپنے جسم کو ایک سفید لبادے میں لپیٹ لے

جسمیں ستارے ٹکے ہوں

اپنی زلفوں سے دن کی آنکھیں تاریک کردے ،

اور اُسکو اسقدر پیار کر کہ وہ تھک جائے

بعد ازاں شہر سمندر اور ملک پر چہل قدمی کر

اور ہر شے کو اپنی طلسمی لکڑی سے مس کرتی جا

آ ! اے مرکزِ جستجو !!

جب میں بیدار ہوا ، اور میں نے نورِ سحر دیکھا اپنے تیرے فراق میں آہ وزاری کی

جب روشنی زیادہ پھیلی ، اور شبنم خشک ہوگئی

اور درختوں اور پھولوں پر دوپہر کا بارِ گراں آپہونچا

اور تھکا ہوا دن آرام کیلیے چلا

ایک ناخواندہ مہمان کی طرح پھرتا ہوا

میں نے تیری وجہ سے آہ وزاری کی!

ایڈونس

خاموش! خاموش!! وہ فوت نہیں ہوا، نہ وہ سویا،

وہ صرف خواب زیست سے بیدار ہوا ہے!

ہم ہی تو طوفان خیز تصورات میں گمراہ ہوکر

توہمات سے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ قائم کرلیتے ہیں!

اور وحشت وسراسیمگی کی حالت میں اپنے روح کے خنجر سے

اُن اشیا کو مجروح کرتے ہیں جو زخم پذیر نہیں ہیں

ہم ایک نہ خانہ کی نعش کی طرح تباہ ہونے لگتے ہیں

خوف اور رنج ہکو برباد کرتے ہیں، اور ہم روز بروز فنا ہوتے جاتے ہیں

اور سرد اُمیدوں کیڑوں کی طرح ہماری جاندار گل پر قابض ہو جاتی ہیں

وہ زندہ ہے۔ وہ جاگ رہا ہے اُسکو موت نہیں آئی بلکہ خود موت فنا ہو چکی،

ایڈونس کے لیے ماتم نہ کرو۔ . . . تو جھوٹے سنجر!

اپنی تمام شبنم شان وشوکت میں تبدیل کردے

کیونکہ وہ روح جسکا تو ماتم دار ہے تجھ سے جدا نہیں ہوئی ہے!

تم خنجکلو، غارو! آہ وزاری بند کرو۔

پھولوں اور فواروں کو آہ وبکا ختم کردینا چاہیے۔

اور تو ہوا! جسنے غمزدہ دنیا پر ایک ماتم کی چادر بچھادی ہے

اب اُسے اُٹھالے،

ہشاش بشاش ستارے بھی اُسکے پاس پرخندہ زن ہیں

وہ فطرت میں جذب ہوگیا ہے، اور اُسکی آواز

فطرت کی ہر سُرے میں سنائی دیتی ہے،

بجلی کی گرج سے لیکر رات کے شیریں پرند کے نغمہ تک —
اُسکی موجودگی محسوس کیجا سکتی ہے، اور شناخت کی جاسکتی ہے
تاریکی مین، روشنی مین، جڑی بوٹی اور پتھر سے
جو چارون طرف پھیلے ہوئے ہین جہان اُس
طاقت کا دائرہ عمل ہے اور جسنے اُسکے وجود کو
اپنی ذات مین جذب کر لیا ہے —
جو دنیا مین نہ تھکنے والی محبت پھیلاتا ہے۔
اور نیچے سے تقویت پہونچاتا ہے، اور اوپر سے روشنی دیتا ہے

اٹلی مین شیلی کے احباب کا دائرہ نہایت مختصر تھا، اسلئے اُسنے اپنا وقت مطالعہ مین صرف کرنا شروع کر دیا، اُسنے اٹلی کے نامور شعرا کی تصانیف بغور پڑھ ہین تھین اپنے ہر شخص کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا لیکن اسکے ساتھ ساتھ وہ یونانی لٹریچر کا بھی مطالعہ کرتا رہا۔ ہومر کی شاعری نے اسے بیخود و مسحور کر دیا وہ الیڈ کو وہ بار بار پڑھتا اور پھر بھی تشنہ کام رہتا اُسنے ہسپانوی زبان بھی سیکھی اور اُس سرزمین مین نامور شعرا اور ادبا کے کلام سے بہرہ اندوز ہوا۔

لیکن ان تمام امور کے باوجود وہ اس غلط فہمی مین مبتلا تھا کہ اُسکا دماغ فلسفہ اور سیاست کے لیے زیادہ موزون ہے اس قسم کے جسقدر مضامین شیلی نے لکھے وہ ہمارے سامنے موجود ہین جنمین اکثر تو ناتمام اور غیر مکمل ہین اور اُسمین کوئی علامت موجود نہین جس سے یہ خیال ہوسکے کہ شیلی شاعری کے لئے نہین پیدا کیا گیا تھا۔ بلکہ غلطی سے وہ اس وادی مین داخل ہو گیا، ۲۶ر جولائی ۱۸۱۹ء کو اُسنے ایک خط اپنے دوست پی کاک کو لکھا۔ جسمین وہ کہتا ہے "مین اپنی شاعری کو اخلاقی اور سیاسی علوم سے بہت کمتر سمجھتا ہون۔ اگر مین اچھا ہوتا تو آخر الذکر موضوع کی جانب متوجہ ہوتا۔ مین ایک ایسی تصنیف دنیا کے روبرو پیش کرتا جسمین تمام زمانہ کے انکشافات تلمبند ہوتے اور اُن مذاہب کا ایک ایسا خوشگوار مجموعہ ہوتا جو ابتک دنیا پر حکمران رہے ہین"

۱۸۱۹ء کے موسم بہار مین شیلی روم مین مقیم ہوا اور PROMETHEUS UNBOUND کی تصنیف مین مشغول ہوگیا وہ آبادی سے دور چلا جاتا اور کسی گھنے درخت کے سایہ مین اطمینان سے بیٹھکر مصروف کار ہو جاتا لیکن افسوس ہے کہ روم کی آب وہوا اس نہ آئی۔ شیلی کا لڑکا ولیم جو اپنے والدین کے لیے تنہا ذریعہ مسرت وشادمانی تھا، اور جسکی وجہ سے وہ اس کے مکان مین چہل پہل رہتی تھی فوت ہوگیا۔ شیلی اُس سے بہت محبت کرتا تھا اور اُسکی دوامی جدائی کا صدمہ اُسکا نازک دل نہ اُٹھا سکا چنانچہ روم سے یہ دونون میان بیوی چلے گئے اور لیگ ہارن مین آکر مقیم ہوئے تبادلۂ مناظر کے باوجود شیلی نہایت مغموم اور پریشان رہتا تھا۔ اسلئے اُس نے ایک نظم لکھنا شروع کر دی " THE CENCI " جو اپنی نوعیت مین نہایت ممتاز اور قابلِ قدر ہے۔ یہ نظم ابھی گویا علیۂ فطرت ہے یہان بھی شیلی کا جی نہ بہلا اسلیے اسکو فلورنس مین آکر آباد ہونا پڑا اور اسی مقام پر اُسکا لڑکا پیدا ہوا، جو موروثی جائداد اور خطابات کا مالک ہو۔ شیلی کا بہترین ادبی کارنامہ جو اُسکی عالمگیر شہرت کا سبب ہوا یہی نظم PROMETHEUS [illegible] تھی جو فلورنس مین حدِ تکمیل کو پہونچی اور بعد ازان دنیا کے سامنے پیش کیگئی۔ شیلی کے شاعرانہ جذبات مشتعل ہو چکے تھے۔ اُسکے لطیف محسوسات مین ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔ اسلئے شاعری کے اس دور مین شیلی نے صدہا نظمین لکھین۔ اور مستند نقادانِ سخن سے تعریف وتوصیف کے سدا بہار پھول حاصل کئے۔ THE CENCI اور PROMETHEUS UNBOUND کو ایک ہی سلسلہ اور ایک ہی سال مین لکھدینا شیلی کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے نہ صرف اس وجہ سے کہ یہ دونون نظمین نہایت بلند پایہ اور نہایت پُر مغز ہین بلکہ اس سبب سے کہ دونون ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہین اور دونون کا میدان بالکل جُدا جُدا ہے شیلی کے تبحر علمی اور وسعتِ نظر کا ان سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر " PROMETHEUS مین نیکی وبدی' آزادی۔ جفا کاری کا ذکر ہے تو CENCI مین صبر وقناعت اور حلم وبردباری کا مجسمہ تیار کیا ہے اگر اول الذکر مین شاعری کا ایک زبردست نقشہ طیار کر کے شاندار صورتین بنائی گئی ہین تو آخر الذکر مین اخلاقیات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور ایک ڈرامے کی صورت مین سینسی کی دل آویز کہانی پیش کی گئی ہے۔

بھیروین راگنی
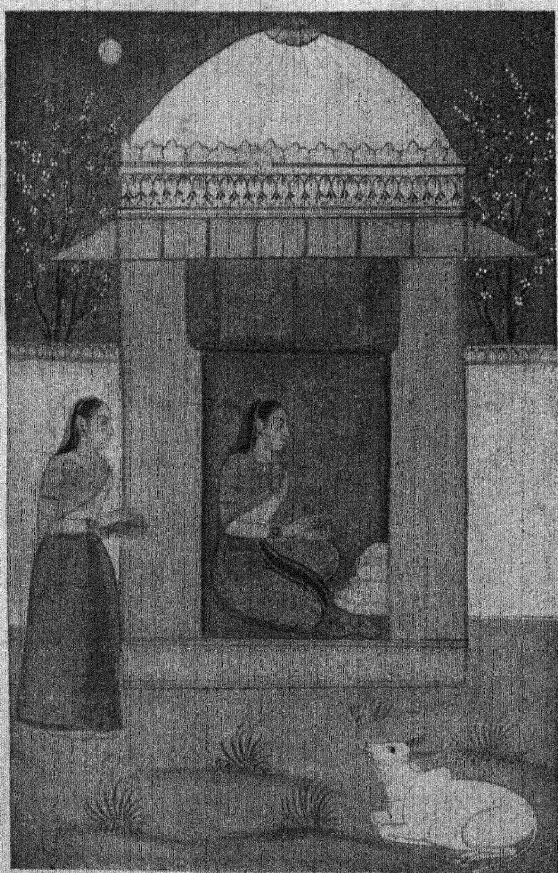
موت — شیلی کا آخری مستقل قیام پیسا میں ہوا تھا جسکی خوشگوار آب وہوا نے اس غیر فانی شاعر کے دماغ میں روشنی پیدا کر دی تھی، اور جہاں وہ خوش خوش زندگی کے دن گذار رہا تھا لیکن ماہ اپریل میں موسم گرما کی ناقابل برداشت گرمی شروع ہوئی تو مجبوراً اس جائے قیام کو ترک کرنا پڑا۔ سمندر کے کنارے پر ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا گیا جو ایک زمانہ میں گودام تھا لیکن جس میں اب دنیا کا ایک زبردست شاعر مع اپنے چند مخصوص اور عزیز دوستوں کے متمکن تھا۔ طرز معاشرت نہایت سادہ تھا اور اس امر کی کوشش کیگئی تھی کہ جسقدر ممکن ہوسکے مختصر سامان مہیا کیا جائے شیلی یہاں یکم مئی کو آیا اور ۸ جولائی تک رہکر ملک جاودانی کو سدھارا، لیکن یہ مختصر ہفتے اُسکی زندگی کا بہترین دور ہیں، اسی زمانہ میں وہ تفکرات اور ترددات سے دور رہا اور اُس مسرت آمیز ایام کا مالک تھا جو مسرت و شادمانی سے لبریز اور فرحت و کامرانی سے مملو تھے۔ بچپن سے وہ سمندر کا ایک سچا عاشق تھا۔ اور یہ اُسکی انتہائی مسرت تھی کہ یہ مکان ساحل پر واقع تھا۔ اور شیلی جب چاہتا اور جس عنوان سے چاہتا اس سمندر سے لطف اندوز ہوسکتا۔ وہ دنیا کی مکروہات سے بہت دور تھا۔ اُس کا حسین ماحول اپنی دلکشی اور دلربائی میں اپنی نظیر آپ تھا۔ وہ ایسی آبادی میں ہوتا تھا جو فطرت سے نزدیک اور تہذیب سے دور تھی، اُسکے احباب خندہ رو اور خوش مزاج تھے۔ وہ ان امور پر قادر تھا۔ اور دنیا کے بڑے سے بڑے خزانہ کے عوض وہ اس زندگی کو فروخت نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن چند ہی روز میں آسمان نے ایک خوفناک صورت اختیار کرلی۔ خوف اور پریشانی کی سیاہ گھٹائیں افق پر نمودار ہونے لگیں، اور چاروں طرف یاس و ناامیدی کی سیاہی بڑھنے لگی۔ شیلی اس قابل نہ تھا کہ وہ اٹلی کی شدت گرما برداشت کرسکتا اُسکا دماغ پریشان رہنے لگا، اور قلب متوحش رہتا۔ نیند بھی بہت کم آتی تھی۔ اُسکے دوستوں پر بھی کچھ ناقابل فہم پژمردگی طاری ہونے لگی۔ اور ہر وقت آنکھوں میں موت کی تصویر پھرنے لگی ایکدن شیلی اور ولیم دونوں لی ہنٹ سے ملکر واپس ہوئے اور اپنی مختصر سی کشتی میں بیٹھکر وہاں سے چل پڑے راستہ میں دن چھپا اور ایک سخت طوفان کے ساتھ رات کا دور دورہ شروع ہوا آخر موت کے آہنی ہاتھوں نے ان دونوں دوستوں کو بستر مرگ پر لٹا دیا۔ بہت تلاش اور جستجو کے بعد دونوں لاشیں تہ آب سے برآمد ہوئیں

تماشائی - بی۔ اے۔ علیگ
مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

بھاشا اور اسکے نورتن

(۴)

(کیشوداس)

بھاشا شاعری کے مسلّم الثبوت استادون مین سورداس اور تلسی داس کے بعد کیشوداس کا درجہ ہے، انکا سال ولادت بھی غیر محقق ہے۔ مصنف ہندی نورتن کا قیاس ہے کہ یہ سنہ ۱۵۵۲ء مین پیدا ہوے لیکن کثرت آرا کا فتوے ہے کہ کیشوداس کی پیدائش سنہ ۱۵۵۵ء مین ہوئی انھون نے عمر بھر مین صرف پانچ کتابین تصنیف کی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ میدان تصنیف مین انکی رفتار سست تھی سب سے پہلے انھون نے سنہ ۱۵۹۲ء مین رسک پریا تصنیف کی۔ ان کے خاندانی حالات کا بہت کچھ پتہ "کوی پریا" سے چلتا ہے، جو انہین کی تصنیف کردہ ہے،

ان کے والد کا نام کاشی ناتھ اور وطن اورچھا ہے لڑکپن ہی سے ذہین اور طباع تھے سنسکرت پر ان کو پورا عبور حاصل تھا اندرجیت سنگھ والی اورچھا کے یہان انکی بڑی قدر و منزلت تھی "رسک پریا" کی تصنیف اندرجیت سنگھ کی فرمائش سے ہوئی اس تصنیف سے انکی عزت مین وا چار چاند لگ گئے۔

اندرجیت سنگھ کے دربار مین رائے پردنیا نامی ایک طوائف تھی اسکی خوبصورتی اور گانے کی تعریف سنکر شہنشاہ اکبر نے اسکو بلوا بھیجا مگر رائے پردنیا نے اندرجیت سے منت و سماجت کی کہ وہ نہ بھیجی جائے اندرجیت سنگھ نے جو اسپر خود فریفتہ تھا اسکو نہ جانے دیا۔ اکبر کو یہ بات ناگوار گذری اور اندرجیت سنگھ کے اوپر ایک کروڑ روپیہ جرمانہ کر دیا۔ اندرجیت سنگھ بہت پریشان ہوا۔ اور کیشوداس سے کہا کہ کسی صورت سے جرمانہ معاف ہو جائے تو اچھا ہے، چنانچہ کیشوداس بیربل کے یہان گئے اور یہ چھند پڑھا۔

पावक पंछी पसु नर नदी नद लोक रचे दस चारी
پاوک پنچھی پسو نر ندی ند لوک رچے دس چاری

केसव देव अदेव रचे नरदेव रचे रचना न निवारी
کیشو دیو ادیو رچے نردیو رچے رچنا نہ نواری

कै वर बीर बली वर को सु भयो कृतकृत्य महा व्रत धारी
کے ور بیر بلی ور کو سو بھیو کرت کرتیہ مہا برت دھاری

दै करतापन आपन ताहि दियो करतार दुवौ करतारी
دے کرتاپن آپن تاہی دیو کرتار دوؤ کرتاری

یعنے برہمانے آگ چڑیا، جانور، آدمی سمندر چودہ لوک اشٹ دیوتا، راجا غرض تمام دنیا کی چیزیں بنائیں مگر آسودگی نہوئی اسلیے اُس نے بیربل کو سب سے بہادر بنایا اور اُسکو اپنا کرنا دیکر آسودہ ہوا اور مارے خوشی کے تالیاں بجا دیں -
اس چھند کو سنکر بیربل اتنا زیادہ خوش ہوا کہ ایک کروڑ کا جرمانہ ہی معاف نہیں کرایا بلکہ لاکھ روپیہ کی ہنڈی جو جیب میں پڑی تھی دے ڈالا۔ کیشوداس نے برجستہ شکریہ میں حسب ذیل چھند پڑھا -

केसवदास के भाल लिख्यो विधि रंक को अंक बनाय संवार्यो
کیشوداس کے بھال لکھیو بدھ رنک کو انک بنائے سنواریو

छोड़े छुट्यो नहिं धोये धुयो बहु तीरथ के जल जाय पखार्यो
چھوڑے چھٹیو نہیں دھوئے دھویو بہو تیرتھ کے جل جائے پکھاریو

है गयो रंक ते राव तहीं जब बीरबली बल वीर निहार्यो
ہے گیو رنک تے راو تہیں جب بیربلی بل بیر نہاریو

भूलि गयो जग की रचना चतुरानन बाय रह्यो मुख चार्यो
بھول گیو جگ کی رچنا چترانن بائے رہیو مکھ چارو

یعنی کیشوداس کی تقدیر میں برہمانے فلاکت کو ایسے حرفوں میں لکھا تھا جو نہ چھڑانے سے چھٹ سکتا تھا نہ تیرتھ کے پانی سے دھونے سے دھل سکتا تھا۔ کیشوداس اُسیوقت فقیر سے راجا ہوگئے جبکہ

بیاہ۔ بیربل نے نگاہ کرم کی برھما اس تعجب کی بات کو دیکھکر ایسی حیرت مین پڑے کہ دنیا کے بنانے کو بھول گئے۔

اس چھند پر بیربل اور زیادہ خوش ہوا اور کہا کہ جو کچھ مانگنا ہو مانگو کیشوداس نے بیربل کے دربار مین بلا روک ٹوک آنے کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔

جرمانہ کی معافی کے بعد راجہ اندرجیت سنگھ کے دربار مین کیشوداس کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ اور چند مواضعات جاگیر مین دیے گئے ایک مرتبہ اندرجیت سنگھ نے گنگا مین کھڑے ہوکر یہ کہا کہ جو کچھ مانگنا ہو مانگو مگر انہون نے محض اسی قدر مانگا کہ آپ ہمارے ساتھ ایک ہی طرح نباہ دیجیے۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ انکو طمع زر نہین تھی وہ اندرجیت سنگھ اور بیربل اور امر سنگھ کی بہت مداح تھے۔ بڑھاپے مین بھی طبیعت کی اُمنگ نہین گئی تھی ایک موقع پر اپنے سفید بالون پر افسوس کرتے ہین۔

کیسو کیس اس کری جس آپ ہو ی نہ کراہین	केसव केसन असकरी जस अरिहूं न कराहिं
چندر بدن مرگ لوچنی بابا کہہ جاہین	चन्द्र वदन मृग लोचनी बाबा कहि२ जाहिं

کیشوداس یہ فرماتے ہین کہ ہمارے بالون نے سفید ہوکر ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے جیسا دشمن بھی نہین کر سکتے کیا یہ قابل برداشت بات ہے کہ ماہتاب ایسا چہرہ رکھنے والی اور ہرن کی سی آنکھ رکھنے والی حسین عورتین بابا کہہ کر چلی جاتی ہین۔

آپ کی تصنیفات مین "کوی پریا" "رام چندر کا" "گیان گیتا" "نورس برن" زیادہ مشہور ہین آپ نے سمت ۱۶۷۴ مین اس جہان فانی عالم جاودانی کی راہ لی۔

کلام پر ایک نظر جس طرح تلسی داس نے چرتر مانس (رامائن) لکھی ہے اُسیطرح آپنے بھی رامچندر کا لکھی ہے فرق یہ ہے کہ انھون نے لڑکپن کا حال بالکل نہین لکھا ہے۔

تلسی داس یا اور رامچندر جی کا حال لکھنے والون نے ببھیکن کی بڑی تعریفین کین ہین مگر اُن کے نقص کیطرف کسی نے بھی خیال نہین دوڑایا اسکو کیشوداس نے "لَو" کی زبان سے یون ادا کرا دیا ہے،

आरे विभीषण रण दूषण ÷ एक तुही कुल को कुरु भूषण

او ببھیکن تو رن دوشن ÷ ایک تو ہی کل کو کل بھوشن

जुफि जुरे जे भले भये जी के: शत्रुहि आय मिले तुम नीके
جو جہ جُورے جے بھلے بھئے جی کے ÷ شترو ہی آے سے تم نیکے

देव अधू जबहीं हरि लायो : क्यों तबहीं तजि ताहि न आयो
دیو بدھو جب ہی ہر لایو ÷ کیون تب ہی تجے تا ہی نہ آیو

यों अपने जिय के उर आयो छुद्र सबै कुल छिद्र बताये
یون اپنے جی کے اُر آئے ÷ چھودر بیئے کل چھدر تبائے

जेठो भैया अन्नदा राजा पिता समान — جیٹھو بھیا انداراجا پتا سمان

ताको तैं पतिनी करी पति नी मात समान — تاکہ تے پتی کری پتنی مات سمان

को जानै के बार तू कही न ह्वै है माय — کو جانے کے بار توکہی نہ ہوے ہے اے

सो तैने पतिनी करी सुनु पापिन के राय — سوتے نے پتی کری سن پاپن کی راے

یہ اُسوقت کا تذکرہ ہے جب جگ کا گھوڑا باندھ لینے پر رامچندر جی کی فوج اور لو اور کش سے مقابلہ ہوا تھا تمام فوج ہار چکی ہے اب بھبھیکن مقابلہ کے لئے آئے ہین ہاتھون مین تیر اُٹھائے ہوئے سامنے دیکھکر لو کہتے ہین ا ے بھبھیکن مقابلہ کرو مگر میری دانست مین تو لڑائی کے لیے باعث ننگ ہے تیرا کیا کہنا ہے تو اپنے خاندان کا زیور یعنی سب سے افضل ہے جو لوگ تیرے خاندان کے لڑائی مین لڑکر مرگئے ان کو دیکھکر تو خوش ہوا کیونکہ تو اپنے بھائی (راون) کے دشمن رامچندر سے آکر ملگیا۔ اگر تو اس خیال سے ملا کہ تیرے بھائی نے سیتا جی کے دینے سے انکار کیا ہے اور چُرا کر لے آیا ہے، تو تو اسی وقت کیون نہ چلا آیا جب راون لے گیا تھا۔ ارے مکار تیری طبیعت مین جو کچھ آیا کیا حقیقت یہ ہے کہ تو خود بڑا ذلیل خصلت ہے۔ تو نے بڑے بھائی کی بیوی سے شادی کرلی ہے "آہ" اے ظالم کیا تجھے نہین معلوم کہ بڑا بھائی راجہ بالک باپ یہ سب برابر درجہ رکھتے ہین نہین معلوم تو نے کتنی دفعہ اسکو ماں کہا ہوگا مگر افسوس اس سے شادی کرنے مین تجھے شرم نہ آئی۔

حقیقت یہ ہے کہ کیشوداس نے اس موقع پر بڑی جسارت اور انصاف سے کام لیا ہے اور رامائن لکھنے والون نے محض بھگتی کا تذکرہ کرتے ہوئے بھبھیکن کو آسمان پر پہنچا دیا ہے مگر ایک نقاد اور مصنف کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونون پہلوؤن کو روشن کرے یہ نقص تقریبا ہر رامائن

لکھنے والون مین موجود ہے مگر ہم اس نقص سے رام چندر کا" کو الگ پاتے ہین۔

منظوم افسانہ نویسی کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ چوپائی اور دوہے کے ذریعہ سے بیان کیا جاوے جیسا تلسی داس نے رامائن مین کیا ہے مگر کیشوداس نے مختلف چھندون کے ذریعہ سے ادائے مطلب کیا ہے اسطریقہ کا مخترع آپ ہی کو کہنا چاہیے۔

عکاسی فطرت اور جذبات کے لحاظ سے تلسی داس اور کیشوداس دونون برابر ہین فرق اتنا ہی ہے کہ تلسی داس بھگت بھی تھے اور یہ صرف شاعر تلسی داس کی نظم مین آمد ہے تو ان کی نظم مین آورد۔ محاسن شاعری مین کیشوداس کا نمبر کچھ زیادہ پیچھے نہین ہے پر ان کی زبان برج بھاشا ہے مگر بندیلکھنڈی زبان کے اثر سے غیر محفوظ نہین سنسکرت کے الفاظ بمقابلہ تلسی داس جی کے زیادہ پائے جاتے ہین؛

سلاست بیان مین تلسی جی کا نمبر کہین بڑھا ہوا ہے کیشوداس کی شاعری خشک ہے بعض بعض مواقع ایسے پیش آجاتے ہین کہ مطالب سمجھنے مین دقت پیش آجاتی ہے تلسی داس اور کیشوداس کے مقابلہ مین مصنف ہندی نورتن کا فیصلہ مان لینے کے قابل ہے کہ اگر تلسی داس جی بھاشا کے شکسپیر ہین تو کیشوداس ملٹن اس مختصر گزارش کے بعد ہم ناظرین کے تفنن طبع کے لیے نمونہ کلام پیش کرتے ہین۔

نمونہ کلام

دھنش جگ کے موقع پر راجکمارون کی موجودگی سے جو خوبصورتی پیدا ہو گئی ہے اسکو رام چندر کا مین یون بیان فرماتے ہین۔

शोभित मंचन की अवली गजदंत मई छवि उज्वल छाई　شوبہت منچن کی اولی گج دنت مئی چھبی اوجل چھائی

ईश मनो बसुधा में सुधारि सुधा धर मंडल मंडि जोन्हाई　ایش منو بسدھا مین سدھار سدھا دھر منڈل منڈی جونہائی

तामे केसव दास बिराजत राज कुमार सबै सुख दाई　تامین کیشوداس براجت راجکمار سبے سکھدائی

देवन सों जनु देव सभा शुभ सीय स्वयम्बर देखन आई　دیون سون جنو دیو سبھا شبھ سیہ سیمبر دیکھن آئی

ہاتھی دانت کی سفید سفید چوکیون سے تمام اُجالا چھایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ایشور نے زمین ہی پر چاندنی سے سان کر چندر منڈل بنایا ہے کیشوداس کہتے ہین کہ اُس منڈل مین ہر قسم کے آرام دینے والے "راجکمار" اسطرح خوبصورتی پیدا کر رہے ہین جیسے دیوتاؤن کی سبھا سیتاجی کا سوئمبر دیکھنے آئی ہو۔ اسی موقع پر کٹھ پتلی کے ناچ کا اسطرح خاکہ کھینچتے ہین۔

नवति मंच पंचालिका • कर संकलित अपार　نوت منچ پنچالکا کر سنکلت اپار

नाचत है जनु नृपति की, चित्त वृत्ति सुकुमार ناچت ہے جنو نرپت کی چت برت سوکوار

کنٹھ تپلیان چوکیون کےاوپر طرح طرح کے اشارے کرکے اسطرح ناچتی ہین کہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح راجہ جنک کے دل کے نازک جذبات ناچتے ہون۔

جسوقت دھنش کسی سے نہ اُٹھا اور سب کے سب خفیف ہوکر رہ گئے اُس موقع پر فرماتے ہین۔

रिक पालन की भुव पालन की लोक पालन हू की नमातु गई च्वै

دکپالن کی بھوپالن کی لوکپالن ہو کی نہ ات گئی چو دے

मांड़ भये उठि आसन ते कहि केशव शंभु शरासन को छ्वै

بھانڈ بھئے اٹھی آسن تے کہی کیشو شمبھو شراسن کو چھوئے

काहु चढ़ायो न काहु नवायो न काहु उठायो न आंगुर हू द्वै

کاہو چڑھایو نا کاہو نوایو نہ کاہو اُٹھایو نہ انگر ہو دوے

स्वारथ भो न भयो परमारथ आये हैं वीर गये बनिता ह्वै

سوارتھ بھو نہ بھیو پرمارتھ آئے ہوئے بیر گئے بنتا ہوئے

یعنی دکپال بھوپال اور لوک پال کی ماتاؤن کے حمل کیون نہ گر پڑے اپنے اپنے جگہون سے اُٹھکر اور مہادیو جی کے دھنش کو چھوکر شرماے گئے کسی نے نہ تو جھکایا نہ چڑھایا اور نہ دو انگل بھی اُٹھایا۔ نہ تو اپنا مطلب ہی پورا ہوا کہ اُٹھاکر سیتا جی سے شادی کرین نہ پرمارتھ ہی نیا ڈالا کہ سیتا جی کو تمام دنیا کی مان سمجھکر شادی اور دھنش اُٹھانے سے انکار کرین بہادر بنکر اس جگ مین آئے تھے اور عورت بنکر چلے گئے۔

خدا کیا ہے؟ اس مسئلے کو بگیان گیتا مین یون ادا کرتے ہین۔

अजन्म है अमृत्यु है। अशोक अनु सर्व है	اجنم ہے امرت ہے اشیش انت سرو ہے
अनादि अनन्त हीनु है। जु नित्य औ नवीन है	انادی انت ہین ہے جو نیتہ ہی نوین ہے
अरूप है अमेय है - अमाप है अमेय है	اروپ ہے امیے ہے۔ اماپ ہے امیے ہے
निरीह निर्विकार है - सुमध्य मध्य हार है	نریہہ نربکار ہے۔ سومدھیہ ادھیہ ہار ہے
अकृत्य है अखंडि त्वै - अशोक जीव मंडि त्वै	اکرت ہے اکھنڈ توے۔ اشیش جیو منڈ توے

समस्त शक्ति युक्ति है -सुदेव देव मुक्त है
سمست شکت جگت ہے سودیو دیو مکت ہے

ताको पूजा करहु कवि कृत्रिम देवन छाँड़
تاکی پوجا کر دہو رش کرترم دیون چھنڈ

मनसा वाचा कर्मना निपट कपट को खाँड़
منسا باچا کرمنا نپٹ کپٹ کو کھنڈ

خدا نہ مخلوق ہے نہ فانی ہے اسکا شروع اور آخر نہین ہے وہ ہمیشہ نیا بنا رہتا ہے نہ اسکی کوئی شکل ہے نہ اسمین کچھ مخلوط ہے نہ اسکی کوئی پیمایش ہے نہ اُسمین کوئی بھید ہے نہ اسمین کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے نہ اسمین تبادلہ ہوتا ہے وہ غیر مصنوع ہے اور اسکے ٹکڑے نہین ہو سکتے، روحون کو عالم شہود مین لانے والا ہے تمام طاقتون سے بھرا ہوا اور سب دیوتاؤن سے الگ ہے اسلیے اے دشیو تم تمام بناوٹی دیاؤن کو چھوڑ کر اپنے تمام افعال ارادی سے برائیون کو توڑتے ہوئے اُسی کی دل سے عبادت کرو -

کیشوداس رہبانیت کے مخالف تھے اہل و عیال کے ساتھ عبادت کو پسند کرتے تھے - فرماتے ہین

निसि बासर वस्तु विचारिहैके ÷ मुख सांचु हिये करुना धनु है
نس باسر بستو بچاری کے ÷ مکھ سانچ ہے کرونا دھن ہے

अघ निग्रह संग्रह धर्म कथन ÷ परिग्रह साधुनि को गनु है
اگھ نگرہ سنگرہ دہرم کتھن ÷ بری گرہ سادھن کو گن ہے

कहि केसव भीतर जोग जगै ÷ अति बाहेर भोगनि सो तनु है
کہے کیشو بھیتر جوگ جگے ÷ اتی باہر بھوگن سون تن ہے

मन हाथ सदा जिनके तिनको ÷ बनही घर है घरही बनु है
من ہاتھ سدا جنکے تنکو ÷ بن ہی گھر ہے گھر ہی بن ہے

وہ لوگ جو تمام باتون کو سوچ سمجھکر ہمیشہ منھ سے سچ بولے ہین دل مین رحم اور گناہون سے بچکر دھرم کے اچھے اچھے کام کرتے ہین اور سادھوؤن کی خدمت کرتے ہین کیشوداس کہتے ہین کہ ایسے جنکے اندر شمع معرفت جلتی ہے اور اوپر جسم دنیا مین لگا ہوا ہے ان لوگون کے لیے بن ہی گھر ہے اور گھر ہی بن ہے کیونکہ ان نظرون مین ہر جگہ اُسی کا جلوہ موجود ہے ؂

ہمہ اوست کے فلسفہ پر آپنے کس انداز سے اپنا شبہ ظاہر کیا ہے -

देव अरूप अमेय है ÷ कहे गिरी ह प्रकास — دیوا روپ امیہ ہے کہے نر بیہ پرکاس
सर्व जीव मण्डित कहो केसे केशौ दास — سرب جیو منڈت کہو ؛ کیسے کیشو داس
ज्यों अकास घट घटनिमें पूरण कौन न होय — جیون اکاس گھٹ گھس ہین ؛ پورن لین نہ ہوئے
यों पूरण संदेह में रहे कहे मुनिलोग — یون پورن سندھیا ہین رہے کہے سی لوگ

جب خدا بے شکل غیر مخلوط اور بے خواہش ہے تو اے کیشو داس ہر اجسام ہین ملا ہوا کیسے کہتے ہین۔ جسطرح کہ اماش (خلا) ہر اشیاے خلا رہین موجود رہتا ہے مگر اسمین بالکل مل نہین جاتا اسیطرح منی لوگ ایسی مشتبہہ صورت ہین خدا کو ہر شے ہین بستا تے ہین۔

تقسیم خیرات کے متعلق کہتے ہین

पहिले निज बांतन देवमवे — پہلے نج برتن دیو ابے
फिर पावें नागर लोग सबै — پھر پاوین ناگر لوگ سبے
फिर देव सबै निज देशन को — پھر دیو سبے نج دیسن کو
उबरे धन देहु विदेशिनको — ادبرے دھن دیہو بدیسن کو

مگر تمہارے پاس کافی روپیہ ہے اور خیرات کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے خاندان والون کو دو پھر اگر اس سے بچے تو گاؤن کے حاجت مندون کو دو اور اگر اس سے بھی فاضل ہو تو اپنے دیش والون کو دو اس سے اگر فاضل بچے تو بدیشیون کو دو۔

رنگ تغزل ہین بھی کیشو داس کا رنگ نرالا اور بے مثل ہے استعارات ایسے ایسے با موقع استعمال کرتے ہین کہ کلام ہین جان پڑجاتی ہے ملاحظہ ہو۔

तोरि तनी टक टोरि कपोलनि जोरि रहे कर त्यों न रहोंगी
توری تنی ٹکٹور کپولن جور رہے کر تیون نہ رہون گی

पान खवाय सुधा धर पान कै पायगोह् तस हौं न गहोंगी
پان کھوائی سدھا دھر پان کے پائے گہے تس ہون نہ گہونگی

केसव चूक सबै सहिहौं मुख चूमि चले यह तो न सहौंगी
کیسو چوک سبے سہیون مکھ چوم چلے ؛ تو نہ سہونگی

कै मुख चूमन दे फिर मोंहि कै आपन धाय से जाय कहौं गी

کے مکھ چومن دے پھر موہن کے آپن دھاے سے جاے کہونگی

کرشن جی سے ایک گوپی ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی ہے کہ تم نے جو پہلے میرے رخساروں کو چوس لیا تھا ویسے اب نہیں کرنے دونگی پان کھلا کر میرے آب حیات کے مانند ہونٹوں کو چوم لیا تھا اب میں اسطرح نہین کرنے دونگی ہمیشہ وہ بس جی کہتے ہین کہ ساری خطائیں معاف کرسکتی ہون مگر تم میرا منہ چوم کر چلدیتے ہو ایسا نہین کرنے دونگی تم اپنا منہ بھی چوسنے دو ورنہ یہ سب شرارتین جاکر مین اپنی ماں سے کہدونگی۔

ملاحظہ ہو گوپیونکی فطری حالتین اور انکی دھمکیان نیز جذبات عشق کی بیخودی۔

کلام مین غالبیت اسقدر ہے کہ عام فہم کیا خاص فہم بھی نہین کہہ سکتے بھاشا کے شعرا انکو خشک شاعری کا پریت کہتے ہین یہ سچ ہے لہ

منظور الحق کلیمؔ

---

(۲) بسا اوقات بہت نام ہے (۱) اندیشی کا اگر اکثر اوقات دور اندیشی بزدلی کا پردہ بن جاتی ہے۔

(۳) خلاف فطرت پرورش اور رکھ رکھاؤ سے اعضا اور تناسب اعضا مین جو بات پیدا ہوتی ہے اُسکا شاعرانہ نام نزاکت ہے۔

(۴) جو پلیٹ فارم پر ہمواری کے ساتھ تند اور تیز الفاظ مین اپنے اجتہادی یا تقلیدی یا سیاسی خیالات کے اظہار کرنے کی ہمت رکھتا ہے وہ اکثر میسٹر گرم کہلاتا ہے اور جو اتنی ہمت نہین رکھتا وہ ماڈریٹ (نرم) کہلاتا ہے یعنی نقطۂ افتراق دل و دماغ نہین بلکہ زبان و قلم ہے۔

(جادو) اسکر وائلڈ

نوٹ: اس مضمون کے طیار کرنے مین "ہندی نورتن" سے زیادہ مدد لی گئی ہے۔

وفا کی دیوی

پانچ برس گذرے زلیخا کے شوہر نے لوگون کو دہوکا دیکر چار ہزار روپیہ ہڑپ کر لیا۔ کاؤس جی شاپور جی کے نام جعلسازی کرنیکے بنا پر وارنٹ جاری ہوا اور پھر اسی رنج مین فوت ہوگیا۔ یہ خبر زلیخا کو اسکے خسر سے ملی۔ اسوقت سے بیچاری نے محلہ کی لڑکیون کو دستکاری سکہا کر کسی طرح اپنا پیٹ پالا۔ اسکے سر اسکی ضعیف مان اور بچہ کا بھی خرچ پڑا۔ دو سال گذرے جب اسکے والد کے دوست جمشید جی کی معرفت اسکو ایک خط ملا جسمین بھیجنے والے نے اس سے شادی کی درخواست کی تھی اور ایکہزار روپیہ کے بنک نوٹ بھیجے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر ایک خط اور بنک نوٹ ملے۔ زلیخا عرصہ تک تنہا مصیبتون کا سامنا کرتی رہی تھی۔ وہ واقف تھی کہ اسکی عمر کا بہترین حصہ گذر چکا ہے۔ اب تیسری بار پھر اجنبی کا خط شادی کے متعلق ملا وہ عجیب تذبذب مین تھی نہ منظور ہی کر سکتی تھی اور نہ انکار ممکن تھا۔

جب جمشید جی تیسرا خط لیکر آئے جسمین علاوہ درخواست شادی کے ایکہزار روپیہ کے نوٹ بھی تھے تو زلیخا نے ان سے اجنبی کی بابت پوچھا۔

جمشید جی بولے نہین نہین زلیخا مین اسکا نام کسی طرح نہین بتا سکتا تمہین روپیہ کی ضرورت ہے؟

اس سوال کو سنکر زلیخا کے لبون پر غمگین مسکراہٹ آگئی۔ وہ بدقت اپنا خرچ چلا سکتی تھی کیونکہ لڑکیان تعداد مین کم تھین اور پھر ملازم پیشہ کی یہ لوگ تنخواہ کی جلد ادائیگی کے سوال پر چین بجبین ہو جاتے تھے۔

زلیخا" ہان مجھے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اور مین جانتی ہون کہ اسکا روپیہ لیکر مین نے بدنامی کا ٹیکہ اپنے سر لگایا ہے۔ لیکن مین مجبور تھی۔

جمشید جی۔ تمکو تین ہزار روپیہ ملا ہے؟

ذلیا - لیکن یہ بھی تو آپ کو معلوم ہے - کہ وہ خرچ کس طرح ہوا ہے - یہ کہکر اُسنے اپنا سر پھیر لیا - مگر انہون نے اسکی ڈبڈبائی ہوئی آنکھین دیکھ لین تھین

وہ بولے - مجھے معلوم ہے کہ تمنے اسکو اپنے بدمعاش شوہر کے قرض کی ادائیگی مین صرف کیا - وہ شخص کہ جسکو نہ تو شوہر ہونے کی ذمہ داری کا خیال اور نہ جسکے دل مین محبت پدری نے گدگدایا -

ذلیا - آپ بھول گئے کہ آپ مردہ کی بابت گفتگو کر رہے ہین -

جمشید جی نے ترش رو ہوکر کہا - مجھے سب کچھ یاد ہے - اور اگر مین اسکے بھولنے کی کوشش بھی کرتا تو اسکے والد کی فضول خرچی اور بدچلنی مجھکو فوراً یاد دلادیتی - دیکھو! (ایک عالیشان عمارت کی طرف اشارہ کرکے کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اسکے اکلوتے لڑکی کو جسے ہوئے صرف تین سال ہوئے بیوہ افلاس مین دن گذارے اور اسکے یہان قمارباز جمع ہوکر مالا پختیان اُڑائین - تم متوفی کے قرض کی ادائگی کے باعث اپنے کو کیون تکلیف دیتی ہو -

وہ سکون سے بولی ' اگر مین اس قرضہ کو ادا نہ کرونگی ' تو میرے لڑکے کو ادا کرنا پڑیگا -

جمشید جی - اچھا اس پیغام کا کچھ جواب دیتی ہو ؟

ذلیا نے سرہلا کر کہا - کچھ نہین - سوا اسکے کہ ' ممکن ہے کہ مین دوبارہ شادی کرلون کیونکہ عورت کے دلمین محبت کا پودا صرف ایکمرتبہ نشوونما پاتا ہے -

جمشید جی - لیکن ذلیا مصیبت کے باعث سنگدل نہ ہو - تمہاری قدر کرنیوالے اب بھی موجود ہین - میرے خیال مین یہ شخص بھی تمہارے دام محبت مین گرفتار ہے - تمام دنیا مین اسکا نہ کوئی مونس ہے نہ غمخوار اسنے اپنی دست بازو کی مشقت سے بہت روپیہ کمایا ہے اور میری معرفت بہت لوگون کی دستگیری بھی کی ہے - اسکا چہرہ دیکھو - یہ کہکر اسنے ذلیا کے ہاتھ مین ایک تصویر دیدی - وہ شخص ایک ہوٹل کے زینہ پر بیٹھا تھا اور اسکی ڈاڑھی گھنی تھی - کندھے چوڑے تھے اور پیشانی کشادہ -

یہ پہلا موقع تھا کہ ذلیا نے اپنے محسن کی تصویر دیکھی - اسکو دیکھکر ذلیا کا چہرہ دمک اُٹھا - اجنبی کا پچھلا خط کلکتہ سے آیا تھا پہلے خط سری نگر اور لاہور سے بھیجے گئے تھے پچھلے خط مین لکھا تھا کہ مین عنقریب بمبئی آنیوالا ہون وہان آکر مین بذات خود تم سے شادی کی درخواست کرون گا مین دنیا مین تنہا ہون - مجھے بمبئی کرانیکل سے تمہاری پُرغم داستان معلوم ہوئی - " واقعی تمنے بڑی بہادری

کا کام کیا۔ میں نے خود کل روپیہ بھیجدیا ہوتا۔ مگر میرے دل میں کوئی کہہ رہا تھا کہ وہ اس قسم کی عورت نہیں کہ روپیہ لے۔ صرف ایک ہی طریقہ ہے جس سے یہ خیال رفع ہو سکتا ہے۔ کہ ہم دونوں شریک زندگی بن جائیں۔

اس خط پر سپٹن جی کے دستخط تھے مگر اس سے ذلیا کو کچھ پتہ نہ چلا۔ جمشید جی کے جاتے ہی ڈاکیہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اسے تین خط دیئے۔ تینوں میں لکھا تھا کہ اسکے چال چلن کے متعلق چند افواہیں اُڑ رہی ہیں جسکے باعث لوگ اپنی لڑکیوں کو اسکے یہاں پڑھنے نہ بھیجینگے۔

وفور غم سے اسکا کلیجہ چھلنی ہو گیا ۔ مگر پھر بھی ضبط سے کام لیا۔

(۲)

دوسرے دن صبحکو وہ اپنے لڑکے کو کپڑے پہنا رہی تھی کہ اسکے خسر صاحب تشریف لائے اپنے فرزند کے وفات کی خبر لانے کے بعد آج یہ پہلا موقع تھا کہ ان کے سنبر قدم یہاں آئے تھے۔ وہ بولے۔ تم کتنے عرصے میں دوسری جگہہ رہنے کا انتظام کر سکوگی۔ غالباً تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ جھونپڑا میرا ہے۔

ذلیا نے جواب دیا۔ کہ مجھے معلوم نہ تھا۔ اور نہ کرایہ ہی میں تمہارے گماشتہ کو دیتی ہوں۔

اسنے درشتی سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا اگر تم جانتی ہوتیں تو اسبات کی کوشش کرتیں کہ بغیر کرایہ ہی اس میں رہو۔ اب تو تمکو یہاں سے جانا ہی پڑیگا۔ میں اسکو مسمار کرنیوالا ہوں۔ کیا تم دو روز میں اسکو خالی کر دوگی۔؟

ذلیا کے رخسار سفید ہو گئے تھے لبوں کو جنبش ہوئی مگر آنکھیں غرور سے چمکتی رہیں۔

اسنے آہستہ سے جوابدیا۔ مجھے نہیں معلوم۔

بوڑھا شاپور جی سختی سے بولا۔ تو جلدی یہاں سے بوریا بدھنا کھسکاؤ اور بہتر تو یہ ہوگا کہ تم ضلع ہی کو چھوڑ دو کیونکہ میری بدنامی ہوتی ہے۔

وہ بغیر کچھ کہے دروازہ تک گئی اور کواڑ کھولدیئے۔

پھر سرد مہری سے بولی۔ ایک ہفتہ تک تو اسپر میرا قبضہ ہے۔ اب بہتر ہے کہ آپ تشریف لیجائیے۔

بوڑھے شاہ پور نے کھڑے ہو کر کہا۔ میں نے تمہیں سمجھا دیا اب ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے۔

اگر یہاں سے نہ جاؤ گی تو ایک بھی لڑکی تمہیں پڑھانے کو نہ ملیگی۔

زلیا تلخی سے گویا ہوئی۔ اب معلوم ہوا کہ تم ہی میرے متعلق ادھر اُدھر افواہیں مشہور کر رہے ہو تاکہ میں کوڑی کوڑی کو محتاج ہو جاؤں

بڈھا منہ بنا کر بولا۔ افواہیں بارے ہوش کے ناخن لو یہ افواہیں نہیں ہیں ان کی اصلیت بھی ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ لوگ اپنی لڑکیوں کو ایسی عورت کے پاس بھیجیں گی جس کا شوہر دیہات میں ناگزیر

زلیا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔

بڈھے نے قہقہہ لگایا اور کہا کیا تمہارا خیال تلک رہ گیا میں بھی یہی سمجھے تھا۔ حیف وہ زندہ ہے اور کل شام کو میرے گھر آیا تھا۔ تمہاری بابت دریافت کر رہا تھا۔ اگر کہیں میں بتا دیتا تو وہ چشم زدن میں یہاں پہونچ جاتا۔

زلیا کا دم ہونٹے لگا۔ بدقت اسکے منہ سے نکلا۔ کاؤس جی زندہ۔

بڈھے نے طنزاً کہا۔ کیا تم خوش نہیں ہوئیں۔ وہ اتنے عرصہ کے بعد مردوں میں سے آیا ہے اور اتنا شرابی اور بد چلن ہے جتنا کہ ــــــ۔

زلیا نے تلخی سے جملہ پورا کر دیا "جتنا کہ اسکا والد۔"

بڈھا طعنہ کی ہنسی سے بولا۔ اس کو ایک بار دیکھ لو تب تم کو افسوس ہوگا کہ کیوں تم نے میرے کہنے پر عمل نہیں کیا۔

زلیا نے دروازہ کی طرف اشارہ کر کے کہا میں جب تیار ہونگی تب ہی جاؤں گی۔

بوڑھا یہ کہکر چلدیا۔ میں رات کو تمہارا ارادہ معلوم کرنے آؤنگا۔

وہ افسردہ ہوگئی اسکا دم الجھنے لگا۔ اتنے میں کسی نے ایک ننھا سا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دیا اسنے پیچھے دیکھا تو اسکا لڑکا کھڑا تھا۔

لڑکا بولا۔ جب میں بڑا ہو جاؤنگا اماں۔

زلیا نے جھک کر لڑکے کی جبین پر بوسہ دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی۔ اس کے تمام تفکرات دور ہو گئے۔

(۳)

جیسا کہ ذلیا کا خیال تھا کاؤس جی جب ہ بجے شام کو آیا۔ تاریکی کے باعث وہ اسکا چہرہ نہیں دیکھ سکی۔

کاؤس جی بولا مجھے لوگوں نے یہ کہکر دھوکا دیا کہ تم یہاں سے چلی گئی ہو۔ مگر آخر میں نے پتہ لگا ہی لیا۔ لمپ کیوں روشن نہیں کرتیں۔

ذلیا نے اُٹھکر لمپ جلایا۔ جب کمرہ میں روشنی ہو گئی۔ ذلیا کاؤس جی کا پُر غم چہرہ دیکھکر چونک پڑی۔

وہ غصہ سے بولا۔ تم بولتی کیوں نہیں ؟ کیا مجھے بھوت سمجھ رکھا ہے ؟

اسنے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ لوگوں نے مجھے تمہاری وفات کی خبر دی تھی۔

کاؤس جی نے طنزاً کہا۔ واقعی تمنے میرا ماتم کیا ہوگا۔ چونکہ میں نہیں چاہتا کہ کسیکو میرے یہاں آنیکا پتہ چلے۔ تمہیں میرے مرجانے سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ شاید بڈھے نے خرچ دیا ہو گا۔

ذلیا نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ تمہارے مرنے کے بعد وہ آج ہی یہاں آیا تھا۔ اسی سے تمہاری بابت مجھے معلوم ہوا۔ وہ مجھے یہاں سے نکالنا چاہتا ہے۔ اور رات کو پھر آئیگا۔

کاؤس جی۔ اور تمہارا کیا ارادہ ہے۔

وہ رنج سے اپنا سر ہلا کر بولی۔ ابھی کچھ نہیں ابھی تو یہ سب خواب و خیال معلوم ہوتا ہے۔

کاؤس جی نے ترشروئی سے کہا۔ تم جھوٹ بول رہی ہو تمکو تو میرے مرنے سے خوشی ہوئی ہوگی۔

ذلیا افسردگی سے گویا ہوئی۔ میں اب بھی تمہاری بیوی ہوں۔

کاؤس جی بول اُٹھا۔ تب تو تم ضرور میری مدد کرو گی۔ مجھے روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔ کل بڈھے سے میں نے روپیہ مانگا۔ مگر اس نے پولیس کے حوالہ کر دینے کی دھمکی دی۔ میں اس جگہ کو فوراً چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔

ذلیا نے ڈرتے ہوئے پوچھا تمنے کیا کیا ہے ؟

اسنے غصہ سے جواب دیا "تمہیں مرُوے کیوں ابھی کہا رُکی ہو۔ وہی پانچ برس والا قصہ۔

زلیخا - اب اس سے تم بالکل مت ڈرو -

یہ سنکر کاؤس جی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور غور سے زلیخا کے چہرہ کو دیکھنے لگا -

وہ - زلیخا اس وقت تم مجھے کتنا روپیہ دے سکتی ہو -

زلیخا - میں نے بہت سا ادا کر دیا ! باقی کل ادا کرنے کا ارادہ ہے -

وہ - چار ہزار روپیہ ؟

زلیخا - ہاں تین ہزار روپیہ تو ادا کر چکی ہوں -

اسکے قریب بڑھتے ہوئے کاؤس جی نے پوچھا - اتنا روپیہ تمکو کہاں سے ملا -

یہ سنکر وہ جلگئی - ناگن کیطرح بل کھا کے بولی - تمکو یہ دریافت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے - یہی غنیمت سمجھو کہ قرض ادا ہو گیا - اور اب تم آزاد ہو -

کاؤس جی - نہیں یہ کافی نہیں ہے - تم کو سب بے کم و کاست بتانا ہوگا -

زلیخا میں سب بتا چکی -

اسنے بدلے ہوئے لہجہ میں کہا - زلیخا تم کمنی ہو، کہ تمنے میرے لیے بہت کیا - میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اور مدد دو - مجھے روپیہ کی اشد ضرورت ہے - ایکہزار سے میرا کام بن جائیگا -

زلیخا - ایکہزار روپیہ ! یہ کہکر وہ میز کے قریب بڑھی، تمہارے قرض کی یہ آخری قسط تھی !

وہ تحکمانہ انداز سے بولا - یہ روپیہ مجھے دیدو

زلیخا - ہاں میں ایک شرط پر یہ روپیہ دیدونگی - تم وعدہ کرو کہ آج سے اپنے کو شُدہا روکے -

زلیخا دراز کھول لی تھی اور خط اسکے ہاتھ میں تھا یہ کہکر کہ وہ غلاظت کھو کاؤس نے لفافہ چھین کر نوٹوں کو جیب میں رکھ لیا - اور جب وہ خط چھیننے کو لپکی تو اسنے دُور ہٹا دیا -

کاؤس جی طعنہ زن ہوا - اب بھی میری بیوی ! تم یہ کہنے کی جرات رکھتی ہو اور یہ خط -

زلیخا - اسکے سامنے تنکر کھڑی ہوگئی اور اسکی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں - وہ بولی خاموش مگر ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو میں تمکو قتل کر دونگی -

کاؤس جی نے خط دکھا کر کہا - میں اسکا حال سن چکا تھا - بڈھے وکیل جمشید جی کے ایک محرر نے مجھے سب باتیں بتلا دیں - قسم ہے آتش پاک کی ہم اسکو خوب الو بنائیں گے - کیوں کیا رائے ہے ؟

اسے اور روپیہ کے لیے لکھو تمہیں پتہ تو معلوم ہی ہے

یہ سنکر زلیا کا رنگ فق ہو گیا اور وہ پیکر بیجان کی طرح کھڑی رہی -

کاڈس جی طنزیہ ہنسکر بولا - ہم اس سے خوب روپیہ اینٹھیں گے - مین جا کر نفیس کپڑے خریدوں گا -

وہ جیسے ہی دروازہ کے قریب پہنچا تھا کہ بچے کے رونے کی آواز آئی - اسنے مڑکر زلیا کیطرف دیکھا

زلیا آہستہ سے بولی - ہاں یہ تمہارا لڑکا ہے مین اسے پکارتی ہون - تاکہ وہ تمہیں دیکھ لے تمہارے لیے یہی سزا کافی ہے -

لیکن قبل اسکے کہ وہ لڑکے کو پکارے - کاڈس جی وہان سے چلدیا -

(۴)

تھوڑی دیر کے بعد بڈھا شاپور جی آیا - اسکے لبون پر مسکراہٹ تھی - اور آنکھین شرارت سے چمک رہی تھیں -

زلیا کی کرسی کے پیچھے آکر بولا - مین اسکی بابت سوچ رہا تھا -

زلیا کچھ ترش کلامی کرنا چاہتی تھی کہ باہر پیر کی چاپ سنائی پڑی کسی نے دروازہ کھولکر پوچھا کیا شاہ پور جی کی بیوی یہان رہتی ہین - اجنبی کے ڈاڑھی تھی اور غم کے باعث اسکی آواز بہت ملائم تھی - میرا نام -

بڈھے نے طعنہ سے قطع کلام کیا - پیسٹن جی ہے - اندر آئیے جناب، ہمکو سب معلوم ہے - کاش کہ آپ ایک شب پہلے میرے مکان پر آئے ہوتے تو ان کے شوہر سے بھی ملاقات ہو جاتی -

زلیا بید کی طرح لرز رہی تھی اسکی آنکھین اجنبی پر جمی تھین -

بڈھا بولا - آپ کو میرے یہان موجود ہونے کی توقع نہ تھی کیون ؟ مجھے کچا چٹھا معلوم ہے -

نووارد نے نفرت کی نگاہ سے بڈھے کو دیکھا - اور اسنے اپنے ہاتھ زلیا کے کندھے پر رکھدیئے -

اجنبی بولا - زلیا میری طرف دیکھو - یہ کہکر اسنے جلدی سے ڈاڑھی علیحدہ کرلی ڈاڑھی ہٹ جانے سے وہ کاڈس جی ہو گیا -

پیار کے لہجہ مین وہ بولا - زلیا، زلیا کیا تم نہین سمجھتین -

انداز حیرت سے اسنے پوچھا - کاڈس جی کیا تم ہی پیسٹن جی ہو -

وہ - ہاں اور تمہیں ذرا شبہہ نہوا - ضعیف وکیل کی نصیحت سے میں پانچ سال سے محنت کر رہا ہوں اور میں نے کافی روپیہ کما لیا ہے - اب میں وہ کاؤس جی نہیں رہا - والد میں رات کو تمہارے پاس اؤں گا - مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں -

جب بڈھا چلا گیا وہ بولا - برائے خدا ولیا لڑکے کو بلد دکھا '

جی پی - بھٹناگر

مسئلہ کینیا

پنڈت کشن پرشاد صاحب کول نے اس کتاب میں مسئلہ کینیا پر تفصیلی بحث کی ہے، اور برطانوی مشرقی (کینیا) پر ایک غائر نظر ڈالی ہے - جغرافی حیثیت سے نقطوں میں اسکا نقشہ کھینچا ہے، اور وہاں کی اصلی باشندوں اور باہر سے آئی ہوئی قوموں کے مشرح حالات لکھے ہیں، اس سلسلے میں انگریزوں کی فرمانروائی کی شان حکومت اور امتیاز قومی کی بھی داستان بیان کی ہے غرض یہ کتاب ان لوگوں کے لیے بہت مفید ہے جو مسئلہ کینیا سے دلچسپی رکھتے ہیں -

کاغذ عمدہ کتابت وطباعت دیدہ زیب حجم ۳۲ صفحہ جناب مصنف (امین آباد لکھنو) سے ملسکتی ہے -

شراب اور افیون کے نقصانات

اس رسالہ میں ڈاکٹر محمد عبدالغفور صاحب بسمل نے، مسٹر سی ایف اینڈریوز کے ان انگریزی مضامین کا ترجمہ پیش کیا ہے جو شراب اور افیون کے نقصانات سے متعلق ہیں، حضرت بسمل گو ایک رنگین مزاج انشا پرداز ہیں مگر اس مختصر رسالہ میں اُس انشا پردازی کی کوئی شان نظر نہیں آتی، تاہم یہ رسالہ بلحاظ نفس مضمون بہت مفید ہے تقطیع چھوٹی حجم ۲۳ صفحہ،

ملنے کا پتہ ڈاکٹر محمد عبدالغفور، آنریری جنرل سکریٹری" دائرہ خدامِ صفا" روہیلکھنڈ

جواہرات عالم

(۷)

شاہی مالا

سرزمین انگلستان پر ایڈورڈ سوم نہایت شجاع اور وجیہہ بادشاہ گذرا ہے - اسکو بیاہی زندگی بیحد پسند تھی اور معرکہ کارزار میں بنفس نفیس داد شجاعت دیا کرتا تھا جب ۱۳۴۷ء مین شہر کیلے سلطنت انگلستان مین شامل ہوگیا تو اسی بادشاہ نے وہان کے باشندون کے ساتھ ملکہ PHILLIPA کے سفارش پر نہایت اچھا برتاؤ کیا اور ۱۳۵۰ء مین اس شہر کو گورنر SIR AMERY OF PAVIA سرآمری پیویا کی نگرانی مین چھوڑ کے انگلستان واپس آگیا، یہ گورنر نمک گورندہ پروردہ فرانسیسون کا معاون تھا اسنے فرانسیسون سے کیلے کی واپسی کے لیے ایک خوفناک سازش کی -

پہلے تو شاہ انگلستان کو امیر کامل اعتماد تھا لیکن جب اسکی بے وفائی کا حال معلوم ہوا تو اسکو بہت غصہ آیا اور اس خفیہ کارروائی کی روک تھام کے لیے خود فوج لیکر گیا اسنے یہ انتظام کرلیا تھا کہ جب افواج فرانس ورس شہر پر قبضہ کرنے آئین اسی دن شہر پناہ کے نیچے معرکہ کارزار گرم ہوا چنانچہ انگریزی فوج کا ایک دستہ ایک مشہور جنرل[1] کی سرداری مین مقابلہ کے واسطے بھیجا گیا اور خود بادشاہ نے بھی بدل لیا اور ایک معمولی سپاہی کی طرح اسمین شامل ہوگیا یہ روانگی خفیہ طور سے ہوئی انگریزی فوج راتون رات سمندر پار کرکے شب کی تاریکی مین ساحل پر اتر پڑی اور کیلے کے قریب جاکر چھپ رہی لیکن اس کارروائی کی خبر فرانسیسی یا سرآمری کو مطلق نہوئی -

صبح کو فرانسیسی فوج خوشی کے باجے بجاتی ہوئی شہر پناہ تک آپہونچی سرآمری شہر کا پھاٹک کھولنے والا ہی تھا کہ دفعتاً انگریزی فوج نے حملہ کردیا زبردست جنگ ہوئی - شہر پناہ سے کیلے کے باشندے محو تماشا اور اس غیر متوقع جنگ پر حیران تھے - باشندون مین زیادہ تر فرانسیسی تھے اور انگریزون کی تعداد برائے نام تھی -

---

SIR WALTER NANNY [1] سروالٹر نینی

فرانسیسی فوج کی کمان SIR EUSTACEDE RILIOMONT کے ہاتھ مین تھی ۔ یہ ایک قوی ہیکل اور خوبصورت سپاہی تھا جو فرانسیسی فوج مین اپنی بہادری کیوجہ سے فرد مانا جاتا تھا ۔ لیکن آج اسے مقابلہ خیال نہ تھا اسیلیے اِن غیبی دشمنون کے اچانک حملہ سے گھبرا گیا جسطرح ایڈورڈ سوم معمولی سپاہی کی حیثیت سے انگریزی فوج مین ایک خاص شخصیت کا آدمی معلوم ہوتا تھا اسیطرح فرانسیسی فوج مین جنرل ریامنٹ

بادشاہ فرانسیسی فوجون کو دباتا ہوا اس جنرل پر حملہ آور ہوا اور دونون کا دست بدست مقابلہ ہوگیا لڑائی مین دونون کے گھوڑے کام آگئے اور دونون پیدل ہوکر شمشیر زنی کرنے لگے جب تلوارین ٹوٹ چکیں تو کشتی کی نوبت پہونچی اور باہم زور آزمائی کرنے لگے ۔ اس کشتی مین شاہ ایڈورڈ کی موتیونکی مالا لباس کے باہر نکل آئی اور ریامنٹ کی گرفت مین آکر ٹوٹ گئی گر مالا بادشاہ کے ہاتھ مین رہگئی صرف اُسکی لچھی فرانسیسی جنرل کے ہاتھ مین آگئی ۔ اب شاہ انگلستان کو بہت غصہ آیا آخر اسنے اپنی قوت بازو سے فرانسیسی جنرل کو چت کرلیا ہزیمت خوردہ جنرل کی جان اب بادشاہ کے ہاتھ مین تھی شاہ نے اسکی ٹوپی اوتار لی ۔ اب رواج کے مطابق قتل کا موقع آگیا تھا ۔ لیکن بادشاہ نے اس سے کہاکہ جو لچھی موتیون کی تیرے پاس ہے وہ مجھکو دیدے تو تیری جان بخشی ہوسکتی ہے جنرل نے لچھی دیدی اور انگریزی سپاہی کے ساتھ ہو گیا فرانسیسی فوج کو کامل شکست ہوئی اور بقیۃ السیف فوج اسیر کرکے قلعے مین لائی گئی ۔

شام تک شہر مین یہ خبر مشہور ہوگئی کہ شاہ انگلستان پہلے سے کمینگاہ مین چھپا تھا رات کو کل قیدی شاہی دسترخوان پر مدعو کئے گئے ان کو شاہی توشہ خانہ سے پوشاک دی گئی اور مہمانون کی سی خاطر کیگئی شاہ شہزادہ ویلس اور دیگر اراکین بھی اسی دسترخوان پر تھے ۔ اسوقت بادشاہ کے جسم پر مخملی لباس زیب تن تھا ۔ اور وہی موتیون کی مالا اسکے بالون مین لپٹی تھی ۔

SIR DE RELOMENT کی نگاہ جب موتیون کے ہار پر پڑی تو یہ راز ظاہر ہوگیا کہ جنگ مین اسکا حریف شاہ انگلستان تھا اس خیال نے اسپر حیرت طاری کردی یہانتک کہ وہ نوالہ نہ اُٹھا سکا اسکے ساتھی سمجھے کہ یہ شاہی رعب و داب سے مرعوب ہوگیا ۔

کھانے کے بعد بادشاہ خود ایک ایک قیدی کے پاس جاکر معمولی سپاہی کیطرح مہربانی اور خوش اخلاقی کے ساتھ گفتگو کرتا رہا جس سے کل فرانسیسی فوج اسکی مطیع اور دلدادہ ہوگئی اب بادشاہ اُس محوِ حیرت جنرل کے پاس آیا اور ہنسکر کہنے لگا ۔

تم بیشک بہادر ہو مجھکو آجتک کوئی ایسا سپاہی اپنے مقابلے کا نہ ملا تھا جو فن سپہگری سے اتنا واقف ہو مجھے تمہارے مقابلے سے بہت مسرت ہوئی تمنے میری پٹی میدان جنگ مین جیت لی تھی اگرچہ بعد کو مینے اسکو تمہاری جان سے بدل لیا مگر مین اب تمہین بطور انعام کے تمہاری بہادری کے صلے مین دیتا ہون تم نازینیان فرانس سے فخریہ بیان کرنا کہ یہ شاہی عطیہ ہے اسی کے ساتھ مین تمکو آزاد کرتا ہون تمہارا جہان جی چاہے چلے جاؤ یہ کہکر شاہ نے بیش بہا موتیون کی مالا اتاری اور اس شکست خوردہ جنرل کے گلے مین ڈالدی"

ریامنٹ بادشاہ کے قدمون پر گر پڑا اور ایک ادائے انکسار کے ساتھ مسرت کے لہجے مین بولا "مین اس عزت کی یادگار مین اس مالا کو ہمیشہ اپنے پاس رکھونگا کیونکہ مجھکو ایسے شجاع فرمانروا سے لڑنے کا فخر نصیب ہوا"

چنانچہ اسنے ہمیشہ اس موتیون کے ہار کو اپنے پاس رکھا اور اپنا خاندانی نشان ایک ڈھال مقرر کیا جسکی نیلی زمین پر موتیون کی مالا بنوائی یہ مالا عرصے تک اس خاندان مین رہی لیکن وثوق سے نہین معلوم کہ پھر وہ موتیون کا ہار کہان گیا۔ ایک روایت ہے کہ جب یہ خاندان فرانس سے نکالدیا گیا تو انگلستان پہنچا لیکن دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ انقلاب فرانس کی نذر ہوگیا۔ یعنی اثنائے جنگ مین ایک دن مالا ٹوٹ گئی اور سارے موتی بکھر گئے خیر کچھ بھی حشر ہوا ہو لیکن اتنا تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان موتیون کو سرآسٹن اور اسکی اولاد نے حتی الامکان اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا جو دشمن سے بہادری کے صلے مین ملے تھے۔

رام سرن نگم

*

تنقید کتب

(وردِ باقی، وِردِ ساقی)

یہ رسالہ نمونہ ہے جناب راجہ گردھاری پرشاد صاحب، راجہ محبوب نواز ونت بہادر باقی مرحوم کے کلام فیض نظام کا جسکا ہر شعر درس آموز حقیقت ہے، واقعہ یہ ہے کہ مرحوم کا کلام دیکھکر روح مین تڑپ اور تڑپ مین ایک جذب پیدا ہو جاتا ہے۔ جو عبد و معبود کے رشتہ ارتباط کا ایک زرین سلسلہ ہے آپ نے رسول مقبول و ائمہ و اولیائے کرام کے متعلق اپنے حسن عقیدت کا عجب خلوص سے اظہار فرمایا ہے تصوف سے آپ کو خاص شغف تھا، صوفیائے کرام کا تذکرہ آپ کے اکثر شعرون مین پایا جاتا ہے، خصوصاً خواجہ میر درد سے آپ کو بہت عقیدت تھی، چنانچہ خواجہ مرحوم کی فارسی رباعیون کا ترجمہ نہایت خوبی کے ساتھ اردو رباعیون مین کیا ہے اور ہر فارسی رباعی کے نیچے ایک اردو رباعی لکھی ہے۔ ترجمہ کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ بعض بعض رباعیون کے ترجمے مین تضمین کا رنگ پیدا ہو گیا ہے

غزلین اس مجموعے مین کم ہین، مگر جو ہین اُنمین تصوف کا رنگ غالب ہے، فرماتے ہین۔

نے کافر کیشم ونے کافر دینیم
آزادۂ عشقم نہ چنانم نہ چنینم

خوانی اگرم عاشق بے کینہ ہمانم
دانی اگرم بندۂ دیرینہ ہمینم

ایک نعتیہ غزل مین فرماتے ہین۔

ترا اوّل بہ احمد آفریدند
ازان پس دین و دنیا آفریدند

پس از ذات خدا اول خدا را
جمالت اے خود آرا آفریدند

مبارکباد فرشتہ را کہ چون تو
شفیع روز فردا آفریدند

خدایت رحمۃ اللعالمین گفت
ہر کس رحم فرما آفریدند

ان شعرون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی مرحوم کے دل مین آنحضرت کی محبت اور

عقیدت کا کتنا گہرا اثر تھا فی الحقیقت مثالیں مرحوم کی صفائے قلب، و روشن نفسی کی دلیل روشن ہے۔

ایک عاشقانہ غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں،

ہم قطرۂ خون مے ناب است دل ما　　ہم اشک جگر سوز کباب است دل ما

ھر داغ درو نقطۂ اسرار الٰہی است　　گر چشم بصیرت است کتاب است دل ما

ہر چند کہ از بود نمایان شدہ دلدا　　از بود تن ما بہ نقاب است دل ما

از خانہ برانداز ئ آن چشم فسونساز　　اے خانہ ات آباد خراب است دل ما

ان اشعار کا غائر مطالعہ بتا سکتا ہے کہ باقی مرحوم کے دل میں کیسا سوز تھا، اور اس سوز میں کیسی چمک تھی، آخری شعر عاشقانہ شاعری کی روح رواں ہے "اے خانہ ات آباد" نے شعر میں جو لطافت پیدا کردی ہے وہ اہلِ دل اور اہلِ نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔

باقی مرحوم کی رباعیاں بھی ایک خاص شان رکھتی ہیں، ملاحظہ ہوں۔

بیرون ز مکان است مکان من و تو　　بے نام و نشان است نشان من و تو

جز کالبد خاک کہ ناکس برسر　　دیگر چہ حجاب است میان من و تو

فرمود تو بیخودی شرابت چہ دہم　　دارئ دل پر سوز کبابت چہ دہم

کردم چو سوال وصل با آن عیار　　گفتا کہ تو من شدی جوابت چہ دہم

پہلی رباعی کی لطافت، معنی آفرینی سے انھیں حضرات کا دل کافی طور پر لذت یاب ہو سکتا ہے جو عبد و معبود کے درمیان اپنی ہستی کو حجاب اکبر سمجھتے ہیں،

دوسری رباعی، عاشق نوازی کا عجیب و غریب مرقع ہے خصوصاً چوتھا مصرع تعریف سے مستغنی ہے۔ ہستی کے مٹا دینے کی اس سے بہتر مثال شاید ہی ملے۔

نعت میں فرماتے ہیں۔

اندیشہ در نعت توحید پوید باقی　　مضمون محامدت چہ گوید باقی

لولاک لما خلقت الافلاک بس است　　زین بیش چہ یار اکہ بگوید باقی

حضرت باقی کے نتائج افکار کی مثال تو آپ ملاحظہ فرما چکے اب خواجہ درد رحمۃ اللہ علیہ کی رباعیوں کے

کی ترجمے ملاحظہ ہون

جَلَّ المنزہ لا یُسمّیٰ باسم اللہ | فی الخلق وحدتہ وان کان سواہ
مرآۃ جمالہ جمیع الاکوان | فی الکون لما رأیتُ الا ایاہ

ترجمہ اس پاک کو حمد نام جس کا ہے خدا | پایا اسے خلق مین وہ ہے اسکے سوا
ہے اسکے جمال کا جہان آئینہ | دنیا مین نہ دیکھا مگر اسکو دیکھا

نظم مین لفظی ترجمہ کرنا مترجم کے کمال کی دلیل ہے،

نے جلوہ بدید یار خواھد گردید | رازش ہمہ آشکار خواھد گردید
ما آئینہ ایم خود پرستاست نگار | ناچار بما دوچار خواھد گردید

(ترجمہ)

اک دن دیدار یار ہو جائے گا | راز اس کا خود آشکار ہو جائیگا
مین آئینہ ہون نگار ہے حسن پرست | ناچار کبھی دوچار ہو جائے گا

پہلے مصرعہ کا مفہوم ادا تو ہو گیا ہے لیکن لفظی ترجمہ نہین اور ایک زبان مین دوسری زبان کا اکثر و تعو پر لفظی ترجمہ ہو بھی نہین سکتا صرف مفہوم ہی ادا کر دینا کافی ہوتا ہے،

بعض رباعیون مین ترجمے کی خامیان بھی نظر آتی ہین -

اندیشہ اگرچہ پیش وپس میگردد | در خویش دے بہر نفس میگردد
نے ہیچ کسے شریک ہستی باشد | ہستی نہ شریک ہیچکس باشد

(ترجمہ)

گردش سے پس وپیش کی ہے یہ ہستی | رونے پہ ہے اس خلق کی خلقت ہستی
ہستی نہ کسیکو اپنے کرتی ہے شریک | ہوتا ہے نہ یان کوئی شریک ہستی

پہلے شعر کے ترجمہ کو اصل سے کوئی مطابقت نہین - دوسرے شعر کے ترجمے کی برجستگی قابل داد ہے -

اس مجموعہ مین باقی مرحوم کی مختصر سوانح عمری بھی شامل ہے، اسکے مرتب مرحوم کے خلف اکبر راجہ نرسنگھ راج بہادر ہین، کاغذ نفیس کتابت وطباعت دیدہ زیب حجم ۱۴۰ صفحہ قیمت نامعلوم

ملنے کا پتہ۔ کتب خانہ نرسنگ راج بہادر بمحلہ حسینی علم، حیدرآباد دکن۔

مکاتیب

اس کتاب مین مولوی محمد امین صاحب زبیری نے نواب محسن الملک مرحوم، اور نواب وقار الملک مرحوم کے خطوط جمع کئے ہین، ان بزرگون کی بابرکات ہستیون سے ہندوستان کے مسلمانونکو جو فیض پہونچا ہے وہ آفتاب کی طرح روشن ہے، اردو ادب کے لحاظ سے بھی ان بزرگون کا خاص درجہ ہے حسن الملک مرحوم کا ایک خط ملاحظہ ہو،

مہدی علی نے نزدیک مشتاق حسین مرگئے اور مشتاق حسین کے نزدیک مہدی علی مرگیا پھر اب صلاح کس سے اور خط وکتابت کسکو جینے مولوی وقیل الدین سے آج تذکرہ کیا، اب کون مانع ہے اور انتظار مین کمبخت مہدی علی کا کیا فائدہ ہے نہ اب شکوہ باقی ہو نہ شکایت،

خطوط کے شروع مین ہر دو مقدس بزرگون کی تصویرین اور عکسی تحریرین شامل ہین۔ناظرین سے اُمید ہے کہ ان تبرکات کی قدر فرمائینگے۔

کاغذ نفیس کتابت وطباعت دیدہ زیب، حجم ۱۲۰ صفحہ قیمت عہ ملنے کا پتہ۔محمد امین صاحب زبیری مددگار دفتر ظل السلطان ریاست بھوپال۔

جوزف میزنی

جوزف میزنی اٹلی کا بہت بڑا ریفارمر تھا جسنے اپنی زندگی ملک اور قوم کیخدمت کیلئے وقف کردی تھی اس نیک ارادے مین اسکو اکثر مصیبتون کا سامنا کرنا پڑا ملکہ ایکمرتبہ قید کی سزا بھی بھگتنی پڑی اِسکی زندگی کے حالات بہی خواہان ملک وقوم کے لیے شمع ہدایت بن سکتے ہین۔ انہین حالات وسوانح کو مولوی مسعود علیصاحب بریلوی نے نہایت قابلیت کیساتھ جمع کردیا ہے۔

یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۶۲ صفحہ پر جامعہ ملیہ علیگڑھ کیطرف سے شائع ہوئی ہے، کاغذ معمولی کتابت وطباعت عمدہ قیمت بہ لحاظ حجم کے زیادہ ہے ملنے کا پتہ مولوی مسعود علی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ماہ نو

ماہ نو مجموعہ ہے ڈاکٹر ٹیگور کے ان نظمون کے تراجم کا جو بچون کے جذبات وخیالات سے متعلق ہین،

ٹیگور نے جس خوبی سے بچون کے خیالات کا آئینہ طیار کیا ہی، اسی خوبی سے جناب افسر میرٹھی نے ان نظمونکو اردو کا لباس پہنایا ہے، شروع مین چند صفحے کا دیباچہ ہے جسمین جناب افسر نے اصل نظمون اور ترجمے کے خصوصیات کا ذکر کیا ہے، اسی سلسلہ مین فرماتے ہین،

ٹیگور ایک زبردست صوفی ہین ذرا گہرے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے، کہ حافظ شیرازی جس میخانے کے ساقی ہین، اسی کے ایک جرعہ نوش ٹیگور بھی ہین ٹیگور کے کلام کا بڑا حصہ معرفت مین ڈوبا ہوا ہے،

ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ ترجمے مین اصل کی لطافت پیدا ہو جائے اس نظر سے جناب افسر کی یہ کوشش قابل ستایش ہے مگر بعض بعض غیر مانوس ہندی لفظ کا، اردو ادب مین بیجا پیوند (جبکہ اس سے بہتر لفظ اردو مین موجود ہو) البتہ بے جو معلوم ہوتا ہے ایک جگہ جیترائی کے متعلق آپ نے خود لکھدیا ہے کہ یہ مصنف کا اصل لفظ ہے، مثال ملاحظہ ہو،

تم جانتے ہو کہ بچے کی آنکھونین کھلاریان کرنے والی نیند کہان سے آتی ہے،

غالباً آپ کا مفہوم یہ ہے کہ بچے کی آنکھونمین کھیلنے والی یا کھیل کرنے والی نیند کھلاریان" جاہے صحیح ہو مگر فصیح نہین پھر فرماتے ہین "مین یکہ و تنہا کھیت کی بٹیا پر ٹہل رہا تھا، بٹیا غلط تو نہین مگر کھیت کی مینڈ یا کھیت کے راستہ پر لکھنا زیادہ فصیح تھا، اور اگر بٹیا سے یہ مراد ہے کہ کھیت کے پاس کا وہ راستہ جو مالک یا رکھوالے کی آمدورفت سے بن جاتا ہی تو دوسرے لفظونمین کہا جا سکتا تھا کیونکہ بٹیا عام طور پر رستے کے معنی مین مستعمل ہے۔

دیکھئے جناب جوش نے کہیت کی بٹیا کا مفہوم اسطرح ادا کیا ہے،

راہین کھیتون کے کنارے پیچ و خم کھاتی ہوئی،

ایک جگہ فرماتے ہین "وہان حسن سحر طراز کا ایک پودا ہے اس پودے مین دو خرسیلی کلیان لگ رہی ہین"

مطلب تو سمجھ مین آجاتا ہے لیکن فصیح اردو مین، لگ رہی ہین بمعنی لگی ہوئی ہین، جائز نہین بہر حال ماہ تو اچھی کتاب ہے، خصوصاً بچون کے لیئے زیادہ مفید ہے۔ قیمت ۲ کتاب کی حیثیت سے زیادہ ہے، تقطیع چھوٹی حجم ۹۵ صفحہ ملنے کا پتہ نیچر انڈین بک ڈپو۔ اندر کوٹ شہر میرٹھ

نازنین مراکش

یہ ایک تاریخی ناول ہے جسکے مصنف جناب نازش بدایونی ہین پلاٹ کے لحاظ سے یہ جسقدر دلکش اور نتیجہ خیز ہے۔ اس سے زیادہ مصنف کے زور قلم نے اسے دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے، واقعات سے ادب اُردو کی وابستگی قابل دید ہے۔

حجم ۱۲۶ صفحہ، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت نہ قابل تعریف نہ قابل شکایت۔ قیمت ۸ر

" ملنے کا پتہ،، صدیق ڈپو، لکھنو،

حجاب زندگی

اس مجموعہ مین جناب عابد بی اے کے سات افسانے شامل ہین جو ہزار داستان کی گذشتہ اشاعتون مین شایع ہوچکے ہین افسانے اچھے ہین، اور زبان بیان بھی دلکش ہے لیکن یہ افسانے مصنف کی سعی کو اتنا بلند نہین کرتے جتنا جناب سالک اپنے مخلصانہ جوش مین بلند کرنا چاہتے ہین سچ یہ ہے کہ عابد صاحب نکتہ سنجی اور سحر طرازی کی انتہائی کوشش کرتے ہین، اور یہ کوشش قابل قدر ہے، کاغذ عمدہ کتابت وطباعت دیدہ زیب، حجم ۱۵۸ صفحے قیمت ۱۲ر حجم کے لحاظ سے زیادہ ہے۔ ملنے کا پتہ : دارالاشاعت ادب لطیف چیمبرلین روڈ لاہور۔

سیرت مصطفےٰ کمال پاشا

اس کتاب مین ترکون کے قائد اعظم غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے حالات نہایت شرح و بسط کے ساتھ جمع کیے گئے ہین، گویا یہ کتاب ایک آئینہ ہے جسمین غازی موصوف کے زندگی کا ہر پہلو صاف صاف نظر آتا ہے، مستند روایات نے کتاب مین تاریخ کا رنگ پیدا کردیا ہے اور آغا رفیق جیسے مشہور انشا پرداز کے زور قلم نے تاریخی واقعات مین اور بھی چار چاند لگادیئے ہین

کاغذ نفیس کتابت وطباعت دیدہ زیب ضخامت ۱۵۲ صفحہ قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ نجات بک ایجنسی بجنور یوپی،

"اعظمی"

نوٹ :۔ ماہ گذشتہ کے رسالہ مین بحر قلزم کے عنوان سے جو مضمون شایع ہوا ہے اس کے مترجم جناب منور لکھنوی ہین، غلطی سے آپ کا نام نہ شایع نہ ہوسکا۔ امید ہے کہ جناب منوّر اس فروگذاشت کو معاف فرمائینگے۔ اڈیٹر

کلام حسرت

(از قید فرنگ)

دلربائی تھی آشتی سے غرض — اب اُنھین کیا بھلا کسی سے غرض

ہمسے رندون کی ہو چکی پوری — ساقیا لطف یک شبی سے غرض

بیٹھے ہین اُنپہ سب نثار کیے — دل سے کچھ کام ہے نہ جی سے غرض

ہمکو اُن سے نہ دل کا ہے دعویٰ — نہ گواہی نہ شاہدی سے غرض

کچھ نہین اور عاجزی کے سوا — ہمکو اظہار عاجزی سے غرض

اُن کی تحریر خام بھی ہے عزیز — کہ نہین ہمکو خوشخطی سے غرض

کچھ نہین جانتے وفا و جفا — جنکو ہے آپ کی خوشی سے غرض

حنفی ہین نہ مالکی نہ ہمین — حنبلی سے نہ شافعی سے غرض

ہم کہ خالص ہین پیرو اسلام — اور رکھتے نہین کسی سے غرض

نسبت حسن یار کا ہے لحاظ — ورنہ کیا ہمکو عاشقی سے غرض

کچھ نہین میرے حالِ زار کا پاس — آپ کو اپنی دلگی سے غرض

جنکی ہے حسن دائمی پہ نظر — کیا اُنھین عشق عارضی سے غرض

ہوکے حیران کار عشق ہمین — دل سے ہو اب نہ بیدلی سے غرض

حال ابتر ہے عاشقون کا تو ہو — زلفِ جانان کو برہمی سے غرض

اب ہے اُس بندۂ تغافل کو — دوستی سے نہ دشمنی سے غرض

بیخودان خدا نہین رکھتے — سروسران آگہی سے غرض

رکھتے ہین عاشقان حسن سخن — لکھنوی سے نہ دہلوی سے غرض

پاس خاطر ہے حُسن خوبان کا
ورنہ حسرت کو شاعری سے غرض

تحریک اتحاد

اے ہندو مسلمانو! کیون مفت لڑ رہے ہو اِک اک سے کیون بگڑ کر خود ہی بگڑ رہے ہو
ذلت ہے اس اکڑ مین، پھر کیون اکڑ رہے ہو کیون اپنی کجروی سے بسکر اُجڑ رہے ہو

حیرت ہے گرچہ یکسر برباد ہو رہے ہو
ناشادیون مین پھر بھی تم شاد ہو رہے ہو

تم کو خبر ہے قومین ہشیار ہو رہی ہین غفلت کی نیند سے پھر بیدار ہو رہی ہین
اب بندشون سے بالکل بیزار ہو رہی ہین ملکر پئے حریت تیار ہو رہی ہین

ہے جائے غم، یہان تو ملکر جدا ہوئے تم
کیا ہونے جا رہے تھے، اور آہ کیا ہوئے تم

جب دفتری حکومت مجبور ہو چلی تھی جب اُس سے اُسکی طاقت کچھ دور ہو چلی تھی
جب شمع کبر و نخوت بے نور ہو چلی تھی جب بوئے سرد مہری کافور ہو چلی تھی

اُسدم تمہارے دم سے وہ رنگِ عام بگڑا
افسوس ہے کہ بنکر اس طرح کام بگڑا

چیتے نہ تم تو حالت ہوگی تبہ زیادہ پہونچے گا ملک بھر کو آخر ضرر زیادہ
دکھلائے گی حکومت اپنا اثر زیادہ ہوگا غرض تشدد پھر سر بسر زیادہ

بڑھ جائے گا تمہارا اندوہِ تلخکامی
ہوگی تمہین بھگتنی اک سخت تر غلامی

وا حسرتا طبیعت اب بھی نہین بدلتی صدیون کی بھی غلامی تم کو نہین ہے کھلتی
غیرون کے سامنے گو کچھ بھی نہین ہے چلتی آپس ہی مین مگر ہے دل کی ہوس نکلتی

غیرت نہین ہے تم کو نام و نمود کھو کر

رکھو گے لاج شاید اپنا وجود کھو کر

کیون وجۂ شور و شر ہے آزادیٔ مذاہب   دنیا مین بیشتر ہے آزادیٔ مذاہب

مہمل عادل پہ ہے آزادیٔ مذاہب   ہے ارتقا، اگر ہے آزادیٔ مذاہب

معیار مذہبی ہے صرف اتفاق ہونا

مذہب کے ہے منافی باہم نفاق ہونا

ہے اقتضائے مذہب ہمرشتگی بہم ہو   اخلاص ہو، وفا ہو، ایثار ہو، کرم ہو،

فطرت کی خامیون کا گر ہو ظہور، کم ہو   انسانیت کو وسعت القصہ دمبدم ہو،

انسان ہی کہان جب انسانیت نہین ہے

مذہب نہین ہے جسمین روحانیت نہین ہے

اپنی خوشی سے کوئی ہندو ہو یا مسلمان   تمکو نہین مناسب اظہارِ رنج و حرمان

جو مطمح نظر ہے آنکھون سے ہو نہ پنہان   آزادیٔ وطن پر ہر طرح ملکے دو جان

یہ خوب یاد رکھو جب اتحاد ہوگا

متمر جبھی بلاشک نخل مُراد ہوگا

کوئی کرے جو خود ہی کچھ انضباط، کیا غم،   ہو سختیون کے ڈر سے گر، احتیاط کیا غم

پیدا جو ہو ذرا بھی ہان اختلاط کیا غم،   یونہی ملے کسیکو گر انبساط کیا غم

حق ہر فریق کا ہے، اصلاح اپنی کرنا

ہان میل کے لیے ہے، مشروط خود سدھرنا

عام اتحاد کے تو، پھر ہین وجوہ کتنے   ہم ملکی کے روابط، ہم قسمتی کے رشتے

لیکن شعار ایسا ہے بہترین سب سے   انسان کو سمجھے انسان، انسان صرف پہلے

یون سب مین میل ہوگا یون سب مین پیار ہوگا

یون ہند مضطرب کے دلکو قرار ہوگا

بس اب تمھین ہے لازم شر کو تمام کرنا   اپنے سرون سے خارج سودائے خام کرنا

احساس فرض کرکے یکلخت کام کرنا آزادیٔ وطن کا جلد انتظام کرنا
ہان نام ہو جہان مین یونہی بسکہ کام ایسا
دے داد جسکی دنیا ہو انتظام ایسا

کچھ جور ہو نہ ہرگز، کچھ جبر ہو نہ اصلا افعال مین عیان ہو انسانیت کا جلوا
ہر ایک جا پہ منظر ہو امن عامہ کا آئین ہو تمہارا "سچائی اور اہنسا"
ہے طرز آشتی سے تمکو سوراج لینا
اک درس پاک یعنی کل دہر کو ہے دینا

سحر ہتگامی

کلام ناطق

(از حضرت ابو العلا ناطق لکھنوی)

جفا کا شکوہ اے اہل وفا کیا نہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
وہ جس بیمار کی پرسش کو آئین طبیعت کا پھر اُسکی پوچھنا کیا
کمال عشق مین کیا ذکر اغیار جنون مین آشنا نا آشنا کیا
پلٹ کر حسن کے شعلہ سے جل جا وہ اک بجلی ہے اُسکا دیکھنا کیا
ستم جب ہر کس و ناکس پہ ہوگا تو پھر ہم بیکسون کا آسرا کیا
اندھیرا چھا گیا آنکھون مین سب کی تجلی کا یہی تھا مقتضے کیا
فغان سے چھیڑ اگر رکھتا ہی دل تو لئے پھرتا ہے ساز بے صدا کیا
عجب مجذوب ہے بیدل بھی ناطق
نہ جانے سونچتا رہتا ہے کیا کیا

کٹمبا کا پھول

یہ طرز دلربا تیرا یہ شان حسن برنائی
یہ انداز دل آویزی یہ جوشش جلوہ آرائی

تیری رنگین قبا ہے زینت پیراہن خوبی
جمال دلنشین تیرا ہے نقش ناز رعنائی

بسنتی رنگ تیرا مایۂ ناز لطافت ہے
تری ہر پنکھڑی سے تازگی جاتی ہو ترمائی

ستم ہے یہ تری خوبی غضب ہے یہ تیری رنگینی
قیامت ہین ترے انداز و سامان خود آرائی

تری رگ رگ سے کیف حسن چھن چھن کر ٹپکتا ہے
تری نس نس مین پنہان ہین ہزارون رنگ رعنائی

یہ زیرا ہے کہ کرنین پھوٹ نکلین مہر خوبی کی
یہ رنگ زرد ہے یا روشنی شمع زیبائی

یہ سرخی ہے جگر مین یا چراغ حسن کا گل ہے
انوکھے طرز کا ہے یا یہ خال روئے رعنائی

تری خوبی کے صدقے صد بہار دولت دنیا
تری رنگین قبا ہے رو کش ملبوس دیبائی

جھلکتے ہے جلوۂ حسن تماشا سوز کی تجھ مین
ترے پردے مین کوئی اور ہی دنیا ہو دکھلائی

ترا کھلنا کلید باب صد سامان عشرت ہو
ترے کھلنے سے پیغام بسنت آیا بہار آئی

پسند آیا ہے کیون رنگ خزانی تجھکو عالم مین
ترے رخسار پر یہ سر بسر زردی ہو کیون چھائی

رگین ہین تیری یا رگ ہائے جسم خستہ حالان ہین
یہ زردی رخ پہ ہے یا موج رنگ روئے شیدائی

یہ کس کا غم جگر مین داغ بنکر تیرے چمکا ہے
بتادے کچھ ہمین او صانع خلقت کے متوالی

شیام موہن لعل جگر (بریلوی)

ایک وجدانی نغمہ

ہر ندما درخت اک چمن مین تھا لگا ہوا
چمن یہ اپنے لطف مین تھا خلد سان بنا ہوا
عجیب لطف سے تھا وان ہر ایک گل کھلا ہوا
ترانہ سنج اسمین ایک مرغ خوشنوا ہوا

تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی

وہ مرغ خوشنوا تھا یا کوئی پری تھی اندر کی
تھی اسکی نغمہ سنجیون مین اک طرفہ دلکشی
ہوئی وہ دلکو تازگی کلی ہر ایک کھل گئی
صدا یہ سنکے صوفیون کی چشم معرفت کھلی

تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی

یہ مرغ خوشنوا نہ تھا اتھا کوئی عارف ولی
عطا کیا خدا نے تھا جسے کمال حق پرستی
پڑی جو مرے کان مین ملا سرور باطنی
صدائے خوشگوار یہ کچھ اتنی لطف خیز تھی

تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی

طلسم ریز اسکے قلب مین خدا کی ذات تھی
کہ روح اس پرند کی بہار کائنات تھی
مین اسپہ دل سے تھا فدا نہان وہ اسمین بات تھی
رسیلا ایسا راگ تھا شکر بھی جس سے مات تھی

تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی

ہے عارت اسکو ماننے مین کیا کسیکو پیش و پس
مٹا چکی ہے ذہن سے یہ اپنے جسم کا قفس
نظر مین اسکی ایک ہی ہے اب وقار یغار و جنس
زبان کو اسکی رٹ یہی لگی ہوئی ہے ہر نفس

تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی

ضرور رہ چکا ہے یہ فضائے کوہ طور مین
سما چکا ہے اسکا دل خدا کے پاک نور مین
ہے یہ ایک مرغ حق پرست حلقۂ طیور مین
کہ نغمہ سنج دیکھئے ہے عالم سرور مین

تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی

خدا کے ذکر و فکر سے ہین دور حضرت بشر نہین ہے اسکی یاد سے پرند بیخبر مگر
منور اپنی سمت بھی تو دیکھہ آنکھہ کھولکر گذر گے اب خودی سے تو یہ ذکر لا زبان پر
تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی

بشیشر پرشاد منور لکھنوی

کتاب

اے علم کے خزانے املے ظرفِ واقفیت قومون نے تجھ سے سیکھی تہذیب اور حکمت
آنکھون کی ہے بصیرت، سرمایۂ تخیلات یہ تیری ہی بدولت روپوش ہے جہالت
رٹ رٹ کے تجھکو ہمنے کھوئی ہے اپنی وحشت پڑھ پڑھ کے تجھکو ہم مین آئی ہی قابلیت
دلچسپی کا ذریعہ دلبستگی کی صورت تیرے سبب سے حاصل، خلوت مین بھی ہی جلوت
گھٹ جائے خرچ کرکے تجھین نہین وہ دولت
جز منفعت نہین ہے تجھسے ذرا مضرت

محمد اسمعیل ہاتف دہلی

جذبات مجنون

بہ تیرے دل ناتوان میفروشم فروشم ولے بس گران میفروشم
بیا ساقی ساغرستانِ الفت بہ یک جرعہ کون و مکان میفروشم
من آن راہ گم کردہ ام در بیابان بہ گم کردگی کاروان میفروشم
خدا آمد از حضرتِ قدس مجنون بہ ذوقِ جنونت جہان میفروشم

[illegible]

جذبات اثر

(مرزا جعفر علیخانصاحب اثر)

دلمین وہ درد نہین لذت آزار نہین — تجھ مین پہلی سی خلش کیون نگہ یار نہین

آبلہ زار تپش ہے یہ دل زار نہین — اے جنون کیا ترے صحرا مین کوئی خار نہین

خنجر و قاتل و مقتول نہ جب تک تڑپین — کھیل لڑکون کا ہے وہ عشق کی پیکار نہین

ایک نقطہ مین ہی نہین حیرتی بزم جمال — کون مشتاق ہے جو نقش بدیوار نہین

ہان طرحدار ہے تو بھی مگر اے شاہد گل — وہ جنون خیز ترے لب نہین رخسار نہین

گھولدے جام مین ان مدبھری آنکھونکا سرور — میرے ساقی ابھی میکش ترا سرشار نہین

نہ بلا سامنے اپنے کہ حیا آتی ہے — وہ خطادار ہون رحمت کا سزاوار نہین

ہاتھ اٹھتا ہی رہا سوئے گریبان اپنا — ہوش کب تھا کہ گریبان مین کوئی تار نہین

آرزوؤن کا نکلنا ہے فنا ہوجانا — مدعا دل کا بجز حسرت دیدار نہین

تنگ ہستی ہے وہ دل جو نہین پارہ پارہ — کوڑھ کا داغ ہے وہ آنکھ جو خونبار نہین

خون دل مین رہے آلودہ ہر اک تار نفس — رشتہ عشق ہے یہ سبحہ و زنار نہین

اٹھکا تو ہوتا ہے جسکا نہو دنیا مین کوئی — تجھ سا اے دوست مصیبت مین مددگار نہین

ساز لب‌شکستہ دل سے نہ صدا نکلے گی — چھیڑتا کیا ہے کہ ثابت کوئی اب تار نہین

خود بخود رخ پہ بکھرنے لگین زلفین انکی — آج بیمار کے جینے کے کچھ آثار نہین

ہم سے اک رند خرابات یہ کہتا تھا اثر — بزم ہستی مین جو ہشیار ہے ہشیار نہین

فریاد ناشاد

از پروفیسر رام پرشاد۔ ایم اے۔ (آکسن) آئی۔ ای۔ ایس

ہمارے گلشن کا کچھ نہ پوچھو نہ گل ہے اسمین نہ خار باقی
نہ اسمین کیفیت خزان ہے نہ لطف فصل بہار باقی

یہ چند دن کی ہے بات ورنہ جہان سے ہم مٹین گے ایسا
نشانِ تربت تو کیا رہے گا نہ اپنا مشتِ غبار باقی

عدم سے آکر یہان شب و روز کوئے ہستی کی خاک چھانی
ہماری آوارہ گردیون سے رہا نہ صحرا مین خار باقی

ٹھٹک گیا ہو کسی کا دامن تو دست تدبیر چارہ گر ہو
کرے رفو تو کہان کہان پر نہین گریبان مین تار باقی

ہے ضبط نے دل کا ساتھ چھوڑا ہوئے ہین صبر و قرار رخصت
نہ عقل باقی نہ ہوش باقی فقط ہے اک انتظار باقی

نہ لطفِ بزم سخن یہان ہے نہ رونقِ انجمن یہان ہے
پرانے احباب چلدیئے سب کہین یہ ہونگے دو چار باقی

مین ہون گرفتار دام ہستی مثال مرغ ستم کشیدہ
نہ کوئی ہمدرد دل یہان ہے نہ کوئی ہے غمگسار باقی

اجڑ گیا میکدہ ہمارا چرائی ساقی نے ہم سے آنکھین
نہ مے ہی ساغر مین ہے ہمارے نشے کا سر مین خمار باقی

ہزارون جیتے ہزارون ہارے عجیب دنیا کی کشمکش ہے
جو دیکھا ناشاد وقت آخر نہ جیت باقی نہ ہار باقی
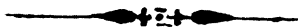
بزم سخن

انتخاب مشاعرہ پنڈت پرتھی ناتھ، سکول کانپور منعقدہ ۱۹۵ مارچ ۱۹۲۴ء[سلہ ۵]

جناب اشفاق صاحب

زمانے سے اُٹھے وفا کرنیوالے پشیمان ہین دل مین جفا کرنیوالے
کرو در گذر بخشدو جرم الفت کہ اب منفعل ہین خطا کرنیوالے

جناب بھگوان سنگھ صاحب

مرے قتل کے بعد آئے لحد پر پشیمان ہین اب خود جفا کرنیوالے

جناب کاشی پرشاد صاحب

ہے اجازت یہ مرے پیر مغان کی ساقی حوض کوثر پہ رہون رحمتِ غفار کیساتھ
ہوچکا درد محبت کا تغافل سے علاج تم یہ کیا کرتے ہو میرے دل بیمار کیساتھ
مین نہونگا جو 'نہین' لب پہ تمہارے ہوگی روح قالب سے نکل جائیگی انکار کیساتھ

جناب فرحت کانپوری

دیکھکر عہد وفا ساغر سرشار کے ساتھ ابر بھی جھوم پڑا فرحت میخوار کے ساتھ
کیا خبر آگ نشیمن مین لگائی کس نے برق چمکی تھی مری آہ شرربار کے ساتھ
ہمصفیران چمن ذکر نشیمن نہ کرو مانتا ہون کہ ہمین عشق تھا گلزار کے ساتھ
اک فقط حسرت پرواز قفس تک آئی ورنہ تھے باغ مین سب مرغ گرفتار کیساتھ
دشتِ غربت مین کہان ہائے وہ اجڑا ہوا گھر رو تو لیتے تھے لپٹ کر در و دیوار کے ساتھ

جناب برمی صاحب

شیشۂ دل میرا ظالم کرنہ اتنو چور چور دیکھ پھر پچھتائیگا اسمین تری تصویر ہے
ابتلا جسکی ہوئی ہے انتہا اسکو ضرور زندگی اک خواب ہے موت اک تعبیر ہے

سلہ ۵ اس انتخاب کا ابتدائی حصہ زمانہ اپریل ۱۹۲۴ء مین شائع ہو چکا ہے۔

جناب دیا کشن صاحب رینہ شاد

تیری اس وارفتگی دشمن کا عالم نہ پوچھ
آہ میرا ہر نفس میرے لیے زنجیر ہے

جناب سید محمد عبد الرؤف صاحب گداز

دم کے بدلے میرے سینے میں دم شمشیر ہے
زندگی گویا کتاب موت کی تفسیر ہے

جناب ممتاز حسین صاحب بریلوی

وہ نہیں آتا کبھی رہتی ہے یہ پیش نظر
یار سے بہتر تو اے دل یار کی تصویر ہے

جناب لالتا پرشاد صاحب رینہ

کاش قید زیست سے آزاد ہو جاؤں میں اب
ہاں رہائی کیلئے اک موت ہی تدبیر ہے

جناب محمد التفات حسین صاحب

دلکو سمجھانے وہ چلا آتا ہے یہ کہتا ہوا
تیری آہ بے اثر میں بھی عجب تاثیر ہے

مجذوب کی بڑ

ہارنے والے کبھی کا فر و دیندار نہیں
کشتیاں لڑتے ہیں اب ہاتھ میں تلوار نہیں

فاقہ مستی میں یہ ہو حق کہ الٰہی توبہ
نشہ ایسا کہ اوترنے کے کچھ آثار نہیں

سب اسیران ہوس گاتے ہیں صیاد کا گن
کون اس بھول بھلیاں میں گرفتار نہیں

اپنا گھر اپنی زمیں اپنا فلک بیگانہ
آشنا کوئی بجز سایۂ دیوار نہیں

کشتیٔ دل ہے کہ بازیچۂ طوفان ہوس
دور تک ساحل امید کے آثار نہیں

لائیگی غفلت امروز قیامت کی خبر
بخت بیدار کجا فتنہ بھی بیدار نہیں

وقت کی بات ہے وقت آئے تو آسان ہے
سہل تو سہل ہے دشوار بھی دشوار نہیں

بد دعا کرتا ہوں نا حق کبھی کرتا ہوں دعا
یاس کیا کیجیئے جب ہاتھ میں تلوار نہیں

ابو المعانی مرزا یاس لکھنوی

علمی خبرین اور نوٹ

اُردو کی ادبی دنیا مین یہ خبر نہایت مسرت سے سُنی جائیگی کہ اکبر مرحوم کا جو تہا مجموعہ کلام عنقریب شائع ہونیوالا ہے، سنا ہے کہ یہ مجموعہ نہایت دلچسپ ہے۔ اسکی ترتیب و تنظیم ہوچکی ہے۔ خدا کرے سید عشرت حسین صاحب جلد سے جلد شائع فرمائین۔

پیشگاہ خسروی دکن سے مولوی عبدالہادی صاحب بھوپالی مولف حاشیہ تفسیر مدارک کے نام غرہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۲ہجری سے پچاس روپیہ ماہانہ تنخواہ کا حکم صادر ہوا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ حاشیہ مذکور کے جتنے حصے طبع ہوتے جائین اسکے پچیس پچیس نسخے سرکار مین بلا قیمت داخل کئے جائین۔ اعلیٰحضرت نظام کی ادبی سرپرستی سے اُردو کی آیندہ ترقی کی بہت بڑی امید ہے۔

بابو کرشن گوپال ورما بی اے نے اشتہار دیا ہے کہ بزم 'بندرابن' مصنفہ نواری لعل شعلہ مع ان کے دیگر تصانیف کے پہلے سے بہتر عمدگی کے ساتھ چھپ رہی ہے اور قیمت باوجود ان خوبیون اور ایزاد سوانح عمری حضرت شعلہ مرحوم کے صرف مبلغ عہ روپیہ ہے۔

یورپ مین اشتہار بازی مین لاکھون روپیے صرف کئے جاتے ہین اور نئے نئے طریقون سے اشتہارات دیئے جاتے ہین۔ اب فرانس مین بجلی کے ذریعہ سے اشتہار دینے کا ایک عجیب و غریب طریقہ ایجاد کیا گیا ہے اس ایجاد سے اشتہار کا مضمون بادلون پہ نمایان کیا جاسکے گا۔ اور کئی کئی میل کے آدمی بخوبی پڑھ سکینگے۔

منشی نوبت راے نظر مرحوم کی وفات سے اُردو کی بزم سخن سونی ہوگئی ہے۔ آپ اپنے کلام کا ایک قابل قدر مجموعہ اپنی یادگار کا چھوڑ گئے ہین شکر ہے کہ یہ مجموعہ راے منموہن دیال صاحب ڈپٹی کلکٹر کے حسن کوشش سے زیر طبع ہے اور انشاء اللہ جلد شائع ہو جائیگا۔ کلام پر منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر زمانہ سے ایک مفصل تبصرہ لکھنے کی درخواست کی گئی ہے۔

ہمارے دوست منشی پریم چند صاحب نے سانحہ کربلا کے متعلق ایک نہایت دلچسپ و دلگداز ڈراما ہندی مین لکھا ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد یہ ڈراما اردو زبان مین بذریعہ رسالہ زمانہ شائع کیا جائیگا۔

نظامی پریس بدایون نے اسطرف اردو کی کئی قابل قدر کتابین شائع کی ہین۔ حال مین اس مطبع سے سر سید احمد خانصاحب کے بیش بہا خطوط کا مجموعہ مرتبہ سید راس مسعود صاحب بی۔ اے ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ دکن شائع ہوا ہے۔ اسکا حجم تین سو صفحہ ہے۔ اور اسمین بہت سے معاشرتی۔ مذہبی اور تعلیمی مسائل پر سر سید مرحوم کی رائین درج ہین۔ اس کتاب مین سر سید کا فوٹو اور ان کے خط کا عکس بھی شامل ہے۔ قیمت ہے۔

اس مہینے کے رسالے مین دو تصاویر ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہین۔ گریشم رت اور راگنی بھیرون۔ زمانہ قدیم کے ہندؤن نے موسیقی کو علمی حیثیت سے درجہ کمال تک پہونچالیا تھا۔ اور تمام راگ راگنیون کی خیالی صورتین قایم کرلی تھین۔ بھیرون راگنی کا جو دلا ویز تصوّر راگ و رنگ کے نامور اُستادون نے باندھا ہے اسکی ہلکی سی جھلک اس تصویر مین نمایان ہے جو اس نمبر کے ساتھ نذر ناظرین ہے۔

ہندؤن نے سال مین چھ رتین قایم کی ہین۔ گریشم رت بسنت رت کے بعد اور برکھا رت کے پہلے ہوتی ہے گویا گرمی کا موسم ہی گریشم رت ہے جب دن کو گرم و تیز ہوا چلتی ہے رات کو شبنم نہین گرتی آسمان اکثر غبار آلود رہتا ہے۔ ندی نالون کا پانی خشک ہو جاتا ہے اور جنگلی پودے اور گھانسین خشک ہو جاتی ہین تیون پر خاک جمع ہو جاتی ہے اور پیاس کی شدت ہوتی ہے رات کو کھلے میدانون مین سونا اسی زمانہ مین نصیب ہوتا ہے اور پہاڑون اور باغون مین سیر کا لطف اسی موسم مین آتا ہے۔

زمانہ

جلد ۴۲ جون سنہ ۱۹۲۴ء نمبر ۶

تعمیری نظام

تحریک ترک موالات نے ہندوستان مین سیاسی ترقی کی رفتار بہت تیز کردی ہے، وہ باتین جو ناممکن معلوم ہوا کرتی تھین دیکھتے دیکھتے ممکن ہو گئی ہین عظیم الشان قربانیون نے ہمارے غصب کردہ حقوق واپس دلانے مین اپنا معجزہ دکھایا ہے۔ ہندوستان اور ہندوستانی اب وہ ذلیل الفاظ نہین رہے جو آج سے چند سال پہلے تھے۔ گو ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے تاہم بزرگان ملک متفق ہین کہ انکا بہترین ذریعہ ترک موالات یا اُس سے ملتے جلتے اُصول کار ہین۔

یہ تو ہوئی سیاسیات کی ترقی لیکن اگر ہم دیکھین کہ سیاسیات کو چھوڑ کر تمدن حال کے باقی شعبون پر اس خاص تحریک کا کیا اثر ہوا۔ یا اس ضمن مین اسکے جان نثارون نے کیا کارنامے کئے تو ہماری امیدین درمیان مین ہی منقطع ہو جاتی ہین۔ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تعمیری نظام کی طرف بہت ہی کم توجہ کی گئی ہے۔ اس سے میرا یہ مدعا نہین ہے کہ قوم پرستون کے اس قابل احترام گروہ نے اس ضرورت کو محسوس ہی نہین کیا۔ یا محسوس کرتے ہوئے ارادتاً اسطرف توجہ کی۔ یا اور باتون کو زیادہ ضروری سمجھا نہین ان مہاتماؤن نے اسکی اہمیت کو خوب جانچ لیا تھا۔ کوشش بھی کی کہ تخریب کے ساتھ ہی تعمیر بھی جاری رہے اور قومی ترقی کے عالیشان قصر کی ردی اینٹین اور خراب لکڑی نکالکر ان کی جگہ اچھے اور مضبوط اجزا لگائے جائین رونا تو صرف یہ ہے کہ انکا ہاتھ بٹانے والے کوئی سامنے نہ آئے۔ ہر انقلابی تحریک مین یہ ہوا کرتا ہے کہ عوام الناس کے محسوسات پر اثر ڈالا جاتا ہے چونکہ تخریب قدرتاً آسان ہے اس لیے حسیات عامہ کا اسطرف رجحان

طبعاً زیادہ ہو جاتا ہے، اسمین اکابران قوم کا کیا قصور - ہان اگر اسکے ساتھ ہی ایک گروہ ایسا نکل آئے
جو ہمیشہ تعمیر کا کام جاری رکھے۔ تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے پر تمام سامان اقامت
درست ہوتا ہے اور ملک کے انتظام و ترقی مین کوئی دقت پیش نہین آتی - بدقسمتی سے ہندوستان
کی ترقی کی جد و جہد مین بوجہ بالا - یہ بات بہت حد تک نظر انداز کی گئی ہے - جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ گو حقوق کے
حصول مین تو ہم ماشاءاللہ خاصی ترقی کر گئے ہین تاہم ابھی تک بہت سے ایسے اسباق سیکھنے ہین جن سے
ہم آیندہ مہذب اقوام دنیا مین کوئی امتیاز حاصل کر سکین گے

آپ ایک منٹ کے واسطے تصور کر لین کہ ہمنے اپنی انتہائی خواہشات حاصل کر لین اور وہ مطالبہ
پورا ہو گیا جسکا تقاضا شد و مد کے ساتھ ہر ہندوستانی کر رہا ہے - کینیا کا مسئلہ بھی ہمارے حسب خواہش
طے ہو گیا ہے - مسلمانون کے ٹھیس لگے ہوئے دل کو بھی سکون ملا - مظالم پنجاب کی بھی تلافی ہو گئی
وہ گورنمنٹ بھی ظہور مین آگئی جو بجائے انگریزی پارلیمنٹ کے ہندوستانی مجالس قومی کے جواب دہ ہوگی
مگر کیا یہ سب باتین حاصل کرنے کے ساتھ ہی ہندوستان اس قابل ہو جائے گا کہ وہ اپنے
پیرون پر کھڑا ہو سکے مین انگریزی تعلق قایم رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق اسوقت بحث نہین کرتا - میرے
مقصد کا حصول ان چھوٹی چھوٹی بندشون سے آزادی ہے میرا سوال صرف یہ ہے کہ کیا سوراج حاصل ہوتے ہی ہم اس
قابل ہو جائینگے کہ مہذب اور ترقی یافتہ اقوام عالم کی صف مین ممتاز جگہہ حاصل کر لین - قبل اسکے کہ آپ
جلدی مین اسکا جواب دے جائین ذرا مفصلہ ذیل سوالات کی اہمیت پر بھی غور کر لین -

(۱) کیا آپنے اس بات کی پوری کوشش کر لی ہے کہ وسائل ملکی کی ترقی کی رفتار مستقل رہے -
(۲) کیا آپ نے تجارت خارجہ کے اصول کو سمجھ کر وہ رکاوٹین ہٹا دی ہین جو اسمین حائل ہین -
یا آیندہ ہونے والی ہین -
(۳) کیا آپنے اس طرف پوری توجہ کی ہے کہ حفاظت ملکی اور تحفظ سلطنت کے وہ تمام ذرایع
جو ہر ایک قوم کو اچھی طرح سیکھنے لازمی ہوتے ہین آپ بھی کما حقہٗ سیکھ لین -
(۴) کیا آپ نے تعلیم عام کا مسئلہ حل کر لیا ہے -
(۵) کیا آپ نے ملک کے کثیر التعداد حصہ آبادی یعنی زراعت پیشہ لوگون کے وسائل آمدنی کی
ترقی پر پورا وقت صرف کیا ہے -

(۶) کیا آپ نے فرد و درون کے حالات پر کافی غور کیا ہے۔

(۷) کیا آپ نے مختلف مذاہب کی روحانیت برقرار رکھنے کے وسائل سوچ لیے ہین۔

یہ چند باتین منجملہ اوروں کے قابل غور ہین۔ مین مانتا ہون کہ سیاسیات کی دوڑ دھوپ کے شور و شغب مین بھی بعض دو رہین حضرات ایسے ہین جو مذکورہ بالا باتون مین گہری دلچسپی لے رہے ہین۔ یہان تک کہ انھون نے کسی ایک خاص مد کو اپنا نصب العین زندگی قرار دے رکھا ہے اور اپنے اپنے رنگ مین وہ تھوڑا بہت کام تعمیری نظام کا کر رہے ہین۔

لیکن تیس کروڑ سے متجاوز انسانون کے مسکن ہندوستان کے واسطے محض اتنی تگ و دو کافی نہین۔ ضرورت ہے تعلیم عمل کی اور اسباب کی تکمیل کے واسطے ضروری ہے کہ موالاتی۔ غیر موالاتی سوراجی۔ لبرل۔ ڈارتی کی بحث اسی حد تک قایم رہے جہانتک وہ اصول پرستی پر مبنی ہو۔ تعمیری نظام مین حصہ لیے ہوئے ہر پولیٹیکل گروہ ایک دوسرے کے دوش بدوش چلے۔ جہان کتر بیونت کی ضرورت ہو کہ بعض پرانی ٹہنیان کاٹ دینے سے درخت مین مضبوط اور مفید شاخین نکل آوین گی۔ ایسا کرتے ہوئے آپس مین لڑنے جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم کسی سیاسی خیال کے ہون۔ آخر ہندوستانی ہین۔ تو پھر یہ فروعات پر تو تو مین مین کیسی۔ کاش کہ ہم اب بھی اس نکتہ کو سمجھ لین۔ اگر ایک موالاتی آج سائنس کا ایک کالج کھولنے کا ارادہ ظاہر کرے تو تارک موالات کو کیا ضرورت کہ وہ اُسکی گردن مارنے پر تیار ہو جاوے ہر وہ تحریک جو کسی صورت مین ملک کے واسطے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ اسوقت تک بالجبر نہ روکی جاوے جبتک کہ اُسکی موجودگی سے فائدہ پہنچنا بند نہ ہو جائے۔ اصلاح کی بسا اوقات ضرورت ہوتی ہے مگر اصلاح کا نام باہمی جنگ و جدال نہ ہونا چاہئے۔ اگر ہم اس آشتی کے اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کر لین تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ سیاسی ترقی کے ساتھ ساتھ ہی تمدنی ترقی بھی ہوتی جاوے گی۔

ہندوستان کی تہذیب پرانی اور قابل فخر ہے نہ صرف ہم بلکہ غیر بھی ہماری کھوئی ہوئی عظمت کے معترف ہین۔ یاد رفتگان ہمکو عزیز ہے، تو غیرون کے واسطے بھی کچھ کم قابل احترام نہین۔ لیکن محض پرانی عظمت کا تذکرہ ہی ہمکو اس قابل نہ بنا دے گا۔ کہ ہم اپنی ہستی باعزت طور پر برقرار رکھ سکین۔

زمانہ بدل گیا۔ اور بدل رہا ہے دنیاوی عزت کا معیار اور تمدنی ترقی کا راستہ بدل گیا تو پھر ہمیں بھی لازم ہے۔ کہ "چلین ہم اُدھر رُخ جدھر ہو ہوا کا" موجودہ تہذیب کو ناقص بتلا کر پھر اُسی پر عمل پیرا

ہونا کہانتک درست ہو سکتا ہے۔ ادھر تو ہم بالکل مغربی رنگ مین سیاسی جد و جہد جاری رکھین اور ادہر کہین کہ ہمارے واسطے موجودہ طریقہ تعلیم طرز حکومت، طرز معاشرت طرز تمدن سم قاتل ہین، خود ہی انصاف فرمایئے کہ یہ کہان تک درست ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مین پہلے عرض کر چکا ہون۔ اصلاح کی کی ضرورت اکثر اوقات محسوس ہوتی ہے۔ بیشک ہر اُس چیز مین جو مغربی ہے۔ اپنے خیالات اور حالات کے مطابق اصلاح کرین جو مضر ہے اُس سے بالکل احتراز کرین لیکن چونکہ انھین باتون سے ہمین واسطہ پڑتا ہے اسلئے ہم اندھا دھند انجام سے بیخبر ہو کر ایک قدم بھی شاہراہ ترقی پر نہ اُٹھائین۔

تعمیری نظام کی اسوقت ہندوستان کو سخت ضرورت ہے مین نے مختصر چند اصناف عرض کی ہین جنپر ہمکو فوری توجہ کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر مین پہلی شق کو لیتا ہون اس مین ہمکو کئی باتین ایسی ملتی جنکی طرف ہمنے ابھی تک خیال نہین کیا۔ ہر مہذب ملک آجکل اپنی طاقت پر نازان ہے۔ گذشتہ جنگ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہی قوم دنیا مین اپنا لوہا منوا سکتی ہے جو زمانہ جنگ و زمانہ صلح مین اپنی پوری طاقت کا اظہار کر سکے سائنس ایک ایسی چیز ہے جسکو سیکھکر اقوام عالم سرفراز ہو رہی ہین۔

ہندوستان ابھی تک اس سے غافل ہے۔ اسوقت ایک صنعتی اور سائنٹفک کالج کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے لیڈر اول تو خود اس کام کو کرین۔ اور اگر ہم مین اتنی استطاعت نہین تو گورنمنٹ کو مجبور کرین لیکن اس دوسری صورت مین مجھے تو کوئی حوصلہ افزا کامیابی نظر نہین آتی۔ ہماری کمی تو اُسیوقت پوری ہوگی جب ہم خود بلا امداد غیر اس قابل بن جاوین کہ وسائل ملکی کی ترقی کے راز کو سمجھ لین اسیطرح باقی باتین ہین۔ اور ایسی کئی اور جن کی نسبت مفصل کسی آیندہ وقت عرض کرون گا۔ اسوقت تو میرا مدعا یہی ہے کہ ہم زیادہ توجہ تعمیری نظام کیطرف کرین فرقہ بندی کا شکار ہونے سے بچین۔ اور اپنی اپنی جگہہ ہر ہندوستانی افرادی طور پر یا مجموعی حیثیت سے یہ کوشش کرے کہ وہ معراج کی منزل مقصود تک پہونچنے پر ملک کو اس قابل بنا دے کہ ہم غیرون کے محتاج نہ رہین۔ مشورہ یا امداد اور بات ہے۔

چودہری نذیر احمد خان بی، ایس، سی۔ ایل ایل بی

طالسطائی

طالسطائی سرزمین روس پر ایک زبردست شخصیت کا انسان گذرا ہے۔ اسکی تعلیم نہ صرف روس مین انقلاب عظیم کا باعث ہوئی بلکہ ساری دنیا کیلئے مشعل ہدایت ثابت ہوئی۔ اسکے مقلد و مرید تقریباً دنیا کے تمام شایستہ اور مہذب ممالک مین موجود ہین۔ اسکے اصول کی پابندی اور اقوال کی تائید و تبلیغ کے لیے یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے شہرون مین متعدد انجمنین اور سوسائٹیان قائم ہین مہاتما گاندھی اور ان کے ہمصفیرون نے جنوبی افریقہ مین اس متبرک ہستی کے مقدس نام سے طالسٹائی فارم قائم کیا تھا جہان اس فرشتہ صفت انسان کی مقالات و تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے کی پیہم کوششین کیجاتی تھین بذات خود مہاتما گاندھی طالسطائی کے سرگرم مقلد ہین کیونکہ مہاتما جی کی مہنیا گرہ کا اصول طالسطائی کی تعلیم کا قابل تقلید جزو ہے۔ ترک موالات کی اس تعلیم کا لب لباب اور اصل یہ ہے کہ ”لاپروائی کے ساتھ موالات ترک کرو“ اور یہی تعلیم مہاتما جی کے اصول ترک موالات کی ہے۔

یہ قابل ستایش ہستی ۲۰ راگست ۱۸۲۸ء کو ملک روس کے شہر تولا کے قریب موضع یاسنا پالیانا مین وجود پذیر ہوئی۔ خوش قسمت تھی شہزادی میری اور شاہی خاندان کے رکن کاونٹ نکولس جنھین طالسطائی جیسی برگزیدہ ہستی کے والدین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مگر افسوس کہ آسمان ادب و تمدن کا نجم درخشان اور اپنے مستقبل مین دنیا کو مشعل ہدایت دکھانیوالا نونہال ابھی صرف تین ہی سال کا تھا کہ شہزادی میری کا سایہ اسکے سر سے اٹھ گیا۔ اور ۹ سال کی عمر مین والد بزرگوار کے ظل عاطفت سے بھی محروم ہوگیا۔ اب پرورش کا بار اسکی چچی پر پڑا اور بڑے بھائی نکولس نے اسکی تربیت و پرداخت مین نمایان حصہ لیا۔ نکولس کے علاوہ طالسطائی کے دو بڑے بھائی اور تھے ایک کا نام ڈیمتری تھا اور دوسرے کا سرجیس۔

عالم طفولیت مین طالسطائی کے بشرے سے یہ غیر معمولی آثار ہویدا تھے جس نے آگے چلکر

دنیا کا سب سے بڑا لیڈر اور رہنما بنا دیا ۔

عالم طفولیت مین وہ اکثر کسی عمیق غور و فکر مین غوطہ زن رہا کرتا تھا اعتکاف پسندی گویا اسکے خمیر مین تھی اور کنج عزلت مین وقت گذارنا اسکا معمول تھا۔ اسوقت طالسطائی کو تصنع اور زیبائش کا بھی شوق تھا اسکو اپنے جسم کی خوبصورتی کا بہت خیال رہتا تھا۔ باینہمہ وہ سلیم الطبع تھا اور متانت سے ہر مسئلہ پر غور و فکر کا عادی تھا

تعلیم کے ابتدائی منازل طے کرکے نوجوان طالسطائی ۱۸۴۳ء مین کازان یونیورسٹی مین داخل ہوا شروع مین اسنے مشرقی زبانون کا کورس لیا لیکن امتحان مین ناکامیاب ہونے پر دوسرے سال قانون کا نصاب لے لیا قانون مین اسنے کچھ ضرور ترقی کی مگر طبیعت اسطرف بھی رجوع نہ رہ سکی ۔ اسکا آزادانہ اور فکر دوست نیچر اسوقت کے طریقۂ تعلیم سے مطمئن نہو سکا اور اس کی سوشل زندگی مین ایک عظیم انقلاب واقع ہوا ۔ شہر قازان اسوقت رقص و سرود تھیٹر، و تماشون اور دیگر لغویات کا مرکز بنا ہوا تھا وہانکی یونیورسٹی کے متمول طلبہ بھی ہر قسم کے عیش و آسایش مین حصہ لینے پر مجبور تھے طالسطائی پر بھی اسکا نمایان اثر پڑا وہ بھی عیش پسند بن گیا تھا۔ حتی کہ وہ اکثر کالج کے بعض لکچرون سے غائب ہوجایا کرتا تھا ۔ امتحان مین بھی وہ ہمیشہ کم نمبرون سے پاس ہوتا تھا لیکن وہ ان مضامین کا نہایت دلچسپی سے مطالعہ کرتا تھا جو اسے بالطبع پسند تھے ۔

جب ۱۸۴۳ء مین طالسطائی کا بڑا بھائی نکولس تحصیل علم سے فارغ ہوگیا تو طالسطائی بھی اسکے ساتھ گھر لوٹ آیا گھر آکر طالسطائی خاموش نہ بیٹھا ۔ اس وقت فرشتہ طینت انسان غلامی کی قیود اور اپنی ہمجنسون کی شدید تکالیف کی تاب نلاسکا اور حتی الامکان شکست کی تدابیر مین منہمک ہوگیا چنانچہ اُسنے ایک معمولی ناول "ایک زمیندار کی صبح" AMORNINB OF ALANDED PROPRIETOR لکھا

پھر وہ تفریح کی غرض سے پیٹرو گریڈ (سینٹ پیٹرس برگ) چلا گیا وہان جاکر اسکی زندگی امیرانہ عیش پسندیون، اور مخرب اخلاق نشاط آرائیون مین گھر گئی ۔ وہ لہو لعب مین مستغرق ہوگیا اور لہو لعب بھی کیسے ؟ تاش کھیلنا قرض لینا اور ایسے فضولیات مین صرف کرنا وقت کو بیکار ضائع کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی حالت مین اسکی روح کو راحت اور اطمینان کیونکر نصیب ہوسکتا تھا طبیعت اور خیالات مین یکسوئی کیونکر پیدا ہوسکتی تھی ۔ کبھی وہ یونیورسٹی کے امتحانات پاس کرنے کی طیاری

کرتا کبھی دوسری ولایتون کی سیر کا شوق دامنگیر ہوتا اور کبھی فوجی خدمات ادا کرنے کا عزم کرتا غرض یہ کہ اسوقت نوجوان طالسطائی عالم عنفوان مین شباب کی گوناگون ولولون اور بوقلمون کرشمون سے مسحور ہوکر جوانی کے بہاؤ مین بہا چلا جا رہا تھا۔ دفعتاً اسکی زندگی مین ایک غیر معمولی تغیر رونما ہوا۔ یعنی اپریل ۱۸۵۱ء مین نکولس جو کاکیشش کے توپخانہ مین ملازم تھا رخصت پر گھر آیا اور یہ دیکھکر کہ طالسطائی کی طبیعت کا رنگ روز بروز بدل رہا ہے۔ اپنے ساتھ لیجانے پر آمادہ ہوگیا۔ طالسطائی نے بھی اس تجویز کو بخوشی منظور کرلیا کیونکہ وہ ایسے موقع کا خود متلاشی تھا چنانچہ اختتام رخصت کے بعد دونون بھائی کوہ قاف کی طرف روانہ ہوگئے۔

بھائی کی صحبت کے اثر نے طالسطائی کے دل مین فوجی کارگذاریون کے جذبات موجزن کردیئے اسلیے وہ طفلس کے فوجی اسکول مین داخل ہوگیا اور وہان کا امتحان بھی پاس کرلیا اسکے بعد ایک ناول لکھنا شروع کیا جسکا نام لڑکپن تھا۔ (BOY HOOD) اُسکو ختم کرکے پیٹرزبرگ کے ایک خاص ماہوار رسالہ مین اشاعت کی غرض سے روانہ کردیا۔

اڈیٹر نے اس ناول کو نہایت شکریہ کے ساتھ شائع کردیا۔ طالسطائی کی زندگی مین یہ پہلا واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کیونکہ اس ناول کی اشاعت کے بعد اُسنے طے کرلیا کہ اسکی زندگی کا خاص مرکز دائرہ ادب ہوگا جس رسالہ مین یہ ناول شائع ہوا تھا وہ نہایت ہی وقیع تھا اور ملک کے تمام بُزرگ اور مستند اہل قلم اسکے قلمی معاون تھے۔

کوہ قاف کی سیر سے سیر ہوکر اُسنے فوجی خدمات سے استعفا دیدیا۔ ابھی استعفے امنظور بھی نہوا تھا کہ کریمین جنگ چھڑ گئی۔ جو روس اور انگریزون اور فرانسیسون کے مابین تھی۔ طالسطائی کے بہادرانہ جذبات بھڑک اُٹھے اسنے اپنا استعفے واپس لے لیا اور میدان جنگ مین معرکہ آرا ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اسوقت وہ فوجی امتحان اعلی پاس کرچکا تھا۔ اسلیے وہ سواسٹوپول کے مشہور قلعہ مین افسر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔

طالسطائی نے اس جنگ عظیم مین صدہا انسانون کو مرتے کٹتے دیکھا میدان جنگ کے خوفناک مناظر کا اسکے دل پر ایک خاص اثر پڑا۔ چنانچہ اسکا ناول جنگ و امن WAR & PEACE انھین واقعات سے پُر ہے جسمین میدان جنگ کے سانحات کا ذکر نہایت موثر اور دلکش پیرایے

مین درج ہے - طالسطائی ہرگز ان واقعات کو خوبصورتی سے نہ لکھ سکتا - اگر وہ بچشم خود ان کا شاہد نہ رہچکا ہوتا - جب ۱۸۵۵ء مین سواسٹوپول کا قلعہ نیست و نابود ہوگیا تو یہ خبر لیکر طالسطائی دارالسلطنت پہونچا اور وہان سے اپنے وطن مین جاکر فوج سے ہمیشہ کے لیے مستعفی ہوگیا -

اسکے بعد اسکو غیر ممالک کی سیر کا شوق دامنگیر ہوا - اور وہ انواع و اقسام کی تکالیف سفر برداشت کرتا ہوا پیرس پہونچا لیکن وہان کی تہذیب دیکھکر دنگ ہوگیا - دوران قیام پیرس مین اسنے ایک شخص کو (جسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی) گلوٹین[1] سے قتل ہوتے دیکھا - اس عبرت انگیز منظر سے طالسطائی بہت موثر ہوا اسنے پیرس کو خیرباد کہا اور سوئٹزرلینڈ کی راہ لی جو یورپ کا کشمیر ہے - قدرتی مناظر کے اس آستانے پر لوگ دور دراز ممالک سے سجدہ ریزی کے لیے آتے ہین چنانچہ طالسطائی نے بھی یہ فریضۂ شوق ادا کیا اور پھر جرمنی ہوتا ہوا اپنے وطن لوٹ آیا اور یاسنا یا پولیانہ مین اپنی زمینداری کی نگہداشت کرنے لگا - دوسرے سال وہ ادبی کانفرنس کا نمایندہ منتخب ہوا اور اب روز بروز اسکا درجہ ادبیات مین بلند ہونے لگا -

طالسطائی انہین مشاغل مین منہمک تھا کہ اسکے بڑے بھائی نکولس کا انتقال ہوگیا - اس غیر معمولی صدمے اسکو دلکو سخت رنج پہونچا - لیکن اسکی منچلی طبیعت نے اس موقع سے بھی فائدہ اُٹھایا - یعنی وہ موت کے لاینحل مسئلہ پر غور کرنے لگا اور یہی مسئلہ اسکے لیے ایک موضوع دلچسپ بنگیا -

اسی درمیان مین روس کا زار نکولس اول بھی راہی عدم ہوا اور الگزنڈر دوم زار ہوا جنگ کریمین سے ملک کی حالت نازک ہورہی تھی ہر طرف سے رفارم کی آوازین بلند ہورہی تھین تمام اخبارات رعایا کے مطالبہ سے پُر ہوتے تھے - صدہا نئے اخبارات جاری ہوگئے - دلون مین جذبات کے سمندر اُمنڈنے لگے اور ٹوٹے ہوئے قلوب مین بھی خوشگوار امنگین پیدا ہونے لگین - نئے زار نے جب سلطنت کی باگ ہاتھ مین لی تو لوگون کی متجسس نگاہین رفارم کی امید مین اسکی جانب اُٹھنے لگین -

---

[1] گلوٹین ایک خاص قسم کا آلہ ہے جو اپنے فرانسیسی موجد کے نام سے مشہور ہے - یہ آلہ انسان کے گلے پر رکھدیا جاتا ہے اور کاغذ کاٹنے والی مشین کی طرح اوپر سے چھری گرکر گردن اڑادیتی ہے (فرحت)

خاص ریفارم جسکے لیئے لوگ سخت مضطرب تھے کسانون کی آزادی تھی ۴۰ لاکھ کسان غلامی کی سخت زنجیرون مین اسیر تھے۔

بیچارے کاشتکار اپنے آقا کے مزرعون مین سخت کاوش اور جانفشانی سے کام کرتے تھے اور کھیت کے ساتھ یہ بھی فروخت ہو جاتے تھے۔ کھیت کا مالک کسان کے ساتھ حسب خواہش برتاؤ کرتا تھا ظلم و تعدی کی کوئی حد نہ تھی۔ ایسے امرا قدرتاً اس ریفارم کے سخت مخالف تھے مگر الگزنڈر نے بڑے بڑے زمینداروں کی ایک انجمن قائم کی آخر تین سال کی متواتر کوششون اور بحث و مباحثہ کے بعد کسانون کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔

نئے قانون کے مطابق رہا شدہ کاشتکارون اور زمیندارون کے مابین صلح قائم کرنیکے لیے جا بجا پنچ اور ثالث مقرر کیئے گئے منجملہ ٹالسٹائی بھی تھا۔ کاشتکارونکی ہمدردی کی وجہ سے اکثر لوگ اس سے برگشتہ ہو گئے کیونکہ زمیندار کاشتکارونکو مغالطہ دینا چاہتے تھے اور ٹالسٹائی کے سامنے اُن مغالطون کی کچھ وقعت نہ ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکار کے پاس ٹالسٹائی کی شکایتین پہونچنے لگین اور اُسکو ایک سال کے اندر ہی مستعفی ہونا پڑا۔

پنچایت کی ذمہ داریون سے فارغ ہوتے ہی ٹالسٹائی نے تعلیم کا کام اپنے ہاتھون مین لیا اور اپنے گاؤن مین ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کر دیا۔ تعلیم سے اسے فطرتاً مناسبت تھی یورپ کے مختلف شہرون کی سیاحی مین اسنے طریقہ تعلیم کا بغور مطالعہ کیا تھا چنانچہ اپنے مدرسے کا اصول ان سب سے الگ رکھا۔ اس اسکول کے معلمین کو سخت تاکید تھی کہ وہ نہ تو لڑکون کو انعام دین اور نہ سزا بلکہ اگر ہو سکے تو وہ طلبا پر اخلاقی اثر ڈالین۔ ٹالسٹائی لڑکون مین آزادی اور از خود کام کرنے کی خواہش پیدا کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسکا خیال تھا کہ بچے قدرتاً سامنے کی چیزون کے متعلق غور کیا کرتے ہین اور نئی باتین دیکھنا چاہتے ہین وہ کہا کرتا تھا کہ جو بات بلا کسی جبر یا دباؤ کے ذہن نشین ہوتی ہے وہی قائم رہتی ہے۔ اساتذہ صرف ان کے رہنما ہین طلبا کو ہمیشہ آزادانہ تعلیم کا عادی بنانا چاہیئے۔

بدقسمتی سے یہ تعلیمی سلسلہ زیادہ دنون نہ جاری رہ سکا کیونکہ کچھ دنون کے بعد ٹالسٹائی بیمار ہو گیا اور تبدیل آب و ہوا کی غرض سے باہر جانا پڑا اسکی عدم موجودگی مین پولیس نے اُسکے مکان کی تلاشی لی لیکن باغیانہ تصانیف یا سازش کے متعلق کچھ بھی نہ ملا تاہم گانون کے

سادہ لوح لوگ اس سے بہت زیادہ خائف ہوگئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ مدرسہ بند ہوگیا۔ لیکن اس اسکول کی بدولت روسی زبان میں بہت سی درسی اور مفید کتابوں کا اضافہ ہوگیا۔

طالسطائی نے بعمر ۳۴ سال ۱۸۶۲ء مین شاہی طبیب کے خاندان کی ایک دوشیزہ سے شادی کی اور اپنے وطن یاسنا پولیانہ مین مستقل طور پر قیام پذیر ہوگیا۔ اب پھر اسنے ادبی مشاغل مین کوشش شروع کی اور ملک مین ایک مستند ناول نویس کی حیثیت حاصل کی۔ اسی سلسلہ مین اسنے اپنا بہترین ناول اینا کورینا لکھا جو دنیا کی مشہور کتابون مین شمار کیا جاتا ہے۔

جب ۱۸۸۱ء مین روس مین سیاسی انقلاب عظیم برپا ہوا اور ۱۳ مارچ کو شورش پسندون نے وہان کے زار الگزینڈر دوئم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تو اس پرجوش ادیب کا دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اسنے دیکھا کہ لوگون نے زار کو قتل کر دیا۔ اور حضرت عیسے مسیح کے احکام اور نصائح کی کچھ وقعت نہین کی بلکہ الگزینڈر سوم بھی ان مقدس وعظ احکامات کے برعکس قتل کرنے والون سے سلوک کر رہا ہے۔ یعنی اسنے زار کو اسکے متعلق ایک طول طویل خط مین لکھا۔ کہ جور و تشدد اور ریفارم کی کوششین ناکام ہوئین اسلیے اب استقلال سے غصہ کا مقابلہ کرنا لازم ہے۔ مگر زار کی طرف سے اس خط کا کوئی جواب نہین دیا گیا۔

اسی دوران مین وہ کچھ عرصہ کے لیے ماسکو چلا گیا وہان کے باشندے دو طبقون مین منقسم تھے ایک طبقہ جفاکش محنتی اور مفلس کاشتکارون کا تھا۔ دوسرے طبقے مین کاہل و نکمے سست آرام پسند متمول شامل تھے۔ موخرالذکر طبقے کی تمام عیش و راحت کا دارومدار اول الذکر طبقے کی محنت و رنج پر منحصر تھا اس انکشاف سے طالسطائی کے دلکو سخت چوٹ لگی اور اسکا دل رحم کے جذبات سے بھر گیا۔ اس وقت ماسکو مین مردم شماری شروع ہونے والی تھی۔ طالسطائی نے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اپنی خدمات اس خطہ کی مردم شماری کے لیے پیش کین جسمین غریب و تنگدست طبقے کے افراد آباد تھے۔

اس مردم شماری کے تجربات کی بنا پر طالسطائی نے ایک کتاب تصنیف کی WHAT SHALL WE DO THEN? ہے اس کتاب مین اسنے ان غریبون کے حالات پُردرد نہایت پُراثر پیرایے مین تحریر کیے ہین۔ اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ سوشل ریفارم کے لیے سوسائٹی کے اندر

سخت تغیر و تبدیل کی ضرورت ہے طالسطائی کا قول تھا کہ سوسائٹی مین نیا بیان پیدا کرنیکا بہت بڑا ذمہ دار روپیہ ہے جسکا اثر جبریہ طور پر دوسرون پر ڈالا جاسکتا ہے۔

اُسنے لکھا ہے کہ "اپنی افعال پر افسوس کرو، اپنی زندگی کو نئے سرے سے ترتیب دو اپنی دولت کو غریبون کو دو یا ندو مگر اُن کی پُرتکلیف اور جفاکش زندگی مین حصہ ضرور لو"

تھوڑے دنون کے بعد جب وہ پھر یاسنا پولیانہ مین واپس آیا تو عوام کے مفاد اور دلچسپی کے لیے چھوٹے چھوٹے قصے نہایت سلیس زبان مین لکھنا شروع کیے جو نہ صرف روس ہی مین بلکہ اور ممالک مین بھی وقعت اور دلچسپی کی نظر سے دیکھے گئے باوجود ان تمام خدمات کے طالسطائی نے اپنی زندگی کا معمول تبدیل نہ کیا۔ وہ غریبون کے ساتھ لکڑیان کاٹتا پانی بھرتا اور خود اپنا ہی بنایا ہوا جوتا پہنتا دہقانیون کی طرح سے اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر پیدل ہی سفر کرتا لکڑی کاٹکر غریبون یتیمون اور بیواؤن کو تقسیم کرتا، غرض ہر طرح غریبون کی اعانت مد نظر رکھتا۔ وہ روس کا کاونٹ تھا لیکن غریبون کے دُکھ درد مین شریک ہو کر ان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو ساری عمر باعث فخر سمجھتا رہا۔

اُس زمانہ کی روسی گورنمنٹ نے طالسطائی کی کتب کو غیر قانونی۔ باغیانہ اور شورش انگیز قرار دیکر اُن کی اشاعت اور تبلیغ بند کر دی مگر بیرونجات مین ان کی اشاعت بڑی وقعت اور آزادی کے ساتھ ہونے لگی۔ جا بجا ان کے تراجم ہونے لگے طالسطائی کے مضامین پڑھکر اکثر حضرات کو اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوا جب اسکے سوانح زندگی اخبارات مین شائع ہوئے تو اسکی عزت اور بھی بلند تر ہوگئی۔ یہانتک کہ زار روس بھی طالسطائی کو قابل عزت خیال کرنے لگا۔ حالانکہ پولیس اسکی تصنیف کردہ کتابون کے پیچھے پڑی رہتی۔ اور ان کے شائع کرنیوالون اور فروخت کرنیوالون کو سزائین دیجاتین۔ لیکن طالسطائی پر دست درازی کرنے کی ہمت وہان کی گورنمنٹ کو کبھی نہ ہوئی۔

جب انقلاب پسند اور فتنہ انگیز لوگون نے الگزینڈر دوم کو قتل کر ڈالا اور پھر بھی کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا تو اُنھون اپنی سوسائٹی کو ترتیب دینے کے لیے غیر مالک کی تقلید کرنی پڑی اسوقت روس کے نوجوان سیاسی معاملات کے علاوہ سوشل اور مذہبی اصلاحات کی طرف بھی متوجہ

ہوگئے اور طالسطائی کو رہنما اور لیڈر سمجھنے لگے۔ اس نئی تحریک کی بدولت صدہا امرا ورؤسا غریب کسانون کے ساتھ رہنے لگے اور صدہا لوگون نے فوجی خدمات ادا کرنے کا عہد وپیمان قطعاً توڑ دیا اور اسوقت سے غیر عملی مخالفت یا ستیاگرہ کی بنیاد پڑی جسکی بدولت دنیا مین طالسطائی کا درجہ نہایت بلند ہو گیا اور جسکی تقلید سے مہاتما گاندھی نے ہمارے ملک کی سیاست مین ایک نئی روح پھونکدی۔

جب ۱۸۹۱ء مین روس مین قحط پڑا تو طالسطائی نے اپنے دلی جذبات سے متاثر ہوکر بھوک سے مرنے والون کسانون کی مدد کرنا شروع کی۔ اسوقت صوبہ ریان سبسے زیادہ تکلیف مین تھا اسلیے وہ اپنی دو بیٹیون اور ایک بھتیجی کو ساتھ لیکر وہان گیا۔ اگرچہ اسکے پاس صرف ساڑھے سات سو روپیہ تھے مگر اسنے لوگون کو کھانا تقسیم کرنا شروع کر دیا یہ خبر فوراً چارون طرف پھیل گئی بیگم طالسطائی نے اخبارون مین اپیل شائع کرائی اور ہر طرف سے اچھی اچھی رقمین موصول ہونے لگین طالسطائی کے اہل خاندان بھی کسی نہ کسی صورت مین قحط زدون کی خدمت کرنے لگے۔ اور صدہا لوگون نے انکی پیروی کی۔ اسوقت اسنے ایک کتاب تصنیف کی جسکا نام ہے "خدا کی سلطنت تمہارے اندر ہے THE KINGDOM OF GOD WITH IN YOU اس کتاب مین نظام سلطنت کی سخت مخالفت کی گئی تھی۔ روسی سرکار نے اسکی اشاعت قطعاً بند کرا دی اور طالسطائی کو انارکسٹ (باغی) کا خطاب مل گیا مگر اسکی انارکزم یا بغاوت خونریز نہ تھی۔ اسکا قول تھا کہ انسان مین قدرتاً محبت اور راستی کے خدائی قوانین ودیعت ہین اسلیے انکی مضبوطی کے لیے انسان کے تعمیری قوانین کی ضرورت نہین۔

روز بروز طالسطائی کا اثر عوام کے دلون پر زیادہ ہونے لگا طلبہ اور مزدور اسکو فرشتہ سمجھنے لگے اسنے ایک کتاب "رزرکیشن" اور لکھی جسمین عیسائی مذہب اور روسی حکومت پر تنقید کی اسپر پادریون نے اسکی تکفیر کا فتوی دیا اور غلط اصولون کی اشاعت کا جرم لگاکر مذہب سے خارج کر دیا ماسکو مین جب یہ خبر پہونچی تو وہان فتنہ وفساد کا بازار گرم ہو گیا۔ طالسطائی حسب معمول اس دن بھی سیر کرنے گیا تھا۔ راستہ ہی مین لوگون نے اسے گھیر لیا۔ اسکے سامنے نہایت عاجزی سے اظہار ہمدردی کرنے لگے اسکے گھر پہونچنے سے پیشتر بیسون ڈیپوٹیشن اظہار ہمدردی کیلیے

آچکے تھے رفتہ رفتہ ان خطوط اور تاروں کا ڈھیر لگ گیا جو اظہار ہمدردی کے لیے اس کے پاس آئے تھے۔

اس فتوی کے جواب مین اسنے ایک مضمون لکھا جسمین عیسائی مذہب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار صاف صاف کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ مین صرف یہی نہین منظور کرتا کہ مین گریک چرچ سے منحرف ہون بلکہ مین یہ بھی اعلان کر دینا چاہتا ہون کہ مین اپنے تئین عیسائی کہنے مین بھی ہچکچاتا ہون کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اس نام سے کہین راستی پر پردہ نہ پڑجائے۔ راستی مجھکو سب سے زیادہ پیاری ہے اور اس سے مجھے کوئی طاقت ہٹا نہین سکتی۔

اسّی سال کی عمر مین لوگون نے طالسطائی کی سالگرہ بڑی دھوم سے منانے کا ارادہ کیا لیکن اسکے مخالفین نے مشہور کیا کہ طالسطائی دہریہ (خدا کی ہستی سے منکر) ہے اسلیے اسکی عزت کرنا گناہ ہے دہان کی گورنمنٹ نے بھی اسکی تائید کی لیکن ان الفاظ کے ساتھ کہ ایک ادبی مشاہر کی حیثیت سے عزت افزائی کیجا سکتی ہے اسپر خود طالسطائی نے اعلان کیا کہ اُس دن کوئی جلسہ نہو۔ بلکہ صرف خدائے تعالیٰ سے رعا مانگی جائے سالگرہ کے دن تمام اخبارات مین اسکی تصویر اور حالات زندگی شائع ہوئے۔

زندگی کے آخری حصہ مین وہ اپنے خیالات واصولون پر غور وخوض کرنے مین غلطان وپیچان رہا کرتا تھا۔ اور اسنے بارہا گھربار ترک کر دینے کا ارادہ کیا لیکن اسکو بھی خود غرضی سمجھکر اس سے باز رہا کیونکہ ایسا کرنے سے اُس کے گھروالون کو روحانی تکلیف ہوتی اسلئے اسنے یہ طے کرلیا کہ جبتک اسکے لیے گھر مین رہنا بالکل ناممکن نہوجائے وہ مکان سے قطع تعلق نکریگا

۱۸۹۷ء مین اسنے ایک خط اپنی بی بی کے نام لکھکے لفافہ مین بند کیا اور لفافہ کی پشت پر لکھدیا کہ میری وفات کے بعد دیا جائے۔ اس خط مین اسنے اپنے خیالات کے مطابق مکان اور دنیا ترک کر دینے کے وجوہات بیان کئے تھے۔ بالآخر اسنے ۱۰ نومبر ۱۹۱۰ء کو گھر چھوڑ دینے کا عزم مصمم کرلیا۔ صبح اُٹھتے ہی اپنی زوجہ کو ایک خط لکھا پھر اپنی لڑکی سیشا اور اپنے دوست ڈاکٹر میکوڈنسکی کو جگایا کیونکہ اُن کی مدد سے اسباب باندھا پھر ایک ڈاکٹر کے ساتھ اسٹیشن پر پہونچکر گاڑی مین سوار ہو گیا اور گاڑی چل نکلی۔ لیکن اسکی تندرستی نے اسفر کے

قابل نہ تھی شروع سفر ہی سے تکلیف کا آغاز ہوا ۔ سردی کے اثر سے بخار آگیا راستہ مین طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ۔ اور اسکے ہمسفر ڈاکٹر نے اسکو اشاپوو گاؤن کے اسٹیشن پر اتار لیا۔ آخر اسی اسٹیشن پر ۲۰ نومبر ۱۹۱۰ء کو دنیا کا یہ بہت بڑا رہنما ہمیشہ کے لیے دنیا سے رخصت ہوگیا۔

جے، این، فرحت کانپور

"موت کے راز سے محبت کا راز قوی تر ہے"

"نیک ہونے سے خوبصورت ہونا بہتر ہے، لیکن بدصورت ہونے سے نیک ہونا ہی بہتر ہے"

"مرد اتنا ہی نیک بن سکتا ہے جتنی اسے مہلت ملے، عورت اتنی ہی بد ہو سکتی ہے جتنی وہ جرأت کر سکے"

"عورت کا قیاس جب صحیح نکلتا ہے تو وہ اُسے ہدایت ربنی سمجھتی ہے"

"حسن نام ہے اپنی نظر کا لیکن کیا لوگ اس لحاظ سے نابینا نہین ہوتے"

"جو اظہار محبت عورت کی نگاہ سے پیدا ہوتا ہے اس مین کبھی دھوکا بھی ہوتا ہے کیونکہ اسکی نگاہون کی یہ کیفیت بسا اوقات فطری ہوتی ہے"

"کتنی حیرت کی بات ہو کہ باوجود اس علم کے کہ انسان ہر لمحہ مین مر سکتا ہے لوگ جینے کے لیے مرتے ہین"

گناہ کی اُجرت اُسیوقت حاصل ہوتی ہے لیکن اسکی قیمت خوفناک ہے جو بعد مین ادا کرنی پڑتی ہے

"اسکر وائلڈ"

امداد باہمی

تحریک امداد باہمی کی جو کچھ ترقی اسوقت تک مغربی ممالک مین ہو چکی ہے یا ہو رہی ہے
اسکا اندازہ ہم لوگون کو نہین ہو سکتا۔ ساری دنیا مین ہندوستان ہی ایک ایسا بدنصیب ملک ہے جہان
اتحاد اور امداد باہمی کا عنصر بہت کم ہے۔ ترقی کا راز اگر سچ پوچھئے تو انہین دو لفظون مین مضمر ہے۔ بغیر
اتحاد اور امداد باہمی کے دنیا مین کوئی کام خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام نہین پا سکتا۔ امداد باہمی سے
جو معاشی فوائد حاصل ہوتے ہین۔ اسکا اندازہ کچھ مغربی ممالک کی انجمنہائے امداد باہمی کی کارگذاریون سے
ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی انجمنون کو وجود مین آئے ہوئے ساٹھ ستر سال کا عرصہ ہوتا ہے اسی قلیل مدت
مین یہ انجمنین مغربی ممالک کے عام باشندون کی معاشی حالت کو درست کرنے مین اسقدر کارآمد اور معین
ثابت ہوئین کہ شاید ہی کوئی اور تحریک اسقدر جلد معاشی حالت کو سدھارنے مین کارگر ہوتی۔
چنانچہ انہین انجمنون کا نتیجہ ہے کہ دیگر ممالک مین بھی اس تحریک پر عمل پیرا ہونے کی کوشش
کی جا رہی ہے موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ انجمنین آگے چلکر نہایت درجہ
مفید ثابت ہونگی۔ اسوقت تک یہ انجمنین مزدور پیشہ اور کسان طبقہ کے افلاس کو دور کرنے مین
خاص طور سے معاون ثابت ہوئی ہین اور زیادہ تر انہین طبقون کی معاشی حالت کو درست کرنے کے
لیے قائم کیگئی تھین۔

اول اول جب یہ انجمنین قائم ہوئین تو انکو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر چونکہ ان
انجمنون نے اپنا مقصد مزدور پیشہ اور کسانون کی حالت درست کرنا قرار دیا تھا۔ اسلیئے عوام بہت خوشی
سے ان مین حصہ لینے کو تیار ہو گئے۔ اور جس تندہی سے وہ ان کے لیے کام کرتے تھے شاید وہ دوسرون
کے لیے نہ کرتے ہونگے یہ عام مشاہدہ ہے کہ مزدور ایسے کامون مین جسمین اجرت کے سوا اور کسی قسم
کے منفعت کی امید نہین ہوتی۔ لاپروائی اور کاہلی سے کام لیتے ہین۔ مگر ایسے کام جنکا نفع نقصان

سب انجمنین کیسے اسمین حد درجہ دلچسپی لیتے ہین۔ مختلف انجمنین جو اسوقت یورپ مین رائج ہین۔ جنکا رواج ہو رہا ہے انمین سے دو چار کا ذکر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے یہ واضح ہوجائیگا کہ ان انجمنون کا آغاز کیونکر ہوا اور انکو کن رکاوٹون سے دوچار ہونا پڑا۔

راکشڈیل پاینر سوسائٹی (ROCHDALE PIONEER SOCIETY) جو ۱۸۴۴ء مین قائم ہوئی اپنی قسم کی سب سے پہلی انجمن ہے۔ ابتدا مین اس انجمن کی یہ حالت تھی کہ اسکی طرف کوئی توجہ بھی نہین کرتا تھا۔ اسکا وجود اسطرح عمل مین آیا کہ ۱۸۴۴ء مین راشڈیل ROCHDALE مین فلالین کی تجارت کو غیر معمولی زک پہونچی۔ مزدورون کی اجرت مین اسدرجہ کمی عمل مین آئی کہ انہین مجبوراً کام چھوڑنا پڑا۔ انہین مزدورون مین سے ۲۰ مزدورون نے کچھ رقم اکٹھا کی اس رقم سے انہون نے کسی تھوک فروش کے یہان سے شکر چاے کی خریدکرنی شروع کی۔ یہ اشیاء خود وہ لوگ خرید کرتے اور اسی نرخ سے لیتے۔ جتنے مین انہین کسی خوردہ فروش کی دوکان سے ملتین نہین انہین محض نفع ہی مد نظر نہ تھا بلکہ اسمین یہ بھی فائدہ تھا کہ انہین بلا کسی آمیزش کے وہ چیزین دستیاب ہوتی تھین جنکا دوسری جگہہ ملنا ناممکن تھا۔ اور چونکہ انجمن لین دین کے معاملات مین بہت سخت تھی چاہے ممبران خرید کرین یا کوئی اور شخص سب سے نقد لیا جاتا تھا۔ لہذا تھوڑے عرصہ مین منافع ہونے لگا سوسائٹی کی یہ حالت دیکھکر اور مزدور بھی اسمین شریک کار ہونے کے لیے آگے بڑھے اور روزافزون ترقی ہونے لگی یہانتک کہ ۱۸۵۰ء مین اس انجمن کے پاس ۱۲۰۹۰۰ پونڈ سرمایہ ہوگیا۔ انجمن نے اپنی مالی حالت کا اندازہ کرکے دیگر قسم کی کاروبار مین روپیہ لگانا شروع کیا چنانچہ اسی سلسلہ مین آٹا پیسنے کی چکی کھولی اور ڈبل روٹی بھی تیار کرنے لگی۔ وسعت کاروبار کا نتیجہ ہوا کہ انجمن کے پاس معتدبہ سرمایہ فراہم ہوگیا۔ مزدورون کی معاشی حالت بہت کچھ سدھر گئی تھی۔ ۱۸۸۰ء مین جو سالانہ رپورٹ اس انجمن نے شائع کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ کل سرمایہ ۲۴۶۰۳۱ پونڈ تھا اور اسکے شرکا کی تعداد ۱۰۹۸۶ تھی۔ الغرض یہ انجمن اپنے مقصد مین خوب کامیاب ہوئی۔

اس مثال سے یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ انجمن جسکی ابتدا ایسی معمولی حالت سے ہوئی تھی اسکے پاس اتنی قلیل مدت مین اسقدر سرمایہ ہو گیا۔ یہ ہین امداد باہمی کے نتائج۔ اسی سلسلہ مین ایک اور انجمن کا ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے بخوبی روشن ہوجائیگا کہ امداد باہمی مین

کیا کیا فوائد مضمر ہین -

انگلستان مین اشنگٹن اسٹیٹ ASHINGTON ESTATE تھی یہان کے زمیندار کا نام گارڈن تھا - مزدور پیشہ لوگون کے افلاس کو دیکھکر اسکے دل مین یکایک خیال پیدا ہوا کہ ان کے افلاس کو دور کرنے کی فکر کرنا چاہیے چنانچہ اسنے اپنی آراضی کا ایک بڑا رقبہ ۱۵۰ پونڈ سالانہ کے لگان پر مزدورون کو دیدیا - ساتھ ہی اسکے اسنے انھین ضروری آلات زراعت بھی دیتے اور مزدورون کی ایک انجمن قائم کی اس طریق سے بہت تھوڑے عرصے مین مزدورون کے پاس اچھا خاصہ سرمایہ ہوگیا - یہان تک اس سرمایہ سے انہون نے ضروری آلات زراعت مول لیے اور جو رقم بچی اسے دیگر ضروری کامون مین صرف کرنے لگے

اس وقت یورپ مین سب سے اہم قسم کی انجمنین وہ ہین جو کہ انجمہائے قرضہ امداد باہمی کے نام سے موسوم ہین - یہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کئی قسمون پر مشتمل ہین جنکے بیان کے لیے یہان گنجائش نہین - حال مین چند اور انجمنین قائم ہوئی ہین جنمین ایک تو جرمنی مین ہے جسکا نام THE COOPERATIVE SALE OF LINE STOCK دوسری ناروے مین THE COOPERATIVE OF PURCHASE OF FARM REQUISITIES کے نام سے موسوم ہے

ان انجمنوںکا ذکر کر دینے کے بعد مین یہ بتلانا چاہتا ہون کہ اس تحریک کا ہندوستان پر کہان تک اثر پڑا اور کس حد تک کامیابی ہوئی اور اس تحریک کے متعلق عوام کا کیا خیال ہے - آیا یہ تحریک اس ملک کے پس ماندہ طبقہ یعنی کاشتکار اور مزدورون کی حالت کو سدھار سکتی ہے یا نہین قاعدہ ہے کہ جب کبھی کسی نئی تحریک کی ابتدا ہوتی ہے تو اسے مقبول بنانے کے لیے بڑی بڑی کوششین کیجاتی ہین پھر ہندوستان جیسے وہم پرست ملک مین جہان قدم قدم پر بھوت پریت کا سامنا کرنا پڑتا ہے - بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی نئے خیال یا تحریک کا گذر ہو - ایسا ملک جہان آپس مین ملکر کام کرنا برا سمجھتے ہون - جہان ہر شخص ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے پر تلا رہتا ہو بھلا وہان اتحاد و امداد باہمی کے کیا معنی جہان ہر شخص اپنے ہی فائدہ کا متمنی ہو وہان دوسرے کی بھلائی کا کیا خیال - ہندوستانی یہ نہین جانتے کہ ملکر کام کرنے مین کیا کیا فوائد ہین اسی خود غرضی نے ملک کو تباہ کر رکھا ہے - مگر خدا کا شکر ہے کہ جدید تعلیم سے وہام پرستی دن بدن دور ہو رہی ہے - تھوڑا بہت روشن

چنانچہ اس ہوش کی تصدیق ان کی موجودہ جد وجہد سے ہو رہی ہے۔ اگرچہ اس جد وجہد کا دائرہ وسیع نہین۔

امداد باہمی کا آغاز ہندوستان مین ۱۸۹۲ء سے ہوتا ہے جبکہ سر فریڈرک نکلسن خاص طور پر اس کام پر متعین کئے گئے کہ اسکی تحقیقات کرین کہ آیا امداد باہمی کی تحریک ملک کے لیے کس حد تک مفید ہو سکتی ہے۔ بعد تحقیقات کے انھون نے رائے دی کہ کاشتکارون کی مالی حالت کو درست کرنے اور انکو ساہوکارون سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کی انجمنین قائم کیجاوین۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء مین باقاعدہ ایکٹ پاس ہوا جسمین ہر صوبہ مین انجمنہائے قرضہ امداد باہمی قائم کرنے کی گورنمنٹ نے اجازت دی۔

۱۹۱۴ء مین مکلگن کمیٹی MACLIGAN COMMITTEE کی سفارش پر اس کے متعلق تجاویز پاس ہوئین جسسے اس تحریک کو اور زیادہ تقویت پہونچی۔

اس تحریک کی حالت بہت امید افزا ہے مگر ابھی تک صرف انھین انجمنون کی طرف مبذول ہے۔ دیگر ضروریات کے لیے بھی انجمنین قائم ہونی چاہئین اسوقت اس قسم کی انجمنون کی بہت ضرورت ہے جو صنعت وحرفت کے اغراض کے لیے چھوٹی چھوٹی رقمین بھی دسکیین اس قسم کی انجمنون کا رواج نہین ہوا۔ ساتھ ہی اسکے ایسی انجمنون کی بھی بہت ضرورت ہے جو خرید و فروخت کا کام انجام دین تاکہ عوام کو اعلیٰ قسم کی اشیاء بکفایت دستیاب ہون اگر یہ تمام انجمنین ملک مین رواج پا جاوین تو لوگون کو خود بخود کاروبار کی طرف رغبت ہوگی اور ان مین کفایت شعاری کا خیال پیدا ہوگا۔ انکا سرمایہ بیکار کامون مین صرف نہوگا بلکہ روز افزون ترقی کرتا سکمائیگا۔ اس سے نہ صرف دولت ہی مین اضافہ ہوگا۔ بلکہ وہ اپنے معیار زندگی کو اعلیٰ بنا سکین گے۔ ان مین ایک طرح کی بیداری پیدا ہوگی۔ انکے دلون مین اپنے بچون کی تعلیم و تربیت کا بھی خیالی رونما ہوگا۔

بہی خواہان قوم وملک کا فرض ہے کہ قوم کی بہبودی کے لیے جہان اور بہت سی تدابیر پیش کرتے ہین ان مین اس تحریک کو بھی شامل کرلین اور اسکو کامیاب بنانے مین حتی الامکان کوشش کرین۔

مجھے یقین کامل ہے کہ اس قسم کی انجمنین ضرور ملک کی عام افلاس دور کرنے مین معاون ثابت ہونگی۔ اور ایسا ہو بھی رہا ہے۔ اسکی تصدیق ہندوستان کے مختلف صوبجات کی کوآپریٹو بنکون

کی سالانہ رپورٹون سے ہو سکتا ہے - ذیل مین کچھ اعداد شمار درج کرتا ہون جس سے واضح ہوجائیگا کہ اس تحریک کو اس ملک مین کس حد تک کامیابی ہوئی اس نقشے مین تمام ہندوستان کی انجمنہا کے امداد باہمی کے ۱۹۰۷ سے لیکر سنہ ۱۹۲۱ء تک کے اعداد و شمار درج ہین

	۱۹۰۷ - ۱۹۱۰	۱۹۱۰ - ۱۹۱۵	۱۹۱۵ - ۱۹۲۰	۱۹۲۰ - ۱۹۲۱
مرکزی بنک	۱۷	۲۳۱	۴۰۰	۴۴۹
زرعی انجمنین	۱۷۱۳	۱۰۸۹۱	۳۶۷۱۶	۴۲۸۵۲
انجمنین برائے نگرانی	۰	-	۹۹۴	۱۱۵۰
غیر زرعی انجمنین	۱۹۶	۶۶۴	۱۶۶۴	۳۲۴۲۲
	۱۹۲	۱۱۷۸۶	۴۰۷۷۲	۴۷۵۰۳

اوپر کے نقشہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اس تحریک کو ہندوستان مین روز بروز ترقی ہورہی ہے اور انجمنون مین برابر اضافہ ہورہا ہے -

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زراعتی انجمنون کی تعداد بہت ہے -

سنہ ۱۹۰۷ء مین کل انجمنین زرعی وغیر زرعی ۱۹۲۶ انجمنین جسکے ممبران کی تعداد ۱۶۱۹۱۰ تھی سنہ ۱۹۲۱ء مین انجمنون کی تعداد ۴۷۵۰۳ تک پہونچگئی تعداد ممبران ۱۷۵۲۹۰۴ تھی ان اعداد سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تحریک بہت سرعت کیساتھ ملک مین پھیل رہی ہے - اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسانون کا طبقہ اسمین دلچسپی بھی لے رہا ہے -

کیا یہ بات قابل افسوس نہ ہوگی کہ ایسی مفید تحریک کی حمایت نہ کیجاوے - یہ انجمن محض قرض وغیرہ اور خرید و فروخت ہی کا کام نہین انجام دیتین بلکہ بلا واسطہ عوام کو عملی سبق دیتی ہین - اور دولت کے پیدا کرنے اور باقاعدہ صرف کرنیکے طریقے سکھاتی ہین -

اس تحریک کو صرف کسانون اور مزدورون تک محدود نہ رکھنا چاہئے بلکہ ملک کے دیگر افراد کو بھی اسمین شریک ہونا چاہئے - کیونکہ ملکی ترقی کے فرائض ملک کے ہر فرد کے لیے یکسان اہم اور واجب الادا ہین -

سید عزیز احمد

میر و غالب

(غالب کے دیوان جدید سے ایک غزل اور اُسی کی ہم طرح میر کی غزل مع تنقید پیش
کی جاتی ہے۔ (آثر)

میر — کل شبِ ہجران تھی لب پر نالہ بیمارانہ تھا — شام سے تا صبحدم بالین پہ سر یکجانہ تھا

یہ قافیہ غالب نے نظم نہیں کیا میر نے کرب و اضطراب شب ہجران کی لاجواب نقاشی کی ہے
لب پر نالہ وہ بھی بیمارانہ۔ شام سے تا صبح باوجود ضعف و ناطاقتی سر دُھنتا۔ اللہ اللہ یہ شعر حقیقت سے
کس قدر ہمدوش ہے اور شاعر شب ہجر کی مصوری میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں نالہ کا
ضعف و نقاہت دکھانے کے بجائے اُسمیں قیامت کا زور بھرتے ہیں اسی طرح تکیہ پر ایک جگہ سر نہ رہنے
سے جس روحانی تکلیف و بیقراری کا اندازہ ہوتا ہے ہرگز کسی مبالغہ آمیز کیفیت اضطراب دکھانے
سے نہیں ہو سکتا۔

میر — "شہرۂ عالم اُسے یمن محبت نے کیا — ورنہ مجنون ایک خاک افتادہ ویرانہ تھا

غالب — ای اسد رویا جو دشت غم میں حیرت زدہ — آئینہ خانہ ہجوم اشک سے ویرانہ تھا

شکوہ یاران غبار دل میں پنہان کر دیا — غالب ایسی گنج کو شایان یہی ویرانہ تھا

میر نے عشق کی عظمت دکھائی ہے اور بھی دیوانے ہوے مگر کوئی اُنکا نام تک نہیں جانتا
یہ محبت کی برکت ہے کہ مجنون تمام عالم میں مشہور ہوگیا۔ یہ شعر ضرب المثل ہونے کے قابل ہے۔

غالب کے دونون شعر لاجواب اور ان کے خاص رنگ میں ہیں۔ پہلے شعر میں ارتقائے نفس
کا نازک مسئلہ عجیب انداز سے حل کیا ہے۔ منزل معرفت تک پہنچنے کو جادۂ غم اختیار کیا۔ کیونکہ غم بہترین
معلم انسان ہے۔ یہ راستہ نہایت پر ہول و پر خطر تھا اور میں اسکی مشکلون سے ایسا اجنبی تھا کہ بجز حیرت
اور بیحسی کے ساتھ خیال ناکامی سے گریہ طاری ہوا اس گریہ نے جسمین اپنی کمزوری کا اعتراف مضمر تھا

تمام حجاب دُور کر دیئے۔ یہ وہ منزل ہے جہان عقل کی سعی ختم ہو جاتی ہے اور انسان دلکو اپنا رہبر بناتا ہے۔ انٹیوشن (INTUITION) سے کام لیتا ہے۔ دشت پُر خار آئینہ خانہ بنگیا مجھے ہر طرف اپنا ہی جلوہ نظر آنے لگا مجھے اپنی ذات کی معرفت ہوئی جو حقیقی منشا و معرفت ہے۔ کیونکہ جسنے اپنے آپکو پہچانا اُسنے خدا کو پہچانا۔

شعر کی بندش مصرعوں کا ربط تعریف سے مستغنی ہے۔ ردیف کی مضبوطی خاص طور پر قابل توجہ ہے اس خوبی سے صرف ہوئی ہے کہ بیابان کا یکایک آئینہ خانہ ہو جانا آنکھوں مین پھر جاتا ہے۔

دوسرا مقطع بھی عجیب و غریب ہے دوستوں کی محبت کا تو کیا ذکر انکی سرد مہری بھی بیش بہا خزانہ ہے اگرچہ انکی کم نگاہیوں سے دل خاک ہو گیا شکوہ زبان تک نہ آیا سینے ہی مین غبار دل مین دفن کر دیا۔ اس سے زیادہ دوستی کی قدر کیا ہو سکتی ہے۔

میر منزل اُس مہ کی رہا جو مدتوں اے ہمنشین اب وہ دل گویا کہ اک مدت کا ماتم خانہ تھا

غالب دود کو آج اُسکے ماتم مین سیہ پوشی ہوئی وہ دل سوزان کہ کل تک شمع ماتم خانہ تھا

میر کے شعر مین لفظ منزل کا صرف قابل داد ہے۔ شعر مین وصل و ہجر کا حقیقی مفہوم دکھایا ہے دونوں کیفیتیں روحانی ہین۔ کسی عزیز مہمان کے رخصت ہونے پر گھر مین جو اداسی چھا جاتی ہے۔ اُسکو کس خوبی سے بیان کیا ہے۔ پہلے مصرع مین نقطہ مہ کے تقابل سے ماتم خانہ کی تاریکی پیش نظر ہو جاتی ہے۔ شعر مین اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خوشی کی گھڑیاں چاہے جتنی طولانی ہوں جلد گذر جاتی ہین مگر غم کا ایک ایک لمحہ پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔

غالب نے عجب دلخراش شعر کہا ہے (وہ دل سوزان جس سے ماتم خانۂ (ہستی) کی زینت تھی جو سب کا شریک غم تھا۔ آج وہ جلکر خاک ہو گیا یا بجھ گیا تو اُسپر سوا دھوین کے کوئی سوگوار نہ تھا۔ شعر نہین عبرت کی زندہ تصویر ہے پہلے مصرعہ مین ایک ایسا واقعہ دکھایا ہے جس سے غالب کی دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ شمع کے گل ہونے پر جو دھوان نکلتا ہے وہ اُس دھوئین سے کثیف تر ہوتا ہے۔ جو روشن ہونے کی حالت مین بر آمد ہوتا ہے اسی کو دود کی سیہ پوشی سے تعبیر کیا ہے۔

میر اک نگاہ آشنا کو بھی وفا کرتا نہین وا ہوئین مژگان کہ سبزہ سبزۂ بیگانہ تھا

غالب کو بوقت قتل حق آشنائی اے نگاہ خنجر زہر آب دادہ سبزۂ بیگانہ تھا

دونون اشعار کا مقابلہ کیجئے۔ غالب کا شعر تخئیل اور فارسی ترکیبون کی بے اعتدالیون کی سبق آموز مثال ہے۔ بخلاف اسکے میر کا شعر زبان مین قابلِ قدر اضافہ کرتا ہے خصوصاً "نگاہِ آشنا"۔ ان دونون لفظون مین وہ مفہوم ادا ہوگیا جو کئی جملون مین بھی نہ سماتا۔ ایسی نگاہ جو سریع مگر اسی کے ساتھ حقیقت رس ہو۔ میر کے شعر مین ہر لفظ نگینہ کی طرح جڑا ہوا ہے۔ سبزۂ مژگان کا لطیف استعارہ عجب لطف دے رہا ہے۔ یہ شعر بظاہر سادہ مگر دراصل رموزِ حقیقت سے لبریز ہے سبزہ کی نشو و نما بہت جلد ہوتی ہے اتنی جلد کہ گویا ہر لحظہ وہ اپنے آپ سے بیگانہ رہتا ہے یہی حال زندگانی دنیا کا ہے جسمین ہر وقت انقلاب ہوتا رہتا ہے۔

غالب کے شعر مین لفظ کو "دکھان" بے اختیار انھین کی زبان مین "لا بلا بکنے کو جی چاہتا ہے اس لفظ کی اردو مین گنجایش نہین۔ غالب کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ اے نگاہِ دوست تونے قتل کے وقت حقِ آشنائی فراموش کردیا۔ تیرے زہر آلود خنجر مین سبزہ کی سی بیگانگی ہے۔ سبزہ و زہر مین وجہ شبہ رنگ ہے، نگاہ کی تشبیہ خنجر سے اور خنجر زہر آب دادہ کی سبزہ سے ظاہر ہے۔

میر روز و شب گذرے ہے پیچ و تاب مین تجھ بغیر — ہو دل صد چاک کسکی زلف کا تو شانہ تھا

غالب انتظارِ جلوۂ کاکل مین ہر شمشاد باغ — صورتِ مژگان عاشق صرفِ عرض شانہ تھا

میر کا شعر صاف اور مکمل ہے پہلے مصرع کا پہلو ایسا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معشوق ہر وقت محو آرایش گیسو رہتا تھا جسکے اتباع مین دل صد چاک (جو شانہ سے مشابہ ہے) ہر وقت پیچ و تاب مین رہتا ہے۔

غالب کے شعر کا یہ مطلب ہوا کہ تیرے جلوۂ کاکل کے انتظار مین باغ کا ہر شمشاد مژگانِ عاشق کیطرح شانہ بنگیا ہے عرض (مقابل طول) حشو ملیح ہے۔ اگرچہ بالکل بیکار بھی نہین کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ شانہ کے چاک عرض مین ہوتے ہین نہ کہ طول مین۔ ممکن ہے کہ لفظِ عرض بمعنی "اظہارِ حال" استعمال کیا ہو مگر یہ مفہوم بعید ہے" کیونکہ "صورتِ مژگان عاشق سے کوئی ربط نہین رکھتا شعر مین مضمون آفرینی کے علاوہ کوئی خاص لطف نہین۔ البتہ "جلوۂ کاکل" کی ترکیب دلکش ہے۔

میر یاد ایامے کہ اپنی روز و شب کی جائے باش | یا درِ باز بیابان یا درِ میخانہ تھا

غالب وصل میں بخت سیہ نے سنبلستاں گل کیا | رنگ شب تہ بندیٔ دودِ چراغ خانہ تھا

میر اس زمانہ کو یاد کرتا ہے کہ دیوانگی کا جوش تھا، خمخانۂ محبت یا صحرائے عشق میں بسر ہوتی تھی۔ میخانہ گئے، ایک جام چڑھایا اور مست و بیخود ہو کر جنگل کی راہ لی۔ سرور کم ہوا، درِ ساقی پر پہونچے اور چھک کر پھر صحرا کا رُخ کیا۔ میخانہ منزلِ قریب اور بیابان منزلِ ہجر ہے۔

غالب کے شعر کے معنے میرے ذہن میں یہ آتے ہیں کہ شبِ وصال معشوق کی زلفیں اس طرح بکھریں کہ ہر طرف سنبلستان نظر آنے لگا (گل کیا لفظی ترجمہ ہے "گل کرد" کا جسکے معنی شگفتہ ہونا ہیں) زلفوں کی سیاہی شب کی تاریکی پر غالب آگئی۔ شب گھونگھٹ کھا کر وہ تاریک حلقہ بن گئی جو شعلہ چراغ کے نیچے ہوتا ہے مگر خوبیٔ قسمت سے اس "ظلمات زلف" میں محبوب کا چہرہ نورانی چمکتا تھا اس طرح وہ نظارۂ نور و ظلمات تکمیل پذیر ہوا جسکی مثال اگر ملتی ہے تو چراغ کی لو میں جہاں نور اور تاریکی کا اجتماع ہوتا ہے مگر نور غالب رہتا ہے۔

میر جسکو دیکھا ہمنے اس وحشت کدہ میں دہر کے | یا سڑی یا خبطی یا مجنوں یا دیوانہ تھا

غالب ساتھ جنبش کے بیک برخاستن طے ہو گیا | تو کہے صحرا غبارِ دامنِ دیوانہ تھا

بسکہ جوشِ گریہ سے زیر و زبر ویرانہ تھا | چاکِ موجِ سیل تا پیراہنِ دیوانہ تھا

میر کا شعر معمولی ہے۔

غالب کے پہلے شعر میں "بیک برخاستن" کی مطلق العنانی یادگار ہے۔ مطلع میں بھی کوئی خاص بات نہیں شاعرانہ مبالغہ ہے۔

میر بعد خونریزی کے مدت بے حنا رنگیں رہا | ہاتھ اُسکا جو مرے لوہو میں گستاخانہ تھا

یہ قافیہ غالب نے نہیں کہا۔ میرا خیال ہے کہ اس سے بہتر کوئی کہہ بھی نہیں سکتا۔ لفظ گستاخانہ نے وہ کیف پیدا کیا ہے جسکا اعادہ تحریر میں ناممکن ہے

میر غیر کے کہنے سے مارا اُن نے ہمکو بیگناہ | یہ نہ سمجھا وہ کہ واقع میں بھی کچھ تھا یا نہ تھا

یہ قافیہ بھی غالب نے نہیں کہا ایسے ہی اشعار ہیں جنہوں نے میر کو خدائے سخن بنا دیا ہے۔ اور دنیائے ادب میں ہر کہ و مہ سے خراج تحسین وصول کر لیا۔ بیان و زبان کی آخری حدیں ہیں جہاں

الفاظ اور تخیل مین اسقدر اتحاد ہے کہ ایک مین کمی یا دوسرے مین بیشی ہو تو دونون بیکار ہو جائین
ایک جذبہ ہے جو مجسم اور مجسم ہو کر روح سے زیادہ لطیف ہو گیا۔

میر — صبح ہوتے وہ بناگوش آج یاد آیا مجھے — جو گرا دامن پہ آنسو گوہر یکدانہ تھا

غالب — موسم گل مین مئے گلگون حلال میکشان — عقد وصل دختِ رز انگور کا ہر دانہ تھا

میر کے شعر مین لطف استعارہ و حسن تعلیل ملاحظہ ہو۔

غالب نے موسم گل مین شراب کے جواز کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ دانہ انگور نے (جو حلال ہے)
دختِ رز سے سلسلہ قائم کر دیا نکاح پڑھا دیا۔

میر — شب فروغ بزم کا باعث ہوا تھا حسن دوست — شمع کا جلوہ غبار دیدۂ پروانہ تھا

غالب — رات دل گرم خیال جلوۂ جانانہ تھا — رنگ روئے شمع برق خرمن پروانہ تھا

دیکھ اسکے ساعد سیمین و دست پرنگار — شاخ گل جلتی تھی مثل شمع گل پروانہ تھا

شب ترحم تا بہ سر شعلۂ آواز سے — تار شمع آہنگ مضراب پر پروانہ تھا

میر نے عجب شعر کہا ہے حسن دوست سے بزم کی تجلی بڑھ گئی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نور شمع دیدۂ پروانہ
مین غبار (دھندلا) نظر آنے لگا۔ پروانہ جو شمع کا دلدادہ تھا شمع کے بجائے حسن دوست پر نثار ہونے
لگا جہان گرمی محفل کا یہ رنگ ہو۔ عاشقون کے سوز و گداز کی کیا حالت ہوگی۔

غالب کے مطلع کا ماخذ میر کا شعر ہے اگرچہ الگ کرنے کی کوشش کی ہے انھون نے ایک
خیالی محفل قائم کی ہے جسمین روئے جانان کا تصور برق خرمن پروانہ ہے۔ دونون مصرعون مین
بہت نازک ربط ہے دلکو پروانہ اور خیالی جلوہ جانانہ کو رنگ روئے شمع سے استعارہ کیا ہے۔

دوسرے شعر کی تخیل بھی وہی ہے جو مطلع کی۔ معشوق کی ساعد سیمین و دست حنا بستہ
دیکھکر شاخ گل مثل شمع اور گل مثل پروانہ جلنے لگا۔

تیسرے شعر مین بھی وہی تخیل جلوہ گر ہے۔ مگر لباس و منظر بدلا ہوا ہے۔ معشوق کے شعلۂ
آواز مین ایسا جادو تھا کہ تار شمع مین وہ آہنگ پیدا ہوا جو پر پروانہ کے مضراب مین تھا۔ شمع کی رگ جان
جلنے لگی اور وہ ترنم پیدا ہوا جو پر پروانہ مین شمع پر قربان ہونے وقت پیدا ہوتا ہے۔

تینون شعر نازک خیالی وجدت ادا کی عمدہ مثالین ہین۔ مگر انصاف سے دیکھیے۔ جو حدیا

میر نے اپنے شعر میں عالم کر دیئے ان سے آگے نہ بڑھ سکے۔

میر — رات اس کی چشم میگون خواب میں دیکھی تھی میں / صبح سوتے سے اٹھا تو سامنے پیمانہ تھا

غالب — شب کہ تھی کیفیت محفل بیاد روے یار / ہر نظر داغ مے خال لب پیمانہ تھا

داغ مہر ضبط بیجا مستیٔ سعی پسند / دود مجمر لالہ ساں دُرد تہ پیمانہ تھا

میر کے شعر میں عجیب تازگی و لطافت ہے (میں بمعنی مینے اب متروک ہے)

غالب کے دونوں شعروں میں اضافتوں کی بہتات سے دم الجھتا ہے۔ ان اشعار کے سمجھنے میں بہت دماغ لڑایا جو مطلب ذہن نشین ہوا عرض کرتا ہوں مگر اطمینان نہیں۔ اور حضرات بھی طبع آزمائی کریں۔

پہلے شعر کا مفہوم شاید یہ ہے کہ یاد روے دوست میں اہل محفل کا یہ عالم تھا کہ نظر داغ مے بن گئی تھی جو خال لب پیمانہ پر ہو یعنی ہر میخوار کی نظر ساغر پر جمی ہوئی تھی کہ دوست آئے اور ساقی گری کرے۔ ساغر نقطۂ نظر بنگیا تھا۔ [illegible] -

له داغ مہر ضبط الخ۔ پہلے دوسرا مصرع لیجئے۔ دود مجمر لالہ کی طرح دُرد تہ پیمانہ تھا۔ دل سوزاں مجمر ہے۔ اسکا دھواں داغ دل ہے جسطرح لالہ کے سینہ میں داغ ہوتا ہے (لالہ = آتش = دود = داغ لالہ) پھر دل پیمانہ ہے اور داغ (بوجہ کثافت) دُرد تہ پیمانہ (شراب کی تشبیہ آگ سے اور دل کی پیمانے سے بدیہی ہے۔ درد کی داغ سے بدیع۔ مگر قرین قیاس ہے) اب پہلا مصرع لیجے۔ داغ سعی پسند (پسند کی کوشش) کی بیجا مستی (مستی بیجا) کی مہر ضبط ہے۔ (خاموشی اور باز رہنے کا علم ہے) شعر کا مطلب یہ ہوا کہ مینے حقائق اشیا پر یہ امر دریافت کرنے کو غور کرنا شروع کیا کہ کون شے کس سے بہتر ہے کس کو کس پہ ترجیح ہے تاکہ میں اسی کو پسند اور اختیار کروں۔ مجھے معلوم ہوا کہ تمام موجودات عالم مثل اس دھوئیں کے ہے۔ جو مجمر سے بلند ہو رہا ہو ان کی بعینہ وہی حالت ہے جو داغ و لالہ کی۔ کہ جزو لالہ ہے مگر مختلف۔ یا درد تہ جام کی جو جزو شراب ہے مگر اس سے الگ۔ یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ کہ آگ سے دھواں کثیف تر ہے (اسی طرح سے لالہ سے داغ (باعتبار رنگ) شراب سے دُرد۔ اور یہ سب چیزیں اپنی بقا کے لیے اُن اشیا کی محتاج ہیں جن سے مستنبط ہیں۔ اگر آگ نہ ہو تو دھواں محال [illegible] داغ کہاں سے آئے شراب نہ ہو تو تلچھٹ کہاں۔ یہ بھی غور فرمائیے کہ مثال کے لیے

غالب نے وہ چیزین منتخب کی ہین جنکی مشابہت دل سے ہے (دُود بمر = دل سوزان داغ دل لالہ مع داغ = دل و داغ دل - درد تہ پیمانہ = دل و داغ دل) یعلم ہوا کہ ہر شئے جو کثیف و مادی ہے اپنی حیات و بقا کے لیے ایک لطیف جوہر کی محتاج ہے - اس کلیہ کا اعلان تمام مخلوقات عالم پر ہوتا ہے - اس احساس نے انہین چیزون (یعنی مجمر و لالہ و دُل) کی طرح میرے دل پر بھی ہر داغ ثبت کی (درجہ عشق حاصل ہوا) میرے ہونٹ سی دے - "بیجا مستی سعی پسند" ینکو ہش کی مخلوق کی حقیقت کا انکشاف ہوگیا مگر خالق کی کنہ ذات سے محروم رہا جو در اصل منشا سعی تھا - لہذا مین اپنی کوششون کو رائیگان سمجھا - اور اپنی سعی پر نادم و شرمندہ و خاموش ہوا - اسقدر کوشش بلیغ کے بعد یہ خاموش اعتراف ناکامی خود ایک بلند درجہ معرفت کا ہے جسکا حصلہ داغ یا دوسرے لفظون مین عشق ہے - غالبًا اسی فلسفیانہ خیال کا دوسرا شاہد غالب کا یہ مشہور شعر ہے -

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہین سکتی　　چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

میر　رحم کچھ پیدا کیا شاید کہ اُس بے رحم نے　　گوش اُسکا شب دہر تا آخر افسانہ تھا

غالب　شب کہ باندھا خواب مین آنیکا غافل نے جلع　　وہ فسون وعدہ میرے واسطے افسانہ تھا

حیرت اپنی نالہ بیدرد سے غفلت بنی　　راہ خوابیدہ کو غوغائے جرس افسانہ تھا

میر کہتے ہین کہ شاید اُس بیرحم کے دلمین کچھ رحم پیدا ہو چلا ہے - مین اپنا فسانۂ دل کہتا رہا اور وہ بے خبر سو یا کیا مگر کروٹ اسی طرف تھی جس سے خیال ہوتا ہے کہ افسانہ مین دلچسپی لینے لگا ورنہ پہلے تو جہان مین نے قصہ شروع کیا وہ دوسری طرف کروٹ لیکر سو گیا)

غالب کا پہلا شعر چیستان کا حکم رکھتا ہے - غالبًا یہ لفظ جناح کاتب کی غلطی ہے - شاید جلاغ ہو جسکے معنی "شرط بدنا ہین" معشوق نے مجھے خواب مین شرط بدی کہ مین ضرور آونگا اس وعدہ کا ایسا جادو چلا کہ پھر مجھے ہوش ہی نہ آیا - ہمیشہ محو خواب رہا -

دوسرے شعر کا مطلب شاید یہ ہے کہ نالۂ بیدرد (ایسا نالہ جو بیدرد ہے) نے میری حیرت کو غفلت مین بدل دیا حالانکہ نالہ کا مطلب یہ تھا کہ کوچ کے لیے تیار ہو جاؤ یعنی نالہ کو صدائے جرس تھا مگر میرا افسانہ تھا (راہ خوابیدہ = راستہ مین سونے والا) کہ میرے حق مین نالہ جرس نے

بجائے ہوشیار کرنے کے افسانہ کا کام کیا میری غفلت اور بڑھا دی۔

میر میر بھی کیا مست طافح تھا شراب عشق کا لب پہ عاشق کے ہمیشہ نعرۂ مستانہ تھا

غالب جوش بے کیفی ہے اضطراب آرا اسد ورنہ بسمل کا تڑپنا لغزش مستانہ تھا

غالب کے "جناح" یا "جناغ" سے میر کے "طافح" کا مقابلہ کیجیے۔ انہوں نے ایک غیر مانوس لفظ کو کس سلیقہ سے صرف کیا ہے۔ میر کے شعر کا مطلب صاف ہے۔ میر شراب عشق سے ایسا چھکا ہوا تھا کہ لب پر ہر وقت نعرۂ مستانہ رہتا تھا۔

غالب کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ جن کے دل میں جوش بے کیفیتی ہے (جو بوالہوس یا حقیقت ناآشنا ہیں) وہ بسمل کا تڑپنا دیکھکر مضطرب ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ رقص بسمل میں ساقی کی لغزش مستانہ کا کیف ہونا چاہیے جو اسقدر ولولہ انگیز ہو کہ ہم خود گلا خنجر قاتل کے نیچے رکھدیں۔

اثر (لکھنوی)

مہاتما گاندھی، ہر روز صبح چار بجے اٹھتے ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد عبادت میں معروف ہو جاتے ہیں ختم عبادت کے بعد، موصولہ خطوط کو پڑھتے ہیں، ۶ بجے ناشتہ کرتے ہیں، اسکے بعد خطوط کا جواب لکھواتے ہیں، صبح سے شام تک ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، مہاتما جی ہر شخص سے اسکے مذاق کے موافق گفتگو کرتے رہتے ہیں شام کے ساڑھے چھ بجے آپ سیر کو تشریف لیجاتے ہیں اور ۸ بجے واپس آکر عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں، بعد الفراغ عبادت ۱۰ بجے شب کو آرام فرماتے ہیں۔

مہاتما گاندھی پہلے ہر دوشنبہ کو چپ کا روزہ رہتے تھے، اب آپ نے ہر منگل کو اور بدھ کو صوم سکوت شروع کر دیا ہے، سارے دن چپ رہتے ہیں، اسکے علاوہ وہ عموماً چار گھنٹے چپ رہتے ہیں،

آزادی

اے مردو!!! تم جو اس بات پر شیخی بگھارتے ہو، کہ ہم بہادر اور آزاد باپوں کی اولاد ہیں
جب تک روئے زمین پر ایک غلام بھی موجود ہے کیا تم حقیقی طور پر آزاد اور بہادر ہو؟
اگر تم اُس زنجیر کو محسوس نہیں کرتے جو تمہارے ایک بھائی کے لیے مضرت رسان ہے۔
تو کیا تم درحقیقت غلام نہیں؟ اور غلام بھی وہ جو آزادی کے مستحق نہ ہو۔

(۲)

اے عورتو!!! تم جو ایک دن ایسے بچے پیدا کروگی، جو امریکہ (ہندوستان) کی ہوا میں سانس لیں گے؛

اگر تم اپنی اُن بہنوں کے متعلق جو قید غلامی میں ہیں ایسی باتوں کو سنکر جن سے خون سُرخ لاوے کی طرح رگوں میں دوڑنے لگتا ہے بغیر شرمندہ ہوئے سن لیتی ہو۔ تو تم اس بات کا جواب دو!

کہ آیا تم بہادر اور آزاد بیٹوں کی مائیں بننے کے قابل ہو؟

(۳)

کیا سچی آزادی یہی ہے؟ کہ تم غلامی کی زنجیروں کو اپنے فائدے کی خاطر توڑ لو۔
لیکن چمڑے کے دلوں سے اُس فرض کو جو بنی نوع انسان کا تمہارے ذمہ ہے۔ بھول جاؤ۔ حقیقی آزادی یہی ہے کہ تم بھی ان زنجیروں کو پہنو!!
جو تمہارے دوسرے بھائی پہنے ہوئے ہیں۔
اور دل و جان سے دوسروں کو آزاد کرانے کی سر توڑ کوشش کرو!

(۴)

وہ لوگ غلام ہیں جو پست اور کمزور قوموں کی حمایت کرنے سے ڈرتے ہیں۔ وہ لوگ

غلام ہین جو دوسرے لوگون کی حقارت اور طعن و تشنیع کے ڈر سے اُس سچی بات کی کہنے سے جو انہین ہر حال مین کہنی چاہیے باز رہتے ہین اور اسکے متعلق سکوت اختیار کر لیتے ہین۔

وہ لوگ بھی غلام ہین جو چند شخصون کا جو صراطِ مستقیم پر ہین۔ ساتھ دینے کی جسارت نہین کرتے۔

صادق ڈیرہ غازیخان

(سودل جیفؔ رسل)

یہ باتین کرنی چاہیئن اچھا خیال اچھا کام شیرین گفتگو۔

یہ باتین سیکھنی چاہیئین۔ محنت۔ استقلال۔ پختہ ارادہ۔

ان باتون کو قابو مین رکھنا چاہیے۔ اپنا غصہ۔ اپنی زبان اپنی خواہش۔

یہ باتین آدمی مین ہونا چاہئین عقلمندی۔ زندہ دلی۔ نیک چلنی۔

ان باتون سے نفرت کرنی چاہیے۔ بزدلی۔ گھمنڈ شیخی۔

ان باتون کے لیے لڑنا چاہیے۔ اپنی آبرو۔ اپنا ملک۔ اپنا دوست

ان باتون کا خیال رکھنا چاہیے۔ تعلیم۔ تعظیم۔ زیبائش۔

یہ باتین اچھی معلوم ہونا چاہیئے صاف دلی۔ خوش دلی۔ ملنساریت۔

ان باتون سے دل خوش ہونا چاہیے۔ فراخدلی۔ حسن۔ خودمختاری۔

یہ باتین ترک کرنی چاہئین۔ فضول گوئی۔ فضول خرچی۔ فضول مذاق۔

(منقول)

محبّت کا کھیل

(۱)
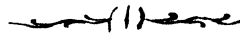
رات تاریک تھی آسمان پر چارون طرف کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور موسلادھار بارش ہو رہی تھی بادل کی گرج اور بجلی کی چمک نے ایک خوفناک منظر پیدا کر رکھا تھا۔ موہن اپنے خس پوش مکان مین بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا تھا مٹی کا ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ ایک گوشہ مین رکھا ہوا ہوا کے تیز و تند جھونکون کا مقابلہ کر رہا تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی اور بارش اپنے پورے شباب پر تھی۔ موہن کبھی کبھی دروازہ کی ٹٹّی ہٹا کر باہر دیکھ لیا کرتا تھا۔ مگر تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا ہان بجلی کی چمک اس منظر تاریک کو رہ رہ کر چمکا دیا کرتی تھی

موہن آج خلاف معمول اسوقت تک بیدار تھا۔ شام ہی سے اسکے دل کو ایک الجھن تھی اور باوجود کوشش کے نیند نہ آتی تھی اُسکے بشرے سے پریشانیٔ قلب کا اظہار ہو رہا تھا۔

خدا خدا کرکے بارش بند ہوئی، موہن چادر مین منھ چھپا کر لیٹ گیا۔ ابھی نیند نہ آئی تھی کہ دروازہ پر کچھ کھٹکا معلوم ہوا اور وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔

آواز آئی "کیا اس مکان مین کوئی موجود ہے۔؟ موہن پر خوف کے آثار طاری ہوگئے۔ اسکا دل دھڑکنے لگا مگر اُسنے ہمت سے کام لیکر دروازہ کی ٹٹّی ہٹائی، دیکھا کہ دروازہ پر ایک سوار کھڑا ہے جسکا تمام جسم ایک سیاہ لبادے میں پوشیدہ ہے۔

موہن نے دریافت کیا "آپ کون ہین اور اسوقت مجھ سے کیا کام ہے" "آئیے اندر تشریف لاے" سوار نے تشکر آمیز لہجہ مین جواب دیا "نہین مین یہان زیادہ دیر نہین ٹھہر سکتا۔ صبح قریب ہے، اور مجھے صبح ہونے سے پہلے بہت کچھ کرنا ہے بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ اس بچہ کو دن نکلنے تک اپنے پاس رکھ لین۔ یہ کہکر اُسنے لبادہ کے نیچے سے ایک شیرخوار بچہ نکالا۔ موہن مشکوک نگاہون سے سوار کو دیکھنے لگا اور ہنوز اسکی زبان سے ایک حرف بھی نہ نکلا تھا کہ سوار نے پھر کہا، آپ کچھ شک نہ کیجیے مین سوگند کھاتے

سے پہلے ہی واپس آکر اس بچہ کو آپ سے لے جاؤنگا"

بادل پھٹ گیا تھا اور ماہتاب کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی موہن نے دیکھا کہ سوار کے لباس سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ اسکے چہرے سے مایوسی و پریشانی ظاہر ہے اور اسکی نگاہیں ہمدردی کی طلبگار ہیں۔ موہن سے انکار نہ کیا گیا اور اُسنے بچہ کو سوار کی آغوش سے لے لیا سوار نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اسکا نام دریافت کیا۔ اور گھوڑے کی باگ موڑ کر چلدیا۔

صبح ہوئی سورج نکلا، موہن نے حوائج ضروری سے فارغ ہوکر تھوڑا سا گائے کا دودھ بچہ کو پلایا اور سوار کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ شام ہوگئی رات گذر گئی حتی کہ دوسرا دن بھی ختم ہوگیا مگر سوار واپس نہ آیا۔ موہن اب اسکی واپسی سے مایوس ہوکر اس بچّہ کی پرورش پر کمربستہ ہوگیا۔

(۲)

تاج پور کی پہاڑی میں ایک چھوٹا سا موضع تھا جس میں زیادہ تر خس پوش مکان تھے اور عموماً کاشتکاروں کی آبادی تھی گانوں کے تین طرف مرتفع زمین تھی اور ایک جانب سرسبز و شاداب پہاڑ موہن کے کھیت اسی پہاڑی کے دامن میں تھے۔

موہن اگرچہ ایک معمولی کسان تھا مگر اُسکے اخلاق اور پرخلوص ہمدردی نے گانوں والوں کو اُسکا شیفتہ بنا رکھا تھا۔ اسکی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی، بیوی کے مرنے پر دیرینہ عنفوان شباب ہی میں داغ مفارقت دیگئی تھی) اُسنے دوسری شادی نہ کی، اور خدمت خلق کے واسطے اپنی بقیہ زندگی وقف کردی۔ اُسکے کوئی اولاد نہ تھی اسلئے گانوں کے بچوں ہی سے اسکو محبّت تھی اور انھیں کو وہ اپنی اولاد سمجھتا تھا۔

کچھ دنوں بعد موہن کے نام ایک منی آڈر آیا۔ کوپن پر لکھا تھا "یہ روپیہ موہنی کے واسطے ہے" آج موہن کو معلوم ہوا کہ جس لڑکی کی پرورش وہ چند ماہ سے کررہا تھا اُسکا اصلی نام موہنی ہے، اسی طرح وقتاً فوقتاً کبھی کہیں سے کبھی کہیں سے موہن کے نام روپیے آتے رہے مگر بھیجنے والے کا کچھ پتہ نہ چلا۔

(۳)

موہنی کی عمر سات برس کی ہوئی تو موہن نے اسکو گانوں کے مدرسہ میں بھیجدیا جہاں اُسنے چند سال میں ہندی لکھنا پڑھنا بخوبی سیکھ لیا جب اسکی عمر گیارہ سال کی ہوئی تو گھر کا کام کاج خود اپنے ہاتھ

سے کرنے لگی اور دوپہر کا کھانا تیار کرکے روزانہ موہن کے واسطے کھیت پر لیجانے لگی۔

موہن کے گھر سے کچھ فاصلہ پر ایک پیپل کا پرانا درخت تھا جسکے سایہ مین ایک چھوٹی سی کٹی بنی ہوئی تھی، یہان کسی زمانے مین ایک بوڑھا سادھو رہتا تھا جسکو مرے ہوئے مدت ہوچکی تھی مگر گانون والے آجتک اس جگہ کو متبرک سمجھتے تھے اس کٹی کے ایک طاق مین چند قلمی کتابین اس سادھو کی لکھی ہوئی رکھین تھین جنکا مطلب کسیکی سمجھ مین نہ آتا تھا۔

موہنی جب گھر کے کام سے فرصت پاتی یا دوپہر کا کھانا کھیت پر پہنچاکر واپس آتی تو اس کٹی مین جا بیٹھتی اور ان کتابون کی ورق گردانی کیا کرتی۔ موہن جب شام کو گھر واپس آتا اور موہنی کو نہ پاتا تو وہ اسی کٹی مین جاتا۔ اور اسکو کسی نہ کسی کتاب کے مطالعہ مین مصروف پاتا۔ موہن نے اکثر اسکو سمجھایا کہ ان کتابون کے دیکھنے سے کیا حاصل انکا مطلب تو سمجھ مین آتا ہی نہین، مگر موہنی کا شوق برابر بڑھتا گیا اور جسقدر فرصت کا وقت اُسے ملتا وہ انہین کتابون کے مطالعہ ہی مین صرف کرتی رفتہ رفتہ ان کا مطلب کچھ کچھ اسکی سمجھ مین آنے لگا۔ اور اسکی دلچسپی بڑھگئی۔ یہ تصوف کی کتابین تھین جنمین دنیا کی بے ثباتی، اہل دنیا سے بے تعلقی اور مالک حقیقی کا عرفان حاصل کرنے کا ذکر تھا۔

(۲)

موہن کے خود تو کوئی لڑکا نہ تھا۔ مگر گھر مین دو معصوم ہستیان موجود تھین جنمین سے ایک کا نام موہنی تھا اور دوسرے کا پریم، پریم موہن کے ایک قریبی عزیز کا لڑکا تھا جو اپنے باپ کی وفات پر موہن کی سرپرستی مین پرورش پا رہا تھا۔ ابتدا مین تو موہنی اور پریم ایک ساتھ رہتے تھے مگر گانون کی معمولی تعلیم کے بعد جب موہن نے پریم کو دوسرے گانون کے ایک انگریزی اسکول مین بھیجدیا تو مسلسل ملاقات کا سلسلہ قائم نہ رہا پھر بھی جب تعطیل کے زمانہ مین پریم تاچند روز آتا تو اکثر موہنی ہی کے ساتھ پہاڑی پر کھیلا کرتا وہ موہنی سے دو تین سال عمر مین بڑا تھا۔ دونون کے معصوم دلون مین بچپن ہی سے محبت پیدا ہوگئی اور عمر کے ساتھ ساتھ یہ پاک محبت بھی ارتقائی مدارج طے کرتی گئی۔ آخر پریم اپنی تعلیم ختم کرکے گانون مین واپس آگیا اور مستقل طور سے وہین رہنے لگا۔

ایکدن شام کے وقت پریم اور موہنی حسب معمول چٹان پر بیٹھے ہوئے آبشار کی روانی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور دو معصوم دماغ صناعی فطرت کی موشگافیون مین مصروف تھے اسوقت پریم معمول

ے زیادہ موہنی کو خوش پاکر کہنے لگا، موہنی مین تم سے بہت محبت کرتا ہون۔ موہنی محبت کا نام سنکر
ل پڑی اور پریم کے چہرے کو غور سے دیکھکر بولی" پریم! محبت وہ محبت جسکا ہر شخص دعویدار ہے حقیقت
ں محبت نہین محبت صرف وہ ہے جسمین غرض شامل نہو دیکھو یہ جھرنا مالک حقیقی کی محبت مین جانے
ب سے روان ہے اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔ اسکی ہر موج مین محبت کی لہر ہے، اسکی
انی مین محبت کی لطیف اور پاک جھلک نمایان ہے۔ آؤ آج سے ہم اور تم دونون عہد کرلین کہ
یا مین کسی سے محبت نکرینگے بلکہ صرف محبوب حقیقی سے دل لگائینگے۔ دنیا اور اُسکی ہر شے فانی ہے
رف ذات معبود ہی باقی ہے اسلیے ہمکو صرف اُسی سے محبت کرنی چاہیے" پریم کے دل پر کچھ ایسا اثر
اکہ اُسنے فوراً سر تسلیم خم کردیا اور دونون چٹان پر سربسجود ہوگئے۔

(۵)

موہن بیمار ہوا اور ایسا بیمار کہ زندگی کی امید منقطع ہوگئی۔ اُسنے موہنی کو اپنے پاس بلایا،
سکے سر پر ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور کہا۔

" پیاری موہنی مین تمہارا باپ نہین ہون" موہنی یہ سنکر چونک پڑی۔ اور حیرت زدہ
ہوکر بولی۔

" دادا، ایسی بات کیون کہتے ہو جسکو کوئی باور نہین کرسکتا، کیا تمنے مجھے بیٹی کی طرح پرورش
نہین کیا؟ کیا گاؤن والے مجھے تمہاری بیٹی نہین سمجھتے؟"

" ہان یہ درست ہے لیکن حقیقت مین تم میری لڑکی نہین ہو، کیونکہ میرے یہان تو ساری عمر
مین کوئی اولاد ہی نہین ہوئی۔

" اور پریم، کیا وہ بھی تمہارا لڑکا نہین ہے؟"

" ہان، پریم بھی میرا بیٹا نہین" اسکے بعد موہن نے تمام گذشتہ واقعات موہنی کو سنائے ا
موہنی پر تعجب کے ساتھ رنج وغم کے آثار چھاگئے اور اُسکا خوبصورت چہرہ اداس ہوگیا۔

موہنی کی غمگین صورت دیکھکر موہن کے دل پر خاص اثر ہوا مگر وہ مجبور تھا اور اپنے آخری
وقت مین موہنی کو اصلی حالات بتانا ضروری سمجھتا تھا اگرچہ آج سے پہلے اُسنے کوئی بات اُسکے
متعلق نہ کبھی اور ہمیشہ موہنی کے ساتھ باپ کی طرح شفقت و مہربانی سے پیش آتا رہا۔

آخر اُسنے کہا "بیٹی موہنی! میری آرزو تھی کہ پریم کے ساتھ تمہاری شادی ہوتی۔ میری کل زمین اور گھر کا اثاثہ تم دونون کے واسطے ہے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو مین بڑی خوشی کے ساتھ جان دیتا" موہنی ابھی جواب نہ دینے پائی تھی کہ موہن کی زبان ہمیشہ کے واسطے خاموش ہوگئی۔

موہن کو مرے ہوئے چند ماہ گذر گئے، پریم ہمہ اوقات موہنی کی خدمت اور خاطرداری مین مصروف رہنے لگا اسکو اس خدمت مین ایک دلی مسرت اور روحانی خوشی حاصل ہوتی تھی موہنی کی محبت ابتدا ہی سے اسکے دلمین گھر کر چکی تھی، اور دن بدن ترقی پذیر تھی۔ وہ اکثر موہنی کے پاس بیٹھا ہوا اسکی صورت دیکھتا اور محبت بھری نگاہون کے وسیلے سے اظہار محبت کرتا رہتا۔ موہنی یہ سب کچھ دیکھتی اور دل ہی دل مین سوچتی کہ آخر اسکا انجام کیا ہوگا۔ اگرچہ پریم کی سچی محبت کی وہ دل سے قدر کرتی تھی اور اُسکا صلہ دینا اُسکے اختیار مین تھا مگر وہ دنیا کی اس کشمکش سے آزاد رہنا چاہتی تھی۔ کیونکہ دنیا کی طرف سے اسکا دل افسردہ ہو چکا تھا۔

(۶)

سردی کے زمانہ مین صبح کے وقت پریم اور موہنی انگیٹھی کے پاس بیٹھے ہوئے سرگرم گفتگو تھے کہ دروازہ پر ایک رتھ آکر رُکی اور اُسمین سے ایک حسین عورت ریشمی ساری باندھے ہوئے اُتر کر گھر مین چلی آئی۔ موہنی اسکو دیکھکر اپنی جگہ سے تعظیماً اُٹھ کھڑی ہوئی، آنیوالی عورت نے بڑے پیار سے موہنی کو گلے لگالیا اور پیار سے اسکی پیشانی کو بوسہ دیا،

موہنی دیکھتی رہی لیکن پریم نے ایک چادر زمین پر بچھا دی اور وہ دونون اُسپر بیٹھ گئین۔ حسینہ نے حسرت آمیز لہجہ مین کہا۔ "پیاری موہنی آہ مین کب سے تیرے دیکھنے کی آرزومند تھی۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد آج تیرا پتہ ملا۔ بیٹی مین تیری ماں ہون۔

"تم میری ماں ہو! مین نے تو اپنی ماں کو کبھی دیکھا ہی نہین"۔

"ہاں ہاں مین بدنصیب ہی تیری ماں ہون۔ نصیب کا لکھا نہین مٹتا۔ آج پندرہ برس کے بعد مین تجھے دیکھ رہی ہون"۔

"اور میرے باپ کہاں ہین؟"

"تیرے باپ کو مرے ہوئے مدت ہوئی، تیری عمر ایک سال کے قریب تھی جب اُن کا انتقال

"موہنی نے حسینہ کے سراپا پر غور سے نظر ڈالکر کہا -
" مگر مین تو تمہارے جسم پر سُہاگ کے نشان دیکھتی ہون "
" ہان اُن کے مرنے کے بعد تمہارے نانا نے میری شادی دوسری جگہ کردی تھی اور ....
نا کہکر حسینہ کی زبان رک گئی حسینہ کی زبان سے یہ الفاظ سنکر موہنی کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور اُسکی پیشانی
بل پڑگئے - اور آنکھون مین ایک نفرت آمیز چمک پیدا ہوگئی - وہ حسینہ کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھکر
ی حسینہ نے بہت کچھ کوشش کی کہ موہنی کے دل سے اُسکی بدگمانیان دور کرکے اسکو اپنے ساتھ
جائے مگر موہنی نے صاف صاف کہدیا کہ ایسی عورت کو جسنے اپنے شوہر سے بیوفائی کی ہو وہ اپنی
ن نہین سمجھتی اور نہ اُسکے گھر جاسکتی - آخر حسینہ مجبور ہوکر بادل ناخواستہ اُٹھی اور للچائی ہوئی نگاہون
سے موہنی کو دیکھتی ہوئی واپس چلی گئی -

(۷)

اس واقعہ کے بعد موہنی بالکل افسردہ و غمگین رہنے لگی - وہ گھنٹون مُنھ لپیٹے پڑی رہتی اور
پنے گذشتہ و موجودہ حالت پر غور کرتی - پریم کی باتون مین بھی اُسکا دل نہ لگتا - دنیا اسکی نگاہون
ن تاریک سے تاریک تر ہوگئی تھی - پریم کے دلپر بھی موہنی کے تغیر حال کا بہت اثر تھا وہ حتی الامکا
سکو خوش رکھنے کی کوشش کرتا مگر ہمیشہ ناکامیاب رہتا - آخر ایک دن رات کی خاموشی و تاریکی
ن موہنی گھر سے نکلی اور غائب ہوگئی - پریم کو اُسکی گم شدگی کا بے حد صدمہ ہوا - جہان تک ہوسکا
دوڑ دھوپ کی مگر اسکا پتہ کہین نہ چلا -
موہنی گھر سے نکلکر سیدھی ریلوے اسٹیشن پر پہنچی اور تن بتقدیر پریاگ کا ٹکٹ لیکر گاڑی مین
سوار ہوگئی - اسوقت وہ عجیب کشمکش کا شکار ہورہی تھی ، کبھی پریم کا خیال آتا اور واپسی کی
خواہش کرتا کبھی گذشتہ واقعات یاد آکر اسے بیچین کردیتے -
اُسی گاڑی مین ایک ضعیف العمر رئیس شام بابو بھی سوار تھے وہ موہنی کی اس حالت
اضطراب کو غور سے دیکھ رہے تھے -
اگلے اسٹیشن پر گاڑی پہونچی ہی تھی کہ ایک مال گاڑی سے ٹکرا گئی - یہ تصادم اگرچہ بہت

خفیف تھا کیونکہ اس گاڑی کی رفتار سست تھی اور مال گاڑی بالکل غیر متحرک تاہم انجن اور کئی گاڑیون کو نقصان پہنچا اسباب اُلٹ پلٹ گیا بعض بعض مسافر بھی زخمی ہوئے موہنی کے ڈبے کو بھی اس زور کا جھٹکا پہونچا کہ وہ گھبرا گئی۔ خدا خدا کرکے گاڑی کو سکون ہوا۔ مسافر پلیٹ فارم پر گھبرا کر اُترنے لگے۔ اسٹیشن کے سارے ملازم گاڑی کے پاس جمع ہو گئے، اسی ہنگامے مین موہنی بھی گاڑی سے نیچے اُتر آئی۔ شیام بابو نے جلدی سے قلی کو آواز دی۔ اسباب نیچے اُتروا دیا اور اس اتفاقی حادثہ سے محفوظ رہنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

موہنی ایک طرف چپ چاپ کھڑی تھی۔ اسٹیشن پر ایک ہنگامہ محشر برپا تھا مگر اسے اپنا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ آخر شیام بابو نے اسکی معصومانہ نظر کو پہچان لیا اور قریب جا کر بولے "بیٹی۔ کیا کوئی تیرے ساتھ نہین" موہنی نے معصومانہ انداز سے کہا "پرماتما کے سوا کوئی نہین" شیام بابو نے کہا "اچھا تو آج سے میری دھرم کی بیٹی ہے مجھے اپنا باپ سمجھ اور میرے گھر چل۔" موہنی اس ہنگامہ سے اسقدر متاثر تھی کہ جھجکا چپ ہو گئی۔ قاعدہ ہے کہ مصیبت دوستی کی کسوٹی ہوتی ہے اور مصیبت زدہ، شریک مصیبت کو درست سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ موہنی کا دل بھی شیام بابو کی مخلصانہ پرستش کو بزرگانہ شفقت پر محمول کرنے لگا۔

غرض شیام بابو موہنی کو لیے ہوئے گھر پہنچے۔ مکان مین صرف پیاری شیام بابو کی بہن تھی شیام بابو نے پیاری سے موہنی کا تعارف کرایا۔ پیاری نے محبت سے موہنی کو گلے لگا لیا اور عزیزانہ خلوص کا اظہار کرنے لگی۔

موہنی کو یہان رہتے ہوئے چند ماہ گذر گئے اُسنے اپنے حسن اخلاق اور حسن خدمات سے شیام بابو اور پیاری کے دل مین کافی جگہ پیدا کر لی اور سچ مچ اُس گھر کی چشم و چراغ بن گئی۔

دالان مین ایک خوبصورت تصویر آئنہ مین جڑی ہوئی آویزان تھی جسکے نیچے سندر بابو لکھا ہوا تھا۔ موہنی کا دل خود بخود اس تصویر کی طرف کھچتا تھا۔ اور وہ اکثر خاموش بیٹھی ہوئی ٹکٹکی لگائے اسکو دیکھا کرتی تھی۔ جہانتک وہ غور کرتی اسکو اپنے ہی خط و خال اس تصویر مین نظر آتے، اصل مین یہ تصویر موہنی سے اسقدر مشابہ تھی کہ اگر مردانہ خط و خال تصویر کے چہرہ سے نکال دیئے جاتے تو وہ ہوبہو موہنی بن جاتی۔ ایکدن اُسنے پیاری سے دریافت کیا کہ یہ تصویر کسکی ہے۔ پہلے تو پیاری نے ٹالا مگر بالآخر

موہنی کے اصرار سے مجبور ہو کر اُسنے بتایا کہ یہ تصویر پیاری کے شوہر (سندر بابو) کی ہے جو عرصہ سے لاپتہ ہے۔

(۸)

پیاری کی سہیلی تارا کی بڑی لڑکی سمرتی کی شادی ہونے والی تھی جسمین پیاری کی شرکت ضروری تھی۔ وہ موہنی کو اپنے ہمراہ لیکر تارا کے گھر پہنچی۔ جیسے ہی مکان کے اندر قدم رکھا موہنی کی نظر اُس عورت پر پڑی جو ایک سال پہلے تاجپور مین اُسکے یہان گئی تھی اور اپنے آپ کو موہنی کی مان کہتی تھی۔ تارا کی صورت دیکھتے ہی موہنی کو گذشتہ واقعات یاد آگئے اور اُسنے پیاری سے گھر واپس چلنے کی ضد کی۔ تارا بیتابی کے ساتھ موہنی کی طرف لپکی اور اسکو اپنے سینہ سے لگا لینا چاہا مگر موہنی نے اسکی جانب سے منھ پھیر لیا تارا کا دل بھر آیا۔ اسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اُسنے موہنی سے کہا کہ گھر واپس نہ جائے بلکہ اپنی بہن کی شادی مین شریک ہو مگر موہنی نے ایک نہ مانی اور واپس چلی گئی۔ تارا ایک چیخ مار کر زمین پر گر پڑی اور بیہوش ہوگئی۔

مراسم شادی ختم ہوئے لڑکی رخصت ہوگئی مگر تارا کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ بدستور بستر علالت پر پڑی رہی۔ ہرچند علاج کیا مگر اسکی حالت روز بروز بدتر ہوتی گئی۔ نہ کچھ کھاتی تھی اور نہ کسی سے بات کرتی تھی یا تو خاموش بیٹھی رہتی یا روتی۔ پیاری کو تارا کی یہ حالت دیکھکر بہت صدمہ ہوا اور تیمارداری کے واسطے رُک گئی۔

پیاری کو یہان رہتے ہوئے ایک ہفتہ گذر گیا مگر تارا کی حالت مین کوئی نمایان فرق نہوا آٹھوین دن صبح کے وقت تارا نے پیاری کو اپنے پاس بلایا اور اپنے شوہر کو بلانے کے واسطے کہا جب وہ آگئے تو تارا نے آنچل مین منھ چھپا کے کہا۔

"سوامی مین آپ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوتی ہون۔ موت میری سر پر کھیل رہی ہے اور مین کوئی دم کی مہمان ہون۔ مین چاہتی ہون کہ اس آخری وقت مین اُس راز کو آشکارا کر دون جسکو آجتک میرے سوا کوئی نہین جانتا اور جسکے بوجھ سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے شاید اس بھید کو ظاہر کرنے کے بعد آسانی کے ساتھ جان نکلے"۔

آہ مین گنہگار ہون، مین نے اپنی پیاری بہن پیاری کا گھر برباد کیا اور آپ کو اپنی

جھوٹی محبت کے جال مین پھنسا لیا - سندر بابو میری وجہ سے آوارہ وطن ہوا جسکا آجتک پتہ نہین اِتنا کہکر تارا بے اختیار رونے لگی اور بیہوش ہو گئی - بڑی کوشش کے بعد تارا کو کچھ ہوش ہوا اور اُسنے پھر کہنا شروع کیا - موہنی میری آنکھون کا تارا ہے اسے کیا معلوم کہ مین اسکی ماں ہون، موت میرے سر پر کھڑی ہے اسلیے مین وہ سب کچھ کہے دیتی ہون جو میرے دل مین ہے - موہنی کو مینے بچپن ہی مین چھوڑ دیا تھا - لیکن اِمتا آجتک میرے دل مین ہے مجھے ایک خاص ذریعہ سے سندر بابو کے اس منی آرڈر کی اطلاع ملی تھی جو انھون نے موہن کے پاس موہنی کے لیے روانہ کیا تھا اور مین ایک مرتبہ ماتما سے مجبور ہوکر اسی پتہ سے موہنی کے پاس گئی تھی - مگر آہ، موہنی نے میری قدر نہ کی -

"سوامی جی! پیاری بہن!! مین تم دونون کی خطا وار ہون - ہائے مین تمھین منھ دکھانے کے لائق نہین بس اب۔ آرزو ہے کہ تم دونون میرا قصور معاف کر دو تاکہ میری جان آسانی کے ساتھ نکل جائے - آہ موہنی تو نے ایک مرتبہ بھی مجھے ماں کہکر نہ پکارا، تجھے کیا خبر کہ تیری جدائی مین مین نے کسطرح زندگی گذاری، کاش اسوقت تو میری آنکھون کے سامنے ہوتی - اچھے سوامی مجھے معاف کرو، پیاری بہن! میری خطا سے درگذر و - دیکھو میرا دم گھٹا جاتا ہے اور مین تمھاری زبان سے "معافی کا مژدہ جان بخش سننے کی مشتاق ہون پیاری موہنی سے کہدینا کہ وہ بھی مجھے معاف کرے اور اگر کبھی سندر! بابو آجاہین تو . . . ." یہ کہتے کہتے تارا کی زبان بند ہو گئی آنکھین پتھرا گئین اور وہ ہمیشہ کے واسطے خاموش ہو گئی -

(۹)

پیاری اور تارا بچپن سے ایک ساتھ کھیلی تھین ان کے مکان ایک ہی محلہ مین تھے - شیام بابو اور سندر بابو بھی ہم عمر اور ہم سبق تھے اور یہ چارون اکثر ایک جگہ کھیلا کرتے تھے تارا پیاری کی بہ نسبت حسین تھی - اسکی شوخی اور تیزی طبع نے بچپن ہی مین سندر بابو کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا - وہ پیاری کے مقابلہ مین ہمیشہ تارا کو ترجیح دیتا اور اسکی تعریف کیا کرتا دونون کی عمرون کے ساتھ ساتھ محبت بھی بڑھتی گئی - یہانتک کہ دونون ایک دوسرے کے پرستار بنگئے - جوان ہونے پر اگرچہ وہ پہلی سی بے تکلفی باقی نہ رہی مگر اکثر در پردہ دونون اپنی اپنی محبت کا اظہار کیا کرتے

تھے۔

سندر بابو کی نسبت پیاری کے ساتھ ہوئی اگرچہ اُسنے اسکی بہت کچھ مخالفت کی مگر تقدیر کا نوشتہ مٹ نہین سکتا والدین کے خوف نے اسکو مجبور کر دیا شادی ہوگئی لیکن پیاری کی تمنا پوری نہ ہوئین ادھر پیاری پریشان تھی، ادھر سندر بابو کشمکش مین مبتلا تھے۔ ایکدن موقع پاکر پیاری نے سندر بابو کے قدمون پر گر پڑی۔ اور اپنی محرومیٔ قسمت کا سبب پوچھا بچپن کی محبت اور دلداری یاد دلائی مگر سندر بابو نے بجز خاموش رہنے اور حسرت آمیز نگاہون سے دیکھنے کے کوئی جواب نہ دیا۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ کے اندر ہی سندر بابو اور تارا غائب ہوگئے۔ وہ گھر سے نکلکر بنارس پہنچے جہان تارا کے بطن سے موہنی پیدا ہوئی۔ موہنی ابھی سال بھر کی بھی نہ ہوئی تھی کہ تارا کی طبیعت نے پلٹا کھایا وہ رات دن سندر بابو کو طعنے دیتی اور برا بھلا کہا کرتی اور آخرکار ایکدن سندر بابو کی عدم موجودگی مین موہنی کو چھوڑکر وہان سے چلدی اور ایک خط لکھکر رکھ گئی جسمین سندر بابو کو برا بھلا لکھا تھا کہ اب مری تلاش نہ کرو میرا دل دنیا سے بیزار ہو چکا ہے۔ سندر بابو کو تارا کے غائب ہو جانے سے بہت صدمہ ہوا۔ شہر بھر مین اسکی تلاش کی مگر تارا کا نشان نہ ملا، مجبور ہو کر موہنی کو لیکر چلدیئے اور اسکو موہن کے سپرد کرکے خدا معلوم کہان چلے گئے۔ تارا اپنے گھر پہنچی اسکے والدین نے ابتک اسکی گمشدگی کو پوشیدہ رکھا تھا، اور آخر اسکی شادی دوسری جگہ کر دی

(۴)

تارا کے مرنے کے بعد پیاری اپنے گھر واپس آئی اور موہنی سے سب واقعات دوہرائے اور اسکو پیار کیا، اور کہا کہ اب صرف موہنی ہی سندر بابو کی حقیقی یادگار اُسکے پاس ہے موہنی کو جب معلوم ہوا کہ راز افشا ہو گیا تو دن بدن افسردہ و پژمردہ رہنے لگی۔ پیاری اور شیام بابو ہر طرح اسکی دلجوئی کرتے مگر موہنی کے دل سے خوشی مفقود تھی۔ وہ اس دنیا مین خوش رہنے کے لیے پیدا ہی نہ ہوئی تھی۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے موہنی کو پریم کی یاد آئی۔ اُسکی محبت اور اپنی بے وفائی کا خیال کرکے وہ کانپ اُٹھی، اُسی حالت اضطراب مین اُسنے ایک خط لکھا۔

"پیارے پریم! مین جانتی ہون کہ تم مجھے ضرور یاد کرتے ہوگے مین تمہین یقین دلاتی ہون کہ تمہاری محبت ہنوز میرے دل مین ہے۔ آہ وہ بھی کیا زمانہ تھا جب ہم دونون پہاڑی پر کھیلا کرتے تھے۔ ہائے پریم تم مجھے بیوفا اور احسان فراموش کہوگے اور تمکو کہنا بھی چاہیے۔ مین نے واقعی تمہاری سچی محبت کی قدر نہ کی اور تم سے بے وفائی کی مگر قسمت مین ایسا ہی لکھا تھا۔ اب میرا دل زندگی سے سیر ہو چکا ہے، دنیا مین میرے واسطے مصیبت ہی مصیبت ہے مین ایسی زندگی سے موت کو بہتر سمجھتی ہون۔ تم بھی اب مجھے اپنے دل سے بھلا دو مین اپنی مصیبت کی داستان اسوقت تمکو سنانا نہین چاہتی اور نہ میرے پاس اسقدر وقت ہے کہ مین اپنی پوری سرگذشت لکھون۔ مین اپنا پتہ بھی نہین لکھتی تاکہ تمکو میری جستجو مین اپنا وقت ضائع نہ کرنا پڑے۔ اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی شاید مین اس دنیا سے گذر جاؤن۔ ہان اتنا جتائے دیتی ہون کہ آخری وقت تک تمہاری محبت کو اپنے دل سے لگائے رکھونگی۔

تمہاری بے وفا موہنی

پریم موہنی کے ملنے سے ناامید ہو چکا تھا، اُسنے سمجھ لیا تھا کہ موہنی اب دنیا مین موجود نہین ہے اور اسلئے وہ اسکی طرف سے مایوس ہوکر زندگی کے دن گذار رہا تھا موہنی کی یاد اکثر اسے ستاتی اور وہ دل مسوس کر رہ جاتا۔ اُسنے بی موہن کی روش اختیار کر لی تھی اور اسیکی طرح گانون والون کی خدمت کرنا اپنا شعار بنا لیا تھا۔

جسوقت موہنی کا خط پریم کو ملا اُسکا جسم خوشی سے کانپنے لگا۔ مضمون پڑھکر بے اختیار رونے لگا اُسنے بار بار خط کو پڑھا، اسکی تمنا تھی کہ کسی طرح اپنی زندگی مین ایکبار موہنی کو دیکھ لیتا۔ مگر کوئی تدبیر سمجھ مین نہ آئی آخر بے چارہ خاموش ہوکر بیٹھ رہا۔

(۱۱)

رات کے دس بج چکے تھے، آسمان ابر آلو تھا اور ہلکی ہلکی پھوار پڑر ہی تھی، پریم اپنے گھر مین تنہا بیٹھا ہوا سر بزانو اپنے خیالات مین مستغرق تھا۔ آج خلاف معمول اسکے دلکو ایک نامعلوم اضطراب تھا۔ موہنی کی یاد خصوصیت سے اسکو ستا رہی تھی اور وہ بار بار ٹھنڈی سانسین بھر رہا تھا۔

یکایک دروازے پر کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی پریم چونک پڑا اور کان لگا کر غور سے سننے لگا نرم و نازک لہجے مین کسی کے کراہنے کی آواز آنے لگی۔ پریم اپنی خلقی ہمدردی سے مضطرب ہوکر باہر نکل آیا دیکھا کہ ایک عورت دروازہ پر پڑی ہوئی دم توڑ رہی ہے۔ پریم اسکو اُٹھا کر اندر لیگیا اسکے جسم سے بھیگی ہوئی چادر اُتار کر کمبل اوڑھایا اور انگیٹھی مین آگ بھر کر اُسکے پاس رکھدی اب اُسنے اُسکے چہرہ کو غور سے دیکھا اور بیساختہ چلا اُٹھا "موہنی آہ پیاری موہنی!! تم کہان!! موہنی کے جسم مین گرمی آچکی تھی اُسنے آنکھ کھولکر تشکر آمیز اور شوق انگیز نگاہین پریم کے چہرہ پر ڈالین اور لبون پر ایک خفیف مسکراہٹ نمایان ہوگئی پھر نحیف آواز مین کہا،

"پیارے پریم! تم میری زندگی سے نا امید ہو چکے ہوگے۔ تمنے میری جدائی مین واقعی تکلیف اُٹھائی ہوگی، آہ! میری سیہ بختی نے تمھین بھی ناشاد و نامراد رکھا، مین تمھاری ہون اور شکر ہے کہ پھر تمھارے پاس آگئی۔ اب تمکو گھبرانے کی ضرورت نہین مین بڑی مشکلون سے تم تک پہونچی ہون، آج میری زندگی کا آخری دن تھا۔ لیکن مین ارادہ کر چکی تھی کہ مرنے سے پیشتر تم سے ضرور ملونگی چنانچہ خدا نے کامیاب کیا۔ پریم مین اپنی کہانی تمھین سناؤنگی۔ لیکن اسوقت زہر کا اثر، پریم مین کیا کہہ گئی نہین نہین میری زبان سوکھ رہی ہے سر پھٹا جارہا ہے مین سونا چاہتی ہون پریم مجھے پانی پلادو اب اگر مین دنیا مین رہونگی تو تمھاری ہو کر رہونگی، ورنہ معاف کرنا: یہ کہکر کمبل سے مُنھ لپیٹ کر سو رہی۔

پانی زور سے برسنے لگا جھونپڑی کہین کہین سے ٹپکنے لگی۔ پریم اپنے آپے مین نہ تھا۔ موہنی کی باتون نے ہوش و حواس مین برہمی پیدا کر رکھی تھی زہر کا نام یاد آتا تو اسکی روح افسردہ ہو جاتی اور وہ ایک مایوسی کے عالم مین جھونپڑی سے باہر سر نکالکر دیکھنے لگتا۔ رات کا وقت بارش کا زور، باہر سے بھی کسی امداد کی توقع نہ تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ موہنی نے اپنی منحوس زندگی کے خاتمہ کے لیے سنکھیا سے مدد لی تھی، وہ ایک مستقل مزاج عورت تھی اُسنے پریم کو خط لکھتے وقت ہی ارادہ کرلیا تھا کہ وہ جلد اس دنیا کو چھوڑ دیگی۔ اسنے اپنی رائے مین کوئی ترمیم نہ کی۔ ہان صرف اتنا اضافہ کردیا کہ مرنے سے پیشتر پریم کو دیکھ لے۔ چنانچہ وہ شام بابو کی نظر بچا کر ایک روز گھر سے نکلی اور دن بھر کے لگاتار سفر کے بعد، اس پہاڑ کے دامن مین پہونچگئی جہان پریم مسکن گزین تھا۔ نرم و نازک عورت

اور پھر دن بھر کی تھکی ہوئی ایک جھاڑی مین چھپکر سو رہتی آنکھ کھلی تو طبیعت نڈھال تھی بدن مکان سے چور ہو رہا تھا اسنے آسمان کیطرف دیکھا اور ساڑی کے آنچل سے سنکھیا کی پڑیہ کھولکر جلدی سے پھانک گئی۔
اب تاریکی پھیل چکی تھی بارش کا سامان زیادہ ہوتا جاتا تھا موہنی قدم اُٹھاتی ہوئی پریم کے مکان کیطرف بڑھی جھونپڑی کے سامنے زمین چکنی تھی دفعتًا پاؤن پھسلا اور وہ گر پڑی۔

اسوقت موہنی چارپائی پر منھ لپیٹے پڑی تھی پریم کی حالت عجیب تھی وہ چاہتا تھا کہ موہنی کو جگاکر اُس سے باتین کرے کمبل ہٹانا چاہتا تھا لیکن اسکی تکلیف کے خیال سے ہمت نہ پڑتی۔

ابھی صبح نہوئی تھی کہ پریم نے اضطراب قلب سے مجبور ہوکر موہنی کے چہرہ سے کمبل ہٹاہی دیا۔ لیکن موہنی کے بجائے ایک بیجان مجسمہ تھا۔ شانہ ہلایا مگر نہ موہنی نے کروٹ لی اور نہ کوئی جواب دیا۔ پریم نے چراغ لیکر اُسکو غور سے دیکھا نبض پر ہاتھ رکھا لیکن موہنی کو کچھ خبر نہوئی وہ تو ابدی نیند سے مست ہوچکی تھی، پریم کے ہاتھ سے چراغ چھوٹ گیا اور منھ سے ایک چیخ نکل گئی وہ موہنی کے بے حس و حرکت جسم پر گرکر ہمیشہ کے واسطے بیہوش ہوگیا۔ اس طرح ایک کو دنیا کی کشمکش سے اور دوسرے کو فراق کی مصیبت سے نجات ابدی حاصل ہوئی۔

سیّد رازؔ چاندپوری

فن طباعت مین اکثر ممالک مین محرک کتابون کی صورت مین رائج ہوا تھا اسی وقت سے اسوقت تک جتنی کتابین زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہین، انکے متعلق مختلف اندازے لگائے گئے ہین، ایک مستند ماہر کا خیال ہو کہ پندرھوین صدی مین ....۴ سولھوین صدی مین ...۷۵ سترھوین صدی مین ....۱۲۵،۱ اٹھارہوین صدی مین .....۲۰۰،۲ اور انیسوین صدی مین .... ۸۲۵ کتابین چھپی ہین ان تمام کی مجموعی تعداد ۱۲۱۱۰۳۰۰ ہوتی ہے ان کے علاوہ ....۱۵ رسائل بھی ہین، بیسوین صدی مین ہر سال ....۲۸ کتابین چھپتی رہین اور گزشتہ ۲۲ سالونمین .....۴۴ کتب چھپین ان تمام کتابون کی مجموعی تعداد اب ....۱۶۵ ہے قلمی کتب، سرکاری رپورٹ اور وقتی رسائل الگ ہین،

(معارف)

سید نظام الدین مدھنایک

جس طرح برادران ہنود نے فارسی شاعری اور بعض علوم اسلامیہ مین اپنی علمی دلچسپی کا اظہار کیا ہے اسی طرح اہل اسلام بھی ہندؤن کے ادبیات مین حصہ لیکر بہت کچھ شہرت حاصل کر چکے ہین یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو دلائل و براہین کی ضرورت سے بے نیاز ہے، ملک محمد جائسی، محقق برنی، فیضی، عبدالقادر بدایونی اور انکے مثل بزرگان سلف کی روشن ترین ہستیان اور ان کے علمی کارنامے اس دعوی کی شاہد عدل ہے۔

اس تمہید سے میرا یہ مدعا نہین کہ فریقین کا ایک دوسرے کی علمی خصوصیات پر متوجہ ہونا بعض عارضی اغراض پر مبنی تھا اور ہندی یا اسلامی علوم مین فی نفسہ مذاق سلیم کو جذب کر لینے کا مادہ نہ تھا یہ تو بداہتہً غلط ہوگا کیونکہ ادب اور شعر تو خصوصیت سے علم کے ایسے نمایاں ترین شعبے ہین جو صرف انھین لوگون کو اپنی طرف کھینچتے ہین جنمین فطری طور پر رقت قلب و انجذاب محبت کا مادہ لطیف ودیعت ہوتا ہے اور یہ مادہ جس درجہ آزادی ذوق و تصفیہ خیال کا باعث ہوجایا کرتا ہے اسکا اظہار تحصیل حاصل ہے۔

بہرحال یہ امر طے شدہ ہے کہ شاعری ہر زبان کی ہندی ہو یا غیر ہندی اپنے اندر کچھ نہ کچھ ایسے دلفریب اور غیر معمولی اسباب تفریح رکھتی ہے جو بڑی حد تک جاذب ذوق و نظر ہوتے ہین اور اسی لیے شاعری مین قومیت و زبان کا سوال چندان ضروری نہین -

فارسی اور اُردو شاعری پر عہد حاضر کے رسائل مین آئے دن ذمہ دار اہل قلم کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہین اور اب ان مباحث نے ایسی اکثریت اختیار کر لی ہے کہ اس طرف سے عموماً لوگون کی توجہ کم ہو گئی ہے،

زمانہ مین بھاشا شاعری کے متعلق دو ایک مضمون میری نظر سے گذرے ہین یہ دیکھکر مجھے بھی شوق ہوا کہ اسی موضوع پر اپنی ناچیز معلومات پیش کرون - ساتھ ہی ہندو مسلم اتحاد کی

مبارک تحریک نے یہ خیال پیدا کیا کہ "بھاشا" بزرگان ہنود کی خاندانی اور قومی خصوصیت ہے۔ مسلمانون کا شغف بھاشا کے ساتھ البتہ قابل اعتبار ہوگا۔ اسلیے اس سلسلہ کی ابتدا کرنے کے لیے ذیل مین سید نظام الدین المتخلص بہ مدھنایک بلگرامی کی ہندی شاعری پر مختصر تبصرہ مع ضروری حالات کے ناظرین کی نذر کرتا ہون۔

تعارف خاندانی

سید بدھا بلگرامی بلگرام کے مشہور صاحب سجادہ بزرگون مین سے تھے انہین کے سلسلہ مین سید نظام الدین ہین جن کے والد سید علاء الدین مرحوم سید صدر جہان کے پوتے تھے۔

تعلیم اور تکمیل استعداد

ہوش سنبھالنے کے بعد ابتداً نظم و نثر کا شوق ہوا اور اس فن کو سندھ کے استادان عصر سے حاصل کرکے شعر گوئی مین کمال پیدا کیا اور فارسی مین اتنی قابلیت بہم پہنچائی کہ بڑی بڑی دقیق درسی کتابین بے تکلف پڑھانے لگے۔

آخر مین علوم ہندی کی طرف توجہ ہوئی تو شہر بنارس کا سفر اختیار کیا اور وہان کے مستند علما و ماہرین فن سے سنسکرت اور بھاشا کی مکمل تعلیم پائی۔ پھر اسی سلسلہ مین موسیقی مین اتنی مہارت پیدا کی کہ علم ناد و تال اور سنگیت مین انکا کوئی حریف نہ تھا۔ بڑے بڑے پنڈت اور کملائے فن ان کی تحقیق و نکتہ رسی کا دم بھرتے تھے اور اطراف و جوانب سے استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔

مدھنایک تخلص کرتے تھے، فن موسیقی مین دو کتابین بھی ان کی یادگار ہین۔ ناد چندرکا اور مدھنایک سنگار۔ گوتے اب تک بعض بعض گانے کے وقت انکا نام لیتے اور کان پر ہاتھ رکھتے ہین۔ کان پر ہاتھ رکھنا یا کان پکڑنا ہندوستان کے قدیم تمدن کا ایک طرز ادب ہے۔ مرزا صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت مین بھی یہی مروج تھا۔

آتش نفسان گوش بہ تعظیم بگیرند ہر جا کہ من سوختہ را نام بر آید

اخلاقی خصوصیات

سید صاحب کا شمار ان کے زمانہ کے نہایت باوضع اور کامل فن بزرگون مین تھا۔ سخاوت و مروت تو گویا انکی امتیازی خصوصیت ہے، خلق و انکسار کا یہ عالم تھا کہ لوگ ہر وقت گھیرے رہتے تھے اور ان کی پیشانی پر شکن نہ آتی تھی۔ لطیفہ گوئی اور علم مجلسی مین اتنا کمال تھا

کہ مہذب سے مہذب مجلس مین بھی صرف انہین کا مذاق صحبت کامیاب ہوتا تھا۔

متفرق واقعات علامہ آزاد بلگرامی نے سید نظام الدین کے کمالات موسیقی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے متعلق ایک روایت لکھی ہے جو بیان درج کیجاتی ہے۔اس روایت سے ناظرین کو ان کے تقدس نفس اور مہارت فن کا اندازہ ہو جائے گا۔

ایک دفعہ بلگرام مین امساک باران سے خلق خدا سخت پریشان ہوئی اور قحط کی صبر شکن تنگیاں عام ہو گئین تو سید محمد فیض بلگرامی سید نظام الدین کی خدمت مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ زمانۂ سلف کے ناموں سے بہت سے تصرفات کا اظہار ہوا ہے جو عموماً لوگون کی زبان پر ہین، آجکل قحط سے بندگان خدا تباہ حال ہین اگر کوئی تصرف ممکن ہو تو ظاہر فرمائیں۔سید صاحب نے فرمایا " بندہ عاجز ہے، خدا کو ہر بات پر قدرت ہے، اور سید محمد فیض کے گھر جاکر ایک چوکی منگوائی اور اسپر بیٹھکر راگ مسگیھ شروع کیا۔

سید صاحب کا گانا اسقدر پُر کیف اور وجد آور ہوتا تھا کہ انسان تو انسان بعض وقت جانور بھی مست ہو جاتے تھے، ابھی گانے کا آغاز ہی تھا کہ بادل گھر آیا حالانکہ اس سے پہلے نام کو بھی ابر نہ تھا۔ سید محمد فیض نے کہا " حضرت کو بہت تکلیف ہوئی، اظہار تصرف کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ مگر اسپر کوئی التفات نہ کیا اور برابر گانے مین مصروف رہے، یہانتک کہ چارون طرف سے بادل گھر کر پانی برسنا شروع ہوا اور اتنا برسا کہ طوفان کی نوبت آگئی۔ اہالیان قصبہ بہت ممنون ہوئے اور سید محمد فیض نے بہت معذرت کی۔

سید صاحب بلگرام کی ایک نازک ادا حسینہ کو دل دے بیٹھے تھے اور اسکی محبت مین اس قدر غلو رکھتے تھے کہ زندگی اسکے لیے وقف کر دی، چونکہ جذبات محبت غیر مصنوعی تھے اور بڑی حد تک اغراض نفسانی سے پاک۔ اسلئے دلدادہ کے ساتھ دلربا بھی محبت کا شکار ہوئی۔سید صاحب نے زمانے کو موافق نہ دیکھکر محبوبہ کو ساتھ لیا اور شاہ آباد مین حسب قاعدہ مذہبی رسوم نکاح ادا کرنے کے بعد سکونت اختیار کی، نواب کمال الدین خان والی شاہ آباد سید صاحب کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے، اور ان کی مدت قیام تک برابر انکی مہانداری مین مصروف رہے

وطن کیطرف معاودت اور وفات

بعد چندے وہاں سے طبیعت اُچاٹ ہوئی اور بلگرام مین بھی ان کے خلاف شورش فرد ہو گئی تو وطن کا رُخ کیا اور پھر عرصہ تک قیام وطن کے لطف اُٹھاکر بتاریخ یکم رمضان المبارک ۱۰۹۹ھ وفات پائی۔

کبت

اب ہم ان کے چند کبت با ترجمہ درج کرتے ہین جس سے ان کی بھاکا شاعری کا پایہ معلوم ہو سکے گا۔

"کاری کجراری، انیاری جگ موھنی کو تن بیچ تاری ات تزل تریری ہین"
"جیسی ہین ساوک جاوک جل بھر مین پھرکین سو کیہون ریت نہ گمبھیری ہین"
"لال مدھنایک جو میرو من موھنی کو تپ پنجری پنجر رہت نہ ہیری ہین"
"ساو کی سودھا رسو بھا بھا دھکار ایسی ہین کی کھلونان نین پیاری سری ہین"

ترجمہ

تیری سیاہ، ز کدار سرگین، اور مردم فریب آنکھونکی لالہ گون سطح پر مردمک چشم اس ادا سے متحرک ہین گویا چھوٹی چھوٹی مچھلیان سرخ پانی مین شوخیان کر رہی ہین۔

مین مدھنایک کہتا ہون تیری چشم نظر فریب قفس نقاب مین بھی آزادی سے مصروف دلربائی ہے، اور میری طرف نگران، پھر تیرے ریشمین دوپٹہ نے نقاب کی سنبھال مین جو حسن پیدا کر دیا ہے اسکا تو بیان بھی امکان سے باہر ہے۔ بہر حال اے مجسمہ ناز! تیری آنکھین حسن مجسم کا بازیچہ ہین،

جو چتر ان چت چڑھے نہ بدھی بدھ بیدن گرنتھ نہ گائے
بھارتی بھوری کری بھیر من جب جوگن جوگ ایستہ نہ بھائے
جو لکھ جوت جگی نہ لکھی مدھنایک گھونگھٹ چنچل تائے
جیون دو کول جبھی جھلکی اچھ برا جبت اچھ رجھائے

نقاب کے اندر تیری آنکھون مین جو خوشنمائی معلوم ہوتی ہے ملائک اسکا اندازہ لگانے سے قاصر ہین، اور کتب سماوی اسکے وصف سے عاجز، ناطقہ خود رفتہ و سرگردان ہے، اور زاہد و مرتاض اپنی سعی گردانی و ریاضت سے زیادہ اسکی تعریف مین تر زبان؛

(قول مدھنایک، تری آنکھین ترے برق تاب چہرہ پر اسطرح ضیا پاشی مین مصروف
ہین کہ نقاب کی حرکت ان کی نور افشانی مین کمی پیدا نہین کرسکتی بلکہ اس باریک
پردہ مین ان مین ایسی ایسی بے مثل خوبیان پیدا ہوگئی ہین کہ زمانہ کی آنکھین
گرویدہ ہوئی جاتی ہین -

"کوؤ کہے چند کی مرکنک آنک دیکھیت کوؤ کہے چھایا چھیت بھوتل پر کاسس کی"
"کوؤ کہی اندھکار بیو تھی سو دیکھیت کوؤ کہی کا لمان کا تنک انیلتا کاس کی"
"مد کہی سار ہر لینھون کرتار سب تاہی کی سنواری بھا ان کا ہہ کی بلاس کی"
"تارل تین چہائی چھید پڑے ہین چھپاکرکے دار پار دیکھیت نیلتا اکاس کی"

چاند کے سیاہ داغون کو کسی نے کہا --------- ماہتاب کی سواری مین جو آہوے سیاہ
ہین یہ انکی سیاہی ہے۔ کسی نے کہا --------- زمین کا سایہ چاند پر ہے -----
یہ اسکا اثر ہے"، کوئی بولا" ماہتاب نے عشق و محبت کیا اسی سے یہ سیاہی پیدا
ہوگئی ہے۔ مین مدھنایک کہتا ہون کہ اللہ نے چاند کا خلاصہ نور و خوبی لیکر اس نازک
اندام مہ لقا کی تخلیق کی اسیلیے چاند مین سوراخ ہوگیا اور ان سوراخون سے آسمان کی
سیاہی نظر آنے لگی -

سبحان اللہ کیا لطیف اور نازک جذبات ہین اور کسقدر پاکیزہ تشبیہین۔ نہ اردو فارسی کے
عام اور صوفیانہ شاعری کی طرح رقیب اور اغیار کے ہنگامے ہین نہ معشوق کے ہرجائی پن کا تذکرہ
پھر خیالات مین وہ بلندی اور جاذبیت کہ باید وشاید -

ابوالولا محمد زکریا مائل

ہندوستان کی ۳۱ کرور آبادی مین ۴۹ فیصدی کنوارے ہین اور ۴۶ فیصدی شادی شدہ
اور ۵ فیصدی رنڈوے ہین،
عورتون مین ۳۴ فیصدی کنواری ۴۸ فیصدی شادی شدہ اور ۱۸ فیصدی بیوہ ہین

تنقید کتب

انگریزون نے پنجاب کسطرح لیا

اس کتاب مین وہ تمام واقعات وحالات شرح وبسط کے ساتھ مندرج ہین، جو مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب کے بعد پنجاب مین وقوع پذیر ہوئے۔ مؤلف نے تاریخی واقعات کو روشنی مین لاکر انگریزون کی ان حکمت عملیون کا راز فاش کرنے کی کوشش کی ہے، جو پنجاب کو قبضے مین لانے کے لیے وقوع پذیر ہوئین لیکن مولف نے اس کوشش مین سنجیدگی اور متانت کا دامن اپنے ہاتھ سے قطعًا چھوڑ دیا ہے۔ اور صرف تصویر کے ایک رخ کو نمایان کرنے مین کامل سرگرمی کا اظہار کیا ہے، کتاب کے مطالعہ کے بعد ایک منصف مزاج شخص فورًا یہ رائے قائم کرسکتا ہے، کہ مولف موصوف قوم پرستی کی دھن مین واقعات پر ٹھنڈے دل سے تبصرہ نہین کرسکا ہے، انشاپردازی اول تو کتاب مین بہت کم شامل ہے، کیونکہ تحریر سے پنجابی اُردو کی جھلک کافی طور پر نمایان ہے، اور اگر کسی حد تک انشاپردازی مان بھی لی جائے تو وہ فریق کی مخالف تنقیص وسرزنش مین صرف ہوئی ہے، ٹائیٹل پر مہاراجہ دلیپ سنگھ کی تصویر بھی دیگئی ہے۔

اس کتاب کے مولف بھائی ٹھاکر سنگھ سودھی ہین اور چھوٹی تقطیع کے ۲۰۷ صفحو نپر ختم ہوئی ہے کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت ٹائیٹل پر تحریر نہین ہے

ملنے کا پتہ ، بھائی جیر سنگھ، جیون سنگھ، کتب فروش بازار ماہیدان امرتسر،

بزم اُردو

یہ نظم ونثر کا ایک جدید انتخاب ہے جسکے مرتب، احمد عارف صاحب، حیدرآبادی ہین، آپ نے کوشش کی ہے کہ اس انتخاب مین ملک کے بہترین شعرا، اور انشاپردازون کا کلام جمع کیا جائے جو جماعت مڈل کے طلبا، کے لیے مفید ثابت ہو۔ سچ یہ ہے کہ آپ اس کوشش مین

بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

حصہ نظم میں اکثر وہی نظمیں ہیں جو ایسے انتخاب میں شامل ہوتی رہتی ہیں مثلاً لاڈلا بیٹا جوانمردی کا کام، حب وطن، بے اعتدالی، وغیرہ جو مولانا حالی کی مشہور نظمیں ہیں اور اس سے پہلے کورس میں بار بار شامل کیجا چکی ہیں۔ اسیطرح جاڑا اور گرمی، خواب راحت وغیرہ، جو مولوی محمد اسمعیل کے گذشتہ انتخابات میں شامل تھیں اور نیچے درجوں میں پڑھائی جاتی تھیں ہم سے یہ مراد نہیں کہ اس قسم کی نظمیں اب درس میں قایم ہی نہ رکھی جائیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ترقی کیطرف نظر رکھی جائے اور شعرائے جدید کی وہ نظمیں جنکے مطالب و محاسن ان پیش کردہ نظموں کے دوش بدوش ہوں۔ داخل نصاب کیجائیں۔ اس سے ایک طرف تو طلبا کے معلومات میں نیا اضافہ ہوتا رہے گا، اور دوسری طرف ملک میں اچھی نظمیں لکھنے کی تحریک ہوگی مرتب حضرات کو اسبات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جو نظمیں اونچی جماعت کے کورسوں میں انتخاب کی جا چکی ہیں انھیں اونچے درجے کے نصاب تعلیم میں نہ شامل کریں کیونکہ ترقی میں تنزلی اور بلندی میں پستی کا رنگ ہرگز پسندیدہ نہیں ہوتا

ادبیات اردو میں، غزلیات، رباعیات کا درجہ اتنا پست نہیں کہ انھیں انتخاب میں نہ شامل کیا جائے طلبا کو ادب اردو کے ہر صنف سے آگاہ کرنا چاہیے۔ ورنہ معلومات کی تکمیل نہیں ہو سکتی،

بہرصورت یہ انتخاب مفید اور دلچسپ ہے اور اس سے مولف کی دماغ سوزی اور قابلیت کا پتہ چلتا ہے،

کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت دیدہ زیب قیمت عہ

ملنے کا پتہ، حکیم احمد عارف حیدرآبادی، گھنٹہ گوشہ محل، حیدرآباد دکن۔
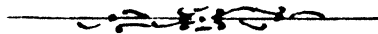
آریوں کی پہلی آمد ہندوستان میں

(۱)

وہ دیکھ کہ موجیں رقص کناں ، ہیں سطح زمیں پر گنگا کی
نووارد آریہ حیرت میں ، ہیں دیکھ کے شان اس دریا کی
گنگوتری سے آتی ہے چلی ، اٹکھیلیاں کرتی دھار اُس کی
آزادی ہے تیور سے عیاں ، متوالی ہے رفتار اُس کی

(۲)

اُتر کی طرف جب اُٹھتی ہے ، اس قافلہ مغرب کی نظر
پڑتی ہوئی کرنیں سورج کی ، ہیں دیکھتے برف کے تودوں پر
پر قلۂ کوہ ہمالہ پر ، عظمت کے ہیں بادل چھائے ہوئے
سیتوں کو ہیں تانے دیو کھڑے ، امبر سے سروں کو ملائے ہوئے

(۳)

برگد کے درختوں کے جنگل ، پھیلے ہیں پہاڑ کے دامن میں
شاخیں ہیں جو اُنکی سایہ فگن ، ظلمت کا سماں ہے ہر بن میں
پھرتے ہیں وہ ہاتھی مست یہاں ، ہر دیو کا جنکے قد یہ گماں
یہ کالی گھٹا جب دوڑتی ہے ، آتا ہے نظر ہیبت کا سماں

(۴)

ہیں رنگ برنگ کے پھول کھلے ، زینت ہے چمن کی شباب ان کا
کھولا ہے نسیم سحر نے ابھی ، کس شان سے بندِ نقاب ان کا

آئے ہین مسافر ہند مین جو، خیبر کے درے سے اُتر کے ابھی
دیکھے تھے اُنھون نے یہ لالہ و گل، یا سیر کی وادی مین نہ کبھی

(۵)

طائر بھی یہان پیدا ہین کئے، قدرت نے عجب گارنگ و حسین
گر زمزمے اُن کے رسیلے سُن لین، یاد آئے اُنھین فردوس برین
اندر کے اکھاڑے کی پریان، گاتی ہین جو دلکش راگنیان
یہ لوچ سُرون مین اُن کے نہین، یہ سوز گلون مین اُن کے کہان

(۶)

سورج کی چمکتی ہوئی کرنین، ہین چھیڑتی ٹھنڈی ہواؤن کو
بھر دیتی ہین نور و حرارت سے، باغون کو اور اُن کی فضاؤن کو
سوتی ہوئی سوتین چشمون کی، اُٹھتی ہین سب آنکھین مل مل کر
دھارین ہین جو برف کے پانی کی، آتی ہین پہاڑون سے چل کر

(۷)

اے آریو! آؤ قدم رکھو، اِن حُسن بھرے گلزارون مین
جنّت کے مزے لوٹو گے سدا، اس پاک زمین کی بہارون مین
تم گنگ و جمن کے کنارون پر، شہر اپنے نئے آباد کرو،
گا گا کے بھجن، کرکر کے ہون، ہو جاؤ مگن، دل شاد کرو،

وحید الدین سلیم پانی پتی

”ماں“
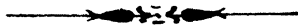
کی یاد میں پسر بیٹے کے ذاتی جذبات

یہ تمنا تھی مری، دنیا میں اے پروردگار
اپنی ماں کی قبر کا ہوتا مجاور، کاش میں

اسطرح اک ذات اقدس کا تو ہوتا سوگوار
یونہی اکب کھتا ہوں سینہ میں دل بشاش میں

بیٹھکر آنسو بہاتا - اپنی ماں کی قبر پر
جب فزونِ غم سے دل بیتاب ہو جاتا بہت

لوگ پھر مجبور کر سکتے نہ مجھکو صبر پر
ایسی طفلیتوں کا سدِ باب ہو جاتا بہت

یوں نہ ہرگز ضائع ہو سکتے مرے قطرات اشک
سینچتا ان سے ہمیشہ سبزۂ تربت کو میں

پھر نہ اپنی قدر کھو سکتے یہ مرے قطرات اشک
دونوں عالم سے سمجھتا بڑھکے اس قسمت کو میں

گو جوانی میں مری آثارِ پیری آگئے
عہدِ طفلی کی مگر اب بھی ادا موجود ہے

سب اگرچہ سازِ ہستی کو مرے ٹھکرا گئے
اب بھی لیکن اسمیں اک دلکش صدا موجود ہے

آہ، وہ دلکش صدا وہ پاک نغمہ ہے یہی
پیارا بیٹا اپنی ماں کا میں ہر اک حالت میں ہوں

کوئی دنیا میں ذرا مجھکو ستائے تو سہی
میں بہت محفوظ ماں کے دامن شفقت میں ہوں

آہ لیکن کسقدر ہے یہ حقیقت دلخراش
میں ہوں زندہ اور زندہ میری ماں باقی نہیں

دل ہے ٹکڑے ٹکڑے میرا اور جگر ہے پاش پاش
گرچہ میں بچہ نہیں کمسن نہیں نادان نہیں

اِک زمانہ ہو چکا ہے، ایک مدت ہو چکی
اپنی ماں سے دُور میں ہوں، اور مجھسے دور ماں

زندگی کی میں سمجھتا ہوں نہایت ہو چکی
اب مجھے ملجائیگی اس شکل مری پھر ماں

میرا مالک دیگا جنت میں وہی جنت مجھے
یعنی حاصل ہوگا، "ماں" کا دامن شفقت مجھے

ارشد تھانوی

جذباتِ فطرت

از محمد مبین نازش بدایونی

یہ کرشن کا مقدر کیٹے برج میں جوانی
نئی چھب ہو گوپیوں کی رہے ہر گھڑی سہانی

کہیں مور کو کتے ہیں کہیں جھومتے ہیں بادل
کہیں بلبلوں کا اُٹھنا کہیں لہر کی روانی

سُنی پی کہاں کسی ذوق بندھا نیا تصور
کہ اُبھر کے دلمیں چوٹیں بنیں دشمن جوانی

ہو صدائیں بانسری کی گئیں منہ شونگی گھر تک
چلیں تُلسی بن کیجانب یہی سب نے جیمیں ٹھانی

وہ نگاہ شوخ جسپر ہوں نثار اہل گوکل
وہ رسیلی آنکھ جسمیں ہو شراب ارغوانی

اُٹھی برج سے گھٹا جب قدم اسطرح بڑھائے
یہ پکار اُٹھی جمنا کہ گلے گلے ہے پانی

کبھی آنکھ کے اشارے کبھی پٹ سے بند کرنا
کبھی دل ستان ادائیں کبھی چھیڑ کچھ زبانی

وہ کنول سے پاؤں پوجے تو گگن میں ہو برہمن
نئے پھول نیلوفر کا اُسی پاؤں کی نشانی

گری موتیوں کی مالا تو چمک اُٹھے ستارے
نظر آگیا زمین پر ہمیں دورِ آسمانی

ہوئیں برقِ خرمن دیں وہ ستم نما نگاہیں
نہ حجاب کی سُنی کچھ نہ حیا کی بات مانی

سہرا

بتقریب شادی بابو سری نراین نگم بی اے سلمہ

(۱)

۲ر جون کو اڈیٹر زمانہ کے فرزند اکبر سری نراین نگم۔ بی۔ اے۔ کی شادی ہوئی، باپ کے لیے بیٹے کے سہرے کی تقریب ایک مسرت انگیز تقریب ہوتی ہے۔ خصوصًا ہندوستان مین (جہان لڑکون کی شادی کرنا بھی والدین کے فرائض مین داخل ہے) احباب اور اعزا اس خوشی مین خلوص دل سے شریک ہوئے، بعض سخنور احباب نے سہرے کے پیرا یے مین اپنی دلی مسرت کا اظہار فرمایا، اس اشاعت مین دلی شکریہ کے ساتھ جناب احسن شمسی (ناظم حلقۂ ادبیہ و انجمن حمایت اُردو) جناب اعظمی، اور جناب نازش بدایونی کے بلند پایہ سہرے درج زمانہ کیے جاتے ہین یہ جواہر ریزے اُردو کے خزانۂ عامرہ مین ممتاز جگہ پانے کے مستحق ہین۔

ایڈیٹر

دیا نراین کو ہو مبارک الٰہی نورِ نظر کا سہرا
اب اس سے بڑھکر بھی کیا خوشی ہے کہ باپ دیکھے پسر کا سہرا

جمال نوشاہ کا یہ عالم نظر نہ لگ جاے یا الٰہی
کہ رُخ پہ گلہائے تر کا سہرا بھر اُسپہ تارِ نظر کا سہرا

جو تابشِ روے آتشین سے پسینہ ٹپکا کبھی جبین سے
تو غنچے سہرے کے مسکرائے کہ اب بنیگا گہر کا سہرا

بنے ہین نوشہ سری نراین ہمیشہ پھولین پھلین وہ یارب
بندھا ہو جاہ و حشم کا کنگنا ہو سر پہ علم و ہنر کا سہرا

کہان یہ جوشِ بہار رنگین، وہ کہکشان ہو کہ عقد پروین
فلک ابھی سب کو بھول جائے جو دیکھلے تیرے سر کا سہرا

پتا بتا دین ہوا کے جھونکے کدھر کو ہے بارگاہِ نوشہ
اندھیری شب مین غریب شبنم چلی ہے لیکر گہر کا سہرا

*

جمالِ نوشاہ پر ہیں صدقے ستارے بھی اور چاندنی بھی نثار سہرے کی ہر لڑی پر شعاع نورِ قمر کا سہرا
ہوئی ہے صبح نشاط ظاہر بڑھی ہیں نوشہ کی سمت گویں کہ لائی ہیں بہر رونمائی بنا کے نورِ سحر کا سہرا

کہلائے کیسے گلِ مضامین غضب ہوا حسن کی طبع رنگین
کلام ایسا کلام شیرین کہ اُس کے سر ہے اثر کا سہرا

احسن شمسی

(۲)

زباں ہو تو ہو نوشہ کا مدح خوان سہرا ہے دم بخود اسی حسرت سے بے زبان سہرا
بنا ہے جلوت و خلوت کا راز دان سہرا جہان جہان مرا نوشاہ ہے وہان سہرا
سُنا رہا ہے مسرّت کی داستان سہرا زبانِ حال سے ہے میرا ہمزبان سہرا
یہ بزمِ عیش مبارک سری نراین کو خدا کرے کہ ہو اقبال کا نشان سہرا
جو سر کے گرد رہا تو بنا وہ ہالۂ ماہ جو کھل پڑا تو ہوا رشکِ کہکشان سہرا
خوشی کے پھول برستے ہیں ہر طرف سر بزم عجب بہار سے ہے آج گلفشان سہرا
بھرے ہیں شوق و تمنا کے پھول دامن میں چھپا کے لایا ہے محفل مین گلستان سہرا
ستارے گوندھ کے تارِ شہابِ ثاقب میں بنائیگا مرے نوشہ کا آسمان سہرا
نگاہِ شوق سے نورِ جمال چھپ نہ سکا نقاب بنکے ہوا لاکھ درمیان سہرا
فروغ پر تو رخ سے ہے آسمان پہ دماغ سپہر حسن کا گویا ہے کہکشان سہرا
نظر نواز نہوتا جو جلوہ نوشاہ تو پھر کہان نگہ شوق اور کہان سہرا

عجیب رنگ سے لے اعظمی پئے نوشاہ
بنا کے لائی مری طبع نکتہ دان سہرا

اعظمی

جناب نارش کا سہرا اگلے نمبر مین ہدیہ ناظرین کیا جاوے گا

بزم سخن

امسال آل انڈیا کایستہ کانفرنس کا اجلاس کانپور مین ہوا تھا اسی سلسلے مین ایک مشاعرہ بھی منعقد ہوئی تھی ہمارے پاس صدر مشاعرہ نے غزلین اشاعت کیلئے ارسال کی ہین ہم ناظرین کی تفریح طبع کیلئے غزلونکا انتخاب پیش کرتے ہین

جناب جگر مرادآبادی

کیسے سجود ظاہری کعبۂ امتیاز مین
دونون جہان کو محو کر عشق کی اک نماز مین

اپنی نظر کو دے فروغ، عالم سوز ساز مین
لاکھ نشاط روح ہے، عشق کے اک گداز مین

توڑ کے سب قیود عشق چل دل مدعا طلب
بالب خشک و آہ سرد اُس کی حریم ناز مین

جلد سکون عیش سے ہات اُٹھا کہ بیخبر
تیری بقا کا راز ہے، سوزش جانگداز مین

اسکی خلاف مصلحت ٹوٹ نہ جائے یہ نظام
عشق کو بے ضرر بنا، عالم امتیاز مین

حسن کمال عشق کا کوئی کمال رہ نہ جائے
ناز کا اک سبق بھی لے درسگہ نیاز مین

مشرق غم سے کر طلوع ایک وہ آفتاب حسن
ڈوب سکے نہ جو کبھی، مغرب امتیاز مین

اصل سے ہوکے بیخبر ڈھونڈھ نہ اے دل حزین
عیش دوام عافیت غمکدۂ مجاز مین

یہ جو ہے ایک لذت بیخودی فنائے عشق
اب تو اسے بھی دفن کر مشہد امتیاز مین

دونون جہان مین دو قدم، اول و آخر ہوس
انکو اُٹھا، تو ہے ابھی خاص حریم ناز مین

دیگر

ہوکے فنائے ذات حق دل مرا سوز ساز مین
مرکز اصل بنگیا، دائرہ مجاز مین

دونون جہان تھے غرق و محو جسکی نگاہ ناز مین
ایسا بھی اک بت ملا، بتکدۂ مجاز مین

اصل مین جلوہ گر کبھی، غرق کبھی مجاز مین
مین بھی عجیب راز ہون، عالم امتیاز مین

ہم کہ ہین طالبانِ حق، ڈھونڈھ ہی لینگے زندگی
مین بھی عجیب راز ہون، عالمِ امتیاز مین

فتنے وہ سارے عشق کے بنگئے نورِ معرفت
کھیل رہے تھے، جو ابھی دامنِ امتیاز مین

اب نہ وہ سعیِ مضطرب، اب نہ وہ کاوشِ عمل
ڈوب گئے تمام حسن، نفس بہانہ ساز مین

غیر جو تلخکام ہے اسکے نصیب کی کمی،
مجھکو تو اک مزا ملا، ہر غمِ جانگداز مین

ایک نگاہِ باطنی جو ہے امیدگاہِ عشق،
یہ بھی کہین اُلجھ نہ جائے، دامگہِ مجاز مین

دیدۂ بوالہوس سے ہی، خود وہ نہان کیے ہوئے
جلوۂ رنگ رنگ کو پردۂ راز راز مین

لرزشِ متصل مین اب لطفِ سماع وہ کہان
لذتِ نغمہ پائی تھی جیسی سکوتِ ساز مین

پھیلے پڑے ہین جسقدر حسن کے جلوۂ لطیف
جی مین ہے سب سمیٹ لون دامنِ امتیاز مین

بنکے وہ آفتابِ حسن آج ہے پیشِ چشمِ شوق
داغ سا اک جو تھا کبھی، ناصیۂ نیاز مین

وحدتِ خاص عشق مین، ذکر ہی غیریت کا کیا،
اپنے ہی جلوے دیکھئے اپنی ہی بزمِ ناز مین

اشک اگر نہین تو کر صرف تمام خونِ دل
چاہیئے اک نیا وضوِ عشق کی ہر نماز مین

جسم کی سب کثافتین روح کی سب لطافتین
پاک ہر ایک چیز ہے، دیدۂ پاکباز مین

کام نہ آئین عقل کی عقدہ کشائیان جگر
اور اضافہ ہوگیا سلسلہ ہائے راز مین

منشی جگت موہن لعل صاحب رواں

ہوسکے تھے جتنے مضطرب دلکی حریمِ ناز مین
عقل نے جذب کرلیے ناصیۂ نیاز مین

عالمِ محویت ہے یہ شدتِ سوز و ساز مین
ترکِ نماز ہے نہان میری، ہر اک نماز مین

سنگِ زمینِ کعبہ خود جھکے جبین کو بوسہ دے
ایسے بھی چند سجدے ہین ناصیۂ نیاز مین

کاش عطا ہو پھر وہی، نورِ نشاطِ بیخودی
قلب سیاہ ہوگیا، کاوشِ امتیاز مین

حال کھلے تو کسطرح یار کی بزمِ ناز کا،
جو ہے یہان وہ مست ہے اپنے ہی سوز و ساز مین

بادہ کشانِ ذوق کے ضعفِ حواس پر نہ جا
نعمتِ بیخودی بھی ہے، خمکدۂ مجاز مین

ناخنِ امتیاز کی عقدہ کشائیان کجا،
آپ مین راز بنگیا، سعیِ کشودِ راز مین

نقدِ نیازِ غزنوی وجہِ قبول ہوگیا،
تاجِ شہی تھا پائمال، بارگہِ ایاز مین

وجد مین روح آرزو، رقص مین ذرہ ہاسے دل — اُف یہ کسی نے کیا کہا، خاص زبان راز مین
لائے ہین چند بخت دل نذر نیاز کو روان — دیکھین اگر قبول ہو خدمت بے نیاز مین

جناب فرحت کانپوری

عشق کا مرتبہ تو دیکھ حُسن کی بزم ناز مین — خاک نشین ہے غزنوی، بارگہ ایاز مین
مطرب غم ہے زمزمہ زن، پردۂ سوز و ساز مین — نغمۂ غم ہے مستتر، نالۂ دل گداز مین
آ تو پھر اسطرح سے آ، دوست کی بزم ناز مین — سر کی بھی کچھ خبر نہو، سجدۂ بے نیاز مین
دیکھ کے آستانِ دوست عقل کے ہوش اُڑ گئے — دخل کہان حواس کا حسن کی بزم ناز مین
واہ رے شانِ اضطراب دلین ہو کوئی برقِ حسن — جلوے تڑپ رہے ہین آج، دامن سوز ساز مین
سُن کے مری شکایتین، ناز سے مسکرا دئیے — چھپ گئین سب کدورتین، خندۂ غدر ساز مین
یار کا پائے ناز تھا، میرا سر نیاز تھا — سوز جگر سے ساز تھا، جلوہ گہ نماز مین
کیون ہے مریض غم اداس کیا نہین زندگی کی آس — اشک اُمنڈ رہے ہین آج دیدۂ چارہ ساز مین
فرحت آرزو پسند، ہوش مین آ خودی کو چھوڑ — دیکھ یہ کس کا عکس ہے، آئینہ مجاز مین

سید ابو محمد ثاقب کانپوری

دل ہے حقیقت آشنا جلوہ گہ مجاز مین — حسن ازل ہے مستتر عشق کے سوز ساز مین
خواہش علم ہے فضول حرف نہ لا سے انکشاف — ایک طلسم راز ہے ہستی کارساز مین
اس مین نہان ہین دیکھ لے میری عبودیت کے راز — سجدے کے جو نشان ہین ناصیۂ نیاز مین
تری سمجھ سے ہے بلند ہستیِ راز کائنات — عقل یہ کر رہی ہے تو کوشش امتیاز مین
موت اب اختصار کر کشمکش حیات کو — یاس کا رنگ ہے عیان کوشش چارہ ساز مین

جناب بادی مدراسی (ویلوری)

دل کو ملا رہا ہون مین خاک رہ نیاز مین — کیونکہ ہے جبہ لی پسند اُن کی حریم ناز مین
راحت دلنواز ہے ناز جگر گداز مین — یعنی وفا کی شان ہے حسنِ جفا طراز مین
اُٹھنے لگا حجاب راز کھلنے لگین حقیقتین — آئینہ بن رہا ہے دل جلوہ گہ مجاز مین
پھر کوئی یاد آ گیا بڑھ گیا اضطراب شوق — زور سے روح پھونکدی نالۂ دل گداز مین

فصلی بخار و طحال کی دوا
فصلی بخار و طحال کیلئے ایک دوا ہے!
آجکل سینکڑوں اشتہار فصلی بخار و طحال کی دوا کے آپنے
دیکھے ہونگے مگر انمیں عموماً کونین جز رہتی ہے اسلیئے یہ دوائیں
بخار کو کچھ وقت تک روک دیتی ہیں مگر جڑ سے آرام نہیں کر سکتی ہیں، ایسے بخار کیلیے ڈاکٹر
ایس کے برمن کی فصلی بخار و طحال کی دوا چند روز میں ایکدم آرام کرنے کا خاص دعویٰ رکھتی ہے
اور عوام کے فائدہ کو ملحوظ رکھکر قیمت بھی بہت ہی کم رکھی گئی ہے۔ اسمیں تین خاص صفتیں ہیں۔
(۱) یہ ملیریا کے کیڑوں کو مار دیتی ہے اسلیئے چار پانچ ہی خوراک کے استعمال سے بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے۔
(۲) یہ خون کو بڑھاتی ہے اور اسکی خرابیوں کو مٹاتی ہے۔
(۳) یہ طحال کو گلاتی ہے۔ قیمت فی شیشی کلاں ۱۲ شیشی خورد ۱۰ محصولڈاک شیشی کلاں اور خورد
پرانے ملیریا بخار کی گولیاں
لرزہ بخار پرانا ہو جانے سے نہ آکر دن رات تھوڑا بہت چڑھا رہتا ہے جسم کا خون پانی سا ہو جاتا ہے اور رنگ پھیکا میلا
ہو جاتا ہے تھوڑی محنت سے کلیجہ کانپنے لگتا ہے سانس پھولتی ہے۔ کھانے کی خواہش اور قوت بہت ہی گھٹ جاتی ہے
پیٹ نکل آتا ہے کبھی منھ اور ہاتھ پیروں میں ورم آ جاتا ہے اور زندگی وبال ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ گولیاں فائدہ کرتی
ہیں اور چار پانچ ہی خوراک میں بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ قیمت پچیس گولیوں کی ڈبیہ ۱۰ محصولڈاک ایک ڈبیہ سے دو ڈبیہ تک
کونین گولیاں
یہ چار گرین کی خوبصورت چھوٹی چھوٹی ٹکیاں گل میں بنی ہیں اور سنہری ٹین ڈبیہ میں ہوتی ہیں کونین کا استعمال کرنا ہو تو یہ
گولیاں اپنے پاس رکھیئے۔ اسمیں نہ وزن کی ضرورت ہے نہ کڑوا نہیں لگتا ہے قیمت ۵۰ گولیوں کی ڈبیہ محصولڈاک
ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ
ایجینٹ ڈی دین اینڈ سنز کلکٹر گنج کانپور
ہفتہ وار
آزاد
کانپور
اردو کا بہترین ملکی اخبار جو اڈیٹر زمانہ کی زیر نگرانی ہر پنجشنبہ
کو کانپور سے شایع ہوتا ہے۔ آزاد ملکی واقعات کا ایک
مکمل آئینہ ہے
قیمت سالانہ للعہ ششماہی ۱۲ نمونہ مفت۔ منیجر آزاد کانپور
باہتمام منشی دیا نراین نگم بی اے زمانہ پریس کانپور سے شایع ہوا